لو كان البحر مدادا لكلمات ربي لنفد البحر قبل أن تنفد كلمات ربي ولو جئنا بمثله مددا

مواعظ حسنہ

یعنی

مجموعہ مواعظ فصیحہ و بلیغہ حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین زین المتکلمین
فخر المتالہین عالم علوم ربانی کاشف اسرار فرقانی شیخ الاسلام محی الدین
سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی رفع اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین

مرتبہ و مؤلفہ
سلالہ دودمان رسول الثقلین عالیجناب مولانا مولوی السید محمد سبطین صاحب قبلہ
صانہ اللہ عن کل شین

حسب ارشاد
منیجر البرہان لاہور
طبع شد

قیمت ۱۲ مع محصول

THE NEW UNION PRESS, LAHORE.

خزائن علمیہ

دفتر البرہان" لاہور کی شائع کردہ کتب ہی وہ مفید عام خزائن علمیہ ہیں۔ جن سے چھوٹے بڑے عالم اور جاہل اپنے اور پرائے سب ہی مستفید ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے بہت سے اسی پر گذارہ کرتے ہیں، اور مالا مال ہوتے ہیں۔ ان کا طرز اسلوب مرغوب پسندیدہ ہے۔ انکے براہین قاطعہ و دلائل ساطعہ کے آگے بڑے بڑے دعویدار دم بخود۔ انکی قبولیت عام کی یہ بین دلیل ہے کہ آج متعدد کتب نایاب ہیں اور شائقین انکے دیکھنے کیلئے بیتاب جو موجود ہیں وہ بھی چند روز میں کمیاب ہونگی۔ طالبین کو چاہئے کہ ان جواہرات کی تحصیل میں تعجیل سے کام لیں تاکہ نایابگی سے کف افسوس ملنا پڑے۔

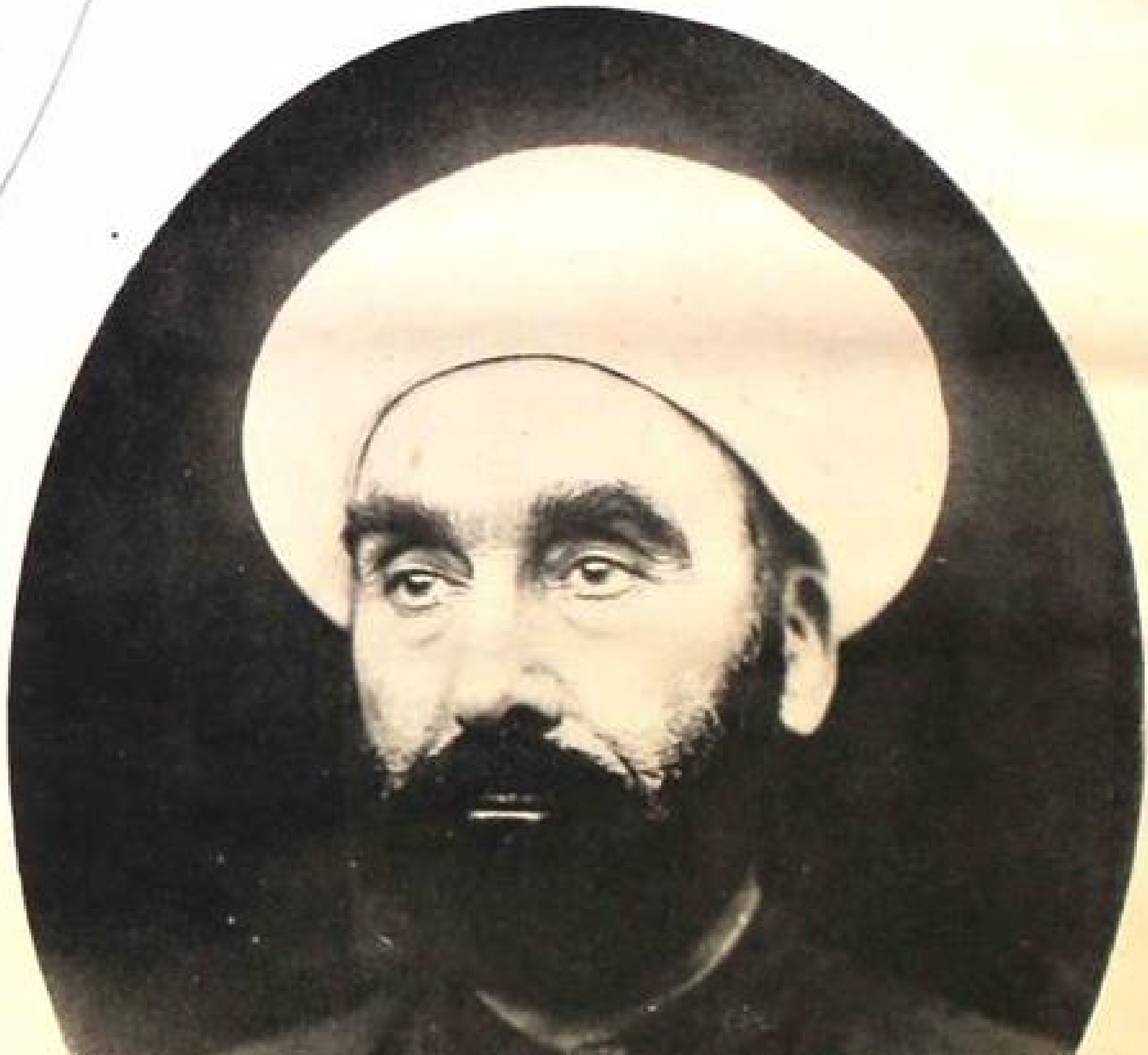
خلافت الہیہ حصہ اول تیسری مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔ اور شاید عنقریب طبع چہارم کی نوبت آئے حصہ دوم بھی قریب ختم ہے۔ حصہ سوم جدید الطبع ہے۔ حصہ اول "خلافت راشدہ" کا اور حصہ دوم "سر الخلافہ" کا اور حصہ سوم "خلافت محمدیہ" کا گویا عالمانہ رنگ میں اور استدلالی طرز پر نہ النامی طرز پر محققانہ جواب ہیں۔ تینوں حصص میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زائد آیات قرآنی استدلالاً اور استناداً اور استشہاداً درج کیگئی ہیں اور اسی سے ان کی قدر و منزلت معلوم ہو سکتی ہے اور ان کی قوت استدلال کا پتہ چل سکتا ہے۔ قیمت حصہ اول صرف ۱۰ر حصہ دوم ۱۰ر حصہ سوم ۱۲ر۔ یہ حصہ کوئی معمولی رسالہ نہیں ہے بلکہ (۵۰۰) صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ ان کتب کے مطالعہ کے بغیر حقیقت نبوت و رسالت و امامت و خلافت و ولایت کا انکشاف محال ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

موعظۂ سوم

موعظۂ چہارم



شیخ الملۃ حجۃ الاسلام سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده والحمد على جميل نعمائه ونشكره والشكر على جزيل آلائه المتفرد في
ازليته اللاهوتية المتوحد في ابديته الجبروتية هو المنان
بفوائد النعم وعوائد المزيد والقسم مانح كل غنيمة وفضل وكاشف
كل عظيمة وازل فنؤمن به اولا باديا ونستهديه قريبا هاديا ونستعينه
قادرا قاهرا ونتوكل عليه كافيا ناصرا ونشهد ان لا اله الا الله الها واحدا
احدا فردا صمدا وترا لم يتخذ صاحبة ولا ولدا ولم يكن له شريك في الملك
ولم يكن له ولي من الذل وكبره تكبيرا ونصلي ونسلم على ام الارواح و
نور الاشباح مبدأ الانوار ومصدر الآثار اشرف انبيائه وافضل اوليائه
محمد المحمود عند اهل ارضه وسمائه وعلى عترته الطاهرة وذريته
الباهرة شموس الولاية ونجوم الهداية وبدور الامامة والخلافة
مفاتيح الرحمة ومصابيح الحكمة وينابيع النعمة - اصول الكرم وقادة
الامم - نواميس العصر واخيار الدهر - سادة العباد وساسة البلاد
شجرة العصمة وباب الرحمة عناصر الابرار ودعائم الاخيار الائمة الاطهار
مبادي الايمان وامناء الرحمن الوسائط الرحمانية في الفيوضات الا
لهية والرحمات القدسية اكمل اصفيائه واكرم خلفائه لا سيما
على الاصل الاقدم والجوهر الاتم والفرع الاكرم والاسم الاعظم
الرافع للظلم والهادي للامم والشهيد على العالم - النهج القويم و

الصراط المستقیم۔ القرآن الناطق والحق الصادق الامام المظفر والصادق المنتظر۔ محیی السنۃ وممیت البدعۃ۔ والی الولایۃ الاحدیۃ وارث الخلافۃ الالٰھیۃ والشریعۃ الخاتمیۃ المنتقم للانبیاء واولاد الانبیاء ووجہ اللہ الذی یتوجہ الیہ الاولیاء مھدی الامۃ واخر الائمۃ المرتجی لازالۃ الجور والعدوان المبید لاھل الفسوق و العصیان المدخر لتجدید الفرائض والسنن صاحب العصر وقائم الزمن ابی القاسم الحجۃ بن الحسن اشرف امنائہٖ واخر اولیائہٖ :

دیباچہ طبع ثانی

برادران ایمانی پر مخفی نہیں ہے کہ اس تاریکی وجہالت کے زمانہ میں جبکہ اسلام کی محض رسم اور قرآن کا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ضلالت کا ابر سیاہ ایک عالم پر چھایا ہوا ہے زبدۃ المحققین، عمدۃ المدققین قدوۃ المتکلمین راس المتالھین۔ سید المتفقھین۔ مجدد العلوم الربانیہ مفسر الرموز القرآنیہ مبین الاسرار الفرقانیہ۔ الحکیم الماھر۔ الحبر الباھر۔ وحید العصر فرید الدھر العالم الربانی۔ الصاصل الصمدانی العلامۃ الشیخ عبد الاعلےٰ ھروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ واسبغ علیہ انعامہ ورفع درجاتہٖ فی دار کرامتہ جیسے عامل وعالم وعارف کامل کا بوجہ حوادث زمان وفتن دوراں ہندوستان میں تشریف لانا اور پنجاب میں اقامت فرمانا خداوند عالم کے تفضلات خاصہ ونعماتِ مخصوصہ سے ہے اور اس نعمتِ غیر مترقبہ کی ناشکرگذاری کفرانِ نعمت وعطائے الٰہی ہے، خوشا وہ لوگ جنھوں نے اس نعمت کا شکر اور اس فیض سے

استفادہ کیا اور دونوجہاں میں سرخرو ہوئے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ اگرچہ حوادثِ زمان وحسد حاسدین وعداوتِ مخالفین و عدم استعدادِ سامعین وآخذین سیلان وجریان بحارعلوم سرکار علامہ بحرالعلوم کومانع رہے۔ لیکن پھر بھی اس تھوڑے سے عرصے میں بہت سے اہل ذوق وشوق وعلم دوست حضرات اہل پنجاب آپ کے سامنے زیرمنبر زانوئے ادب طے کرنے اور مواعظ بلیغہ فصیحہ سننے سے عالم وواعظین گئے معارف دینیہ میں دلائل وبراہین قرآنیہ کی ایک روح پھونکی گئی۔ جو باتیں آجتک بظاہر محض اعتقادی وتقلیدی طور پر مانتے چلے آتے تھے۔ وہ ایسی مبرہن ہوگئیں کہ محسوس نظر آنے لگیں، بہت سے محوشدہ آثاردین ومعالم علم ولیقین تازہ ہو گئے۔ عام طور پر قرآن فہمی کا شوق پیدا ہوگیا۔ قرآن کریم کی عظمت دلوں میں جاگزین ہوئی اور یہ حقیقت کہ قرآن تبیان کل شئی ہے اور اس میں ہر خشک وتر کا ذکر ہے۔ مثل روز روشن آشکارہوگئی بہت سے ملحد ودہرئے محض سرکار علامہ کے براہین قاطعہ عقلیہ ودلائلِ یقینیہ قرآنیہ سنکر معتقد اسلام ہوگئے وذلک فضل اللہِ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

مگر عام لوگ یا تو بوجہ بغض وحسد، یا بسببِ شقاوتِ ذاتی اور یا بجہت عوائق وموانع دہریہ اس نعمت سے مستفید واس فیض سے مستفیض نہ ہوئے اور خواص ہی نے معتد بہ فائدہ اٹھایا "واللہ یختص برحمتہ من یشاء"

یہ ظاہر ہے کہ تقریر کا اثر اگرچہ زیادہ ہوتا ہے۔ مگر سامعین ہی تک محدود رہتا ہے اور صرف وہ ہی لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں جو ایسے جلسہ ہائے وعظ میں شریک ہوتے ہیں اور وہ بھی صرف چند گھنٹے کے واسطے اور تحریر ایسی چیز ہے جو باوجود مُرور ایام ودہور باقی رہتی ہے۔

يلوح الخط فى القرطاس دهراً
وكاتبه رميم فى التراب

بنا بریں اکثر مومنین کا خیال تھا کہ مواعظ سرکار علامہ مرتب ہو کر کتاب کی صورت میں شائع ہوں تاکہ فائدہ عام ہو اور بقاء دوام، اور حاضرین و غائبین خاص و عام سب مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ جب ان کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حقیر ناچیز نے اس کام کو انجام دینے کا عزم کیا مگر اس عزم کو تقویت صرف جناب مخدوم محترم مولوی سید شریف حسین صاحب بھریلوی مدرس سنٹرل ماڈل سکول لاہور کی ہمت افزائی اور کوشش سے ہوئی۔ جنھوں نے اثناء وعظ میں نوٹ کرنے کا ذمہ لیا مجھے خود نوٹ نہ کرنے پڑے۔ اس لئے کہ بعد اختتام وعظ مکان پر جا کر فرصت پانی اور وعظ کو ضبط رکھ کر نوٹ کرنا مجھ جیسے کم فرصت کے لئے بہت دشوار تھا۔ خصوصاً ایام عشرہ محرم الحرام میں ایک گھنٹہ بھی فرصت کا ملنا بہت دشوار تھا۔ ہاں فرصت کے زمانہ میں جبکہ میں ملازم نہ تھا یہ امر مشکل نہ تھا اور اپنے لئے ایسا کرتا بھی رہا۔ بلکہ ہفتوں بعد بعض مواعظ نوٹ کئے ہیں ولا فخر اور اس واسطے جناب مولوی صاحب موصوف اس امداد میں سب سے پہلے قومی شکریہ کے مستحق ہیں اور بعد از اں جناب مولوی معنوی شیخ نبی بخش صاحب پٹیالوی وارد حال مشہد مقدس زید فضلہ جنھوں نے تمام مسوّدات کو صاف کرنے اور خوشخط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اور ان کے بعد وہ مومنین باتمکین جنھوں نے ان کی اشاعت میں مالی امداد میں حصہ لیا فجزاھم اللہ خیراً اس طرح سے عشرہ محرم الحرام ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ھ کے مواعظ نوٹ کئے گئے بعد از اں احقر نے انہیں ترتیب دیا اور چونکہ اثناء وعظ میں تمام وعظ کا بجنسہ لکھا جانا سوائے شارٹ ہینڈ رائیٹر کے اور کسی کو ممکن نہیں۔ خصوصاً وہ وعظ جو غیر زبان مادری یعنی فارسی میں ہوں اور خصوصاً وہ وعظ جو اصطلاحات علمیہ اور

دلائل براہین فلسفیہ و منطقیہ سے پر اور جن میں بلا مبالغہ سینکڑوں آیات قرآنی پڑھی جائیں اور استدلال میں لائی جائیں اس لئے انکی ترتیب دینے میں جو مشکلیں پیش آئیں - ان کو وہی جان سکتا ہے - جس کو یہ کام کرنا پڑے کیونکہ نوٹ اشارات ہوتے ہیں آیات کے شروع سے ایک دو لفظ لکھے جاتے ہیں - اور نیز مضامین میں ہمیشہ وہ ترتیب نہیں رہتی جو وعظ میں ہوتی ہے اور خصوصاً تقاریب و سوق الدلیل الی المطلوب مضامین کی ترتیب - آیات کی تشریح اور ان کو ربط دینا اور تقریب کا خیال رکھنا جدید تصنیف سے کہیں زیادہ مشکل ہے ؛

عشرہ محرم الحرام میں ہر سال یوں تو بہت سے مواعظ سرکار علامہ نے بیان فرمائے اور مختلف مضامین وعنادین وقتی وغیرہ وقتی بحث میں آئے لیکن یہ مواعظ جو **"مواعظِ حسنہ"** کے نام سے موسوم کر کے بصورت کتاب پیش کئے ہیں صرف وہ ہیں جو بسلسلہ مباحثِ امامت جناب محترمِ قوم سید رجب علی شاہ صاحب مرحوم و مغفور کے عزاخانہ واقع موچی دروازہ لاہور میں مسلسل بیان فرمائے اس لئے میرے خیال میں ان مجالسِ مواعظ کے منعقد کرنے والے ممبرانِ انجمنِ اخوان الصفا لاہور اور صاحب خانہ بھی دعا کے مستحق ہیں -

یہ امر بھی مسلم ہے کہ تقریر و تحریر دو حیثیتیں رکھتی ہیں اور تقریر مضامین کا ایک سیلاب متلاطم ہوتا ہے اور کسی ایسی تقریر کو تحریر میں لانے سے اسلوب تقریر ضرور بدل جاتا ہے - خصوصاً بصورت ترجمہ کیونکہ ہر ایک زبان کا اسلوب جدا ہوتا ہے - خاصکر اردو زبان میں فارسی کے مضامین عالیہ کا ترجمہ کرنے سے جو ابھی مضامین علمیہ کے ضبط سے قاصر و بلحاظ اصطلاحات علمیہ ناقص زبان ہے اصل تقریر کا وہ زور جو فارسی میں ہوتا ہے اردو میں باقی نہیں رہ سکتا اور جو لطف کہ اصل فارسی کے خصوصاً مقرر کی زبان معارف بیان سے سننے میں آتا ہے - اردو میں نہیں آسکتا

تاہم اصل کو باقی رکھنے اور ترتیب و تقریب کو قایم رہنے کی بہت کوشش کی گئی ہو اور ترتیب ہی کی غرض سے بعض اور آیات بھی زیادہ کردی گئی ہیں اور بعض اور باتیں جو دیگر مواعظ کے موقع پر سرکار نے فرمائی تھیں حسب ضرورت بڑھادی ہیں۔

بعض اقوال علماء اعلام بھی بضرورتِ تائید احقر نے درج کردئے ہیں اور عبارت کو حتی الامکان بہت ہی آسان کیا گیا ہے اور سرکار علامہ نے اول سے آخر تک ملاحظہ فرماکر اصلاح بھی کردی تھی اس لئے کتاب انشاء اللہ ایک مکمل صورت میں ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچی ہے۔ جس سے خاص و عام سب مستفید ہوسکتے ہیں۔ اور ناظرین مواعظ کو اگر بالکل مطابق اصل فارسی نہیں تو قریب باصل ضرور پائینگے اور ہرایک وعظ مشتمل بر نکاتِ دقیقہ و اشارات لطیفہ و حقائق و معارف مفیدہ اہل ذوق و شوق خصوصًا ذاکرین وواعظین کے لئے بابِ علوم ثابت ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ؛

ان مواعظ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ مضامین و عناوین سلسلۂ امامت میں ارتقا کو مدنظر رکھا گیا ہے، اول آسان ترین عناوین و بیانات ہیں اور رفتہ رفتہ دقیق ہوتے جاتے ہیں اور اگر اس سلسلہ کے بعد کے مواعظ موجود اور طبع ہوتے تو یقینًا ان کی کچھ اور ہی شان نظر آتی وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔"

نیز یہ کہ بعض بیانات ایک جگہ مجمل ہیں۔ دوسری جگہ یا دوسرے وعظ میں مفصل۔ لہذا ناظرین کتاب کو اخیر تک بغور پڑھے و سمجھے بغیر نکتہ چینی سے کام نہ لیں۔ اور جو بعض مضامین مکرر معلوم ہوں گے۔ مکرر نہیں ہیں۔ ضرور کسی نہ کسی جدید مطلب کو مفید یا مؤید یا اُس کے مفسّر یا مُذکّر ہیں۔ ممکن ہے کہ ناظرین ان مواعظ میں بعض استدلالات و استنباطات یا بعض مضامین ایسے بھی پائیں جو پہلے نہ سنے ہوں یا جنکے سننے کے عادی ہیں اس کے خلاف ہوں اور اس لئے ان کی طبیعت ان کو قبول نہ کرے تو بل کذبوا بما لم

بحیطو بعلمہ کے خلاف انکار یا تکذیب یا اعتراض و ایراد سے پہلے اس مثل پر غور فرمائیں کم ترک الاولون للآخرین۔ انشاءاللہ بعد غور و خوض اطمینان حاصل ہو گا۔

گو اندھے مقلد یا غیر معمولی متعصب یا خاص چٹ پٹے مضامین کے عادی یہ کہہ دیتے تھے یا اب بھی کہہ دیتے ہوں کہ یہ مضامین کوئی غیر معمولی نہیں عام اہل علم اس سے بہتر بیان کر سکتے ہیں۔ یا ہمارے یہاں کے لونڈے اس سے اچھا بیان کر لیتے ہیں لیکن جن کو خداوند عالم نے حق شناسی اور حق گوئی کے زیور سے آراستہ کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ شیخ کی زبان حال کہہ رہی ہے۔

وانی وان کنت الاخیر زمانہ — لآت بمالم تستطعہ الاوائل

اسکی سطحی بات میں وہ عمق ہے جہاں عقلوں کی رسائی نہیں۔ معمولی استدلالات میں وہ نکات ہیں جہاں دوسرے کی فکر مشکل سے پہنچ سکتی ہے بیس سال قبل نہیں۔ ہاں، آج لونڈوں کی زبان پر بھی ایسے مضامین ہیں اور شیخ ابھی زندہ ہوتے تو تعجب نہ تھا کہ لونڈیوں کی زبان پر بھی آجاتے۔

اسی کی یہ معجز بیانی ہے جس نے — ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

اور لطف یہ ہے کہ جن باتوں میں مرحوم کی سخت ترین مخالفت کی گئی اور اسپر طرح طرح کے طوفان باندھے گئے وہی باتیں آج عقائد بن رہی ہیں اور ہر ایک نہیں تو اکثر منبروں پر شیخ جلوہ گر دکھائی دیتا ہے ع جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

زندہ است نامِ فرخ عبدالعلی بعلم — گرچہ بسے گذشت کہ عبدالعلی نماند

جن بالبصیرت حضرات کے سامنے پنجاب خصوصاً مومنین پنجاب کی بیس سالہ تاریخ یعنی تاریخ دیانت ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ احساس دینداری۔ معلومات مذہبی۔ اور نشوونمائے دینی کے اعتبار سے ان بیس سال میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا ہے اور وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ یہاں تک ترقی کی ہے کہ اب دوسرے صوبے پنجاب کو

رشک آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اتنا حسن ظن اس معاملہ میں رکھتے ہیں جس کے در اصل ابھی اہل پنجاب مستحق نہیں ہیں، لیکن فی الحقیقت دیگر صوبوں کا یہ حسن ظن کوئی معنی رکھتا ہے اور وہ یہی اہل پنجاب کی امور دینی اور تبلیغ و اشاعت دین میں غیر معمولی ترقی ہے کہ آج معمولی زمیندار تک بھی معقول معلومات مذہبی کا ایک معتدبہ ذخیرہ اپنے سینوں میں رکھتے ہیں سطحی قابلیت کے اشخاص اچھے اچھے باسواد مخالفین کو نیچا دکھادیتے ہیں۔ باسواد مومنین علمار کاملین کی شان دکھاتے ہیں اور وہ تقریریں کرتے ہیں کہ سننے والے دنگ رہجاتے ہیں، اہل علم کا رنگ بدل گیا ہے اور ان کی تقریرات اور تحریرات کو چار چاند لگ گئے ہیں، اودھ شیعوں کا دینی مرکز ہے اور سیکڑوں ذی علم اور باکمال وہاں موجود ہیں۔ مگر پنجاب جو جہالت میں ضرب المثل تھا اسکے فرزند صوبجات متحدہ، اودھ، بہار میں جاکر کامیاب تقریریں کرتے ہیں۔

مادر زاد اور امی مجتہد علامہ بن گئے ہیں ہدایت الخوتک کے تعلیم یافتہ باہمت طالب علم فلسفیانہ مضامین کے مصنف کہلاتے ہیں اور انکی تقریروں میں میر داماد اور ملا صدرا کا رنگ جھلکتا ہے گو اکثر جگہ "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا" کی مثال بھی صادق آتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بھونڈے پن سے کسی کی نقل کی جارہی ہے۔ تاہم انکی ہمت اور جرأت مستحق آفریں ہے ایک زمانہ تھا کہ اہل بٹالہ، جگراؤں پٹیالہ، لاہور اور ملتان جیسے خاص خاص مقامات کے سوا اہل پنجاب عالم کی صورت تو کیا عالم کے نام سے واقف نہ تھے اب معمولی اہل قریہ علمار کاملین کے مواعظ سے مستفید ہوتے ہیں۔ بیس سال قبل شاید شیعیان پنجاب میں کسی مذہبی انجمن کا نام بھی نہ تھا۔ آج سینکڑوں کی تعداد میں مذہبی انجمنیں کام کر رہی ہیں اور انکے عظیم الشان سالانہ جلسے منعقد ہوتے ہیں جہاں اہل علم کی کثیر جماعت اکھٹی ہوتی ہے۔

صرف یہی نہیں کہ یہاں علمار کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے بلکہ عام پبلک کی یہ حالت تھی کہ

علماء کے وعظ سے نفرت کرتے تھے - اگر کبھی کسی عالم کی زبان سے "اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" سن پاتے تھے تو اعوذ باللہ کہتے ہوئے کوسوں بھاگتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا کوئی ذاکر نہیں رہا یہ "قل اعوذیۃ" کہاں سے بٹھا دیا؟ آج وہی لوگ اہل علم کا وعظ سننے کے فریفتہ نظر آتے ہیں - بلکہ ان کو اب سوائے وعظ کے اور کسی چیز میں لطف ہی نہیں آتا -

اشاعتِ مذہب میں سیکڑوں رسائل اور کتب پنجاب سے شائع ہوتی ہیں جو ملک کے اہل علم کی نظر میں خاص وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں -

کئی اخبار اور رسالے جاری ہوئے اور ہو رہے ہیں جو خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں -

دیگر اہل پنجاب مومنین پر ہمیشہ اعتراض اور طعن کیا کرتے تھے کہ تم میں نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی قرآن کو جانتا ہے نہ تمہارے یہاں علمی کتب ہیں تم سوائے پیٹنے اور گالیاں دینے کے اور کچھ جانتے ہی نہیں - اب یہ اعتراضات خود بخود رفع ہو گئے بلکہ بعض منصف مزاج برادران اسلام تو بعض اوقات کہہ اٹھتے ہیں - کہ "اگر علم ہے تو انہیں میں ہے" اور اسکا ہمیں ذاتی تجربہ ہے -

غرض اس بیس یا بائیس سال میں (یعنی ۱۹۰۵ء سے ۱۹۲۶ء تک کے عرصہ میں) پنجاب کی زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آتے ہیں -

اس انقلاب کا کوئی سبب اور کوئی موجب ضرور ہے ممکن ہو کہ یہ کہا جائے کہ یہ زمانے کا اقتضاء ہے اور چونکہ تمام ممالک اور کل اقوام میں علمی اور مذہبی ترقی ہو رہی ہے اور ہر طرف یہی چہل پہل نظر آتی ہے - اس لئے پنجاب میں بھی ہونا تھا جہاں نئی نئی نوبتیں قائم ہو کر نئی تحریک مذہبی کا موجب ہو رہی ہیں یہ صرف اس زمانہ کا اثر ہے - ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں - ضرور ایسا ہی ہے - یا ہو سکتا ہے لیکن "ابی اللہ ان یجری الاشیاء الا بالاسباب" دنیا عالم اسباب ہے اور کوئی شے بغیر سبب یہاں

ظاہر نہیں ہوتی لہذا ضروری ہے کہ زمانے کا یہ اثر کسی خاص مبارک ہاتھ پر ظاہر ہوا ہو اور قدرت نے اس ترقی اور اسکی تحریک کے لئے کسی خاص ہستی کو چنا ہو اور یہ سعادت اسکے حصے میں آئی ہو۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔

ہر یکے را بہر کارے ساختند

اس لئے جملۂ اہل پنجاب خصوصاً بابصیرت اور انصاف پسند مومنین بالتمکین اسکا یہی جواب دیں گے کہ شیعیان پنجاب میں اس چہل پہل، اس ترقی دینی، اس تحریک، اس اشاعت و تبلیغ کا مبدا اور مبتدا اور مرکز و معدن رئیس المحققین، تاج المفسرین، فخر المتالہین، سرکار شریعت مدار علامہ شیخ الاسلام شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ کی ذات بابرکات تھی۔ جس کو حوادث زمانہ نے طہرانی قصروں سے نکال کر پنجاب کے جنگلوں میں لا بٹھایا اس کی معجز بیانی اور دفتر البرہان کی شائع کردہ جدید محققانہ تالیفات اور تصنیفات خصوصاً مواعظہ حسنہ، کشف الاسرار، خلافت الہیہ، الصراط السوی رسالہ البرہان، اس جدید انقلاب کا موجب ہیں اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا سوائے دشمن ایمان حاسد کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا اور حاسد بھی زبان سے انکار کر سکتا ہے مگر دل اس کا بھی تصدیق کرے گا کہ یہ بالکل حق و صدق ہے۔ یہ واقعہ ہے حقیقت ہے اور اسی لئے یہ عرض کیا گیا نہ بطور فخر و مباہات کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خدمت دین بغیر توفیق ربانی ناممکن ہے یہ سب کچھ اسی کی عنایت خاصہ ہے یہ ہمارا احسان نہیں بلکہ اس ذات پاک کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے دین کی خدمت کے لئے ہمیں چنا

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صادقین (الحجرات پ ۲۶ ع ۳)

بلاشک وشبہ اسی نے شیعیان پنجاب میں دین ومذہب کی ایک تازہ روح پھونکی، اسی نے ان مردوں کو زندہ دلان پنجاب میں شامل کیا شیخ کیا آیا گویا مومنین پنجاب کے گلشن دین وایمان میں تازہ بہار آئی، نئے سے نئے پھول کھلے جن کی روح افزا مہک سے نہ اپنوں بلکہ غیروں تک کے دماغ معطر ہو گئے۔

ان مواعظ حسنہ کی اشاعت کو تقریباً چودہ سال ہو چکے ہیں اور آج کم وبیش ہر ایک مقرر کی تقریر میں اس کا حسن خاص نمایاں نظر آتا ہے اور ہیں وہ نکات وہ اصطلاحات اور وہ خصوصیات ظاہر ہیں جو انہی کتب ورسائل سے مخصوص ہیں مقررین میں سے بہت کم حضرات ایسے ہوں گے جنھوں نے ان مواعظ اور کتب مذکورہ سے استفادہ نہ کیا ہو۔

مگر یہ حضرات تین قسم کے ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں جو سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی زندگی میں ان کے دشمن اور آتش حسد میں جلتے رہے اور جہاں تک ہوا اس سلسلہ اشاعت وتبلیغ دین کے قطع کرنے میں دل وجان کوشاں رہے اور ان ہی کی وجہ سے بہت سے اہل ہند اس فیض سے محروم رہے اور مرحوم بھی جو خدمت دین کرنی چاہتے تھے ان موانع وعوائق کی وجہ سے نہ کر سکے اور دل ہی دل میں اس کی حسرت لے گئے۔ بلکہ خود اہل پنجاب بھی جیسا کہ چاہیئے تھا اس چشمہ علوم سے فیضیاب نہیں ہوئے اور اس کا حال ہم کسی قدر بسط سے علامہ قدس سرہ کی سوانح میں لکھیں گے ان میں سے بعض حضرات ان کتب سے استفادہ فرماتے ہیں اور پھر آج تک اس معدن علم کو برا بھی کہتے ہیں۔ کاش یہ حضرات اچھا نہ کہتے تو کم از کم برا بھی نہ کہتے؟

مرا بخیر تو امید نیست شر مرساں

خدا توفیق خیر بدہد آمین۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جو استفادہ کرتے ہیں اور ان جواہر ریزوں کو چنتے ہیں اور ان سے

اپنی تقریرات اور تحریرات کو مزین کرتے ہیں۔ مگر پوشیدہ۔ اور اس اظہار کو گوارا نہیں کرتے کہ یہ کس کان کے گوہر اور کس سمندر کے موتی ہیں کیونکہ وہ اس اظہارِ حقیقت کو اپنی مصنوعی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کی تہدید کی پروا نہیں کرتے اخذتہم العزۃ بالاثم

تیسرے وہ نفوس ہیں جو مولانا فضلاً مرحوم کے شکرگذار ہیں اور کارکنان دفتر البرہان کو اپنا حقیقی محسن جانتے ہیں اور کلمہ خیر کہتے اور اظہار حق میں شرم نہیں کرتے اسکو وہ بے عزتی نہیں سمجھتے۔ بلکہ عین عزت خیال کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے ایک دیندار اہل علم کے لئے اس سے بڑھ کر کیا شرف ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی مقدس اور عالم کامل ہستی کی نسبت تلمذ و استفادہ سے منسوب ہو۔ ہمارے لئے تو اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں کہ شیخ "ارشد تلامذہ" کے مبارک لفظ سے یاد کرتا تھا۔ لیکن۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

توفیق شکر بھی حسب استعداد و قابلیت اسی مبدءِ فیض و معلم حقیقی کی طرف سے عطا ہوتی ہے "ولئن شکرتم لازیدنکم"

ایسے ہی نفوس اور ان کے اصرار کی بنا پر آج ہم پھر ان مواعظ کو بعد نظر ثانی و اضافہ طبع کرانے پر مجبور ہیں کیونکہ اس کے نسخے چند سال سے قطعاً نایاب ہیں اور خواصِ مومنین کے دستِ شوق برابر اس طرف بڑھ رہے ہیں اور وہ ایک ایک نسخہ دس دس روپیہ میں خریدنے کو تیار ہیں اور جن کے پاس ہیں وہ اسکو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتے ان جواہر قرآنی کا دس دس دفعہ مطالعہ کرچکے ہیں اور پھر سیر نہیں ہوتے۔

ورنہ ہمارا حوصلہ پست ہوچکا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہم نے اسکے اور حصص شائع کرنے کی

جرات نہیں کی ورنہ ایک دو حصے اسی سلسلۂ مواعظ میں اور تیار ہو سکتے تھے، خصوصاً اس لئے بھی جرات نہیں ہوتی تھی اور اب بھی اکثر طبیعت متردد ہو جاتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ان مواعظ سے دین اسلام و مذہب حق کو غیر معمولی فائدہ پہنچا ہے وہاں ایک حد تک نقصان بھی پہنچا ہے اور وہ یہ کہ مست کے ہاتھ میں تلوار آگئی ہے یعنی وہ لوگ جو اس کے اہل نہیں ہیں اور اتنی استعداد نہیں رکھتے ہیں کہ ان مطالبِ علمیہ و فلسفیہ اور معارف الٰہیہ کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر اپنی تقریر میں اُن کا حق ادا کر سکیں۔ مگر وہ ایسا کرتے ہیں اور نقل فسد اکثر مما اصلحے کا مصداق بن کر نہ صرف ان مضامین کو خراب کرتے بلکہ دین اور اہل دین پر بھی ظلم کرتے ہیں کیونکہ الفاظ بدل لینے اور آسان ہو جانے سے علم نہیں بدل جاتا مضامین علمیہ کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے یقیناً علم کی ضرورت ہے۔ جاہل اگر کسی مسئلہ شرعیہ کو بیان کرے تو شریعت کو تباہ اور اہل دیانت کو ہلاک کرے گا اور اسی وجہ سے نیم ملا خطرۂ ایمان سمجھا جاتا ہے اس طرح جیسا ان مطالب کلامیہ کو جو ملا صدرا میر داماد اور محقق طوسی کی زبان پر سجتے ہیں۔ پنجاب کا ایک تین جماعتوں تک اردو پڑھا ہوا ذاکر بیان کرے تو کیا ہوگا:

گر ہمیں مکتب ہست و ایں مُلا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

کا مصداق ہوگا۔

ایسا ہوتا ہے اور ہمنے اپنے کانوں سے سنا ہے اور ہمیں ایک مکرم دوست پنجابی ذکر کا یہ مقولہ نہیں بھولتا کہ "آپ یا تو رسالہ بند کر دیں یا عربی میں چھاپا کریں ورنہ ہمارے علاقہ کے کل پنجابی ذاکر مجتہد بن جائیں گے" بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ اگر ہم ان معارف الٰہیہ اور ان مطالب علمیہ کو ذرا اور وضاحت سے بیان کر دیں اور جو نہیں بیان

کیلئے وہ بھی بیان کردیں تو بقول خود سرکار مرحوم اکثر لوگ ان مضامین کو لیکر دعویٰ نبوت کریں۔ بلکہ نبوت تو پنجاب میں اب عام ہوچکی ہے اور اس دعوے کی اب کوئی زیادہ وقعت نہیں رہی ہے۔ شاید بعض لوگ دعوائے الوہیت کر بیٹھیں اور اہل پنجاب کی زندہ دلی، ہمت، جرأت اور جفاکشی سے یہ کچھ بعید نہیں ہے۔

جو کتاب طبع کی جاتی ہے وہ اسی لئے ہے کہ لوگ اس سے مستفید ہوں اور اگر وہ ایسا کریں تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اپنی حیثیت سے آگے قدم نہ رکھے اور اپنی بساط سے نہ بڑھے وہی مضمون بیان کرے جسکو وہ خوب سمجھتا ہو اور جس پر وہ ہر طرح سے حاوی ہو جس کے ہر پہلو پر بحث کر سکتا ہو۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ بجائے حق ناحق کی اشاعت کا مرتکب ہو۔ اعاذنا اللہ من ذالک:

اہل پنجاب اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ میں بہت جری ہوتے ہیں اور تحصیل علم کے طریقہ سے اکثر ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو اسکی محنت کو گوارا نہیں کرتے۔

اخی لا تنال العلم الا بستۃ	سانبیک عن تفصیلھا ببیان
ذکاء وحرص واجتھاد وبلغۃ	وارشاد استاد وطول زمان

یعنی تحصیل علم کے لئے چھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ ذکاء ذہنی، حرص تحصیل علم، اجتہاد اور کوشش، قوت لایموت، استاد کی ہدایت اور زمانہ دراز۔

یا وہ جانتے ہیں مگر وہ خیال کرتے ہیں کہ جب بلا محنت ومشقت بلا پڑھے لکھے آدمی علامہ حجۃ الاسلام، آیۃ اللہ بن سکتا ہے اور جہاں عالم تشیع میں بارہ سو سال میں ایکشخص علامہ کے لقب سے ملقب ہوا وہاں آج گھر گھر علامہ موجود نظر آتے ہیں تو پھر محنت ومشقت تحصیل علم میں برداشت کرنا خلاف عقل اور اصول

اقتصاد کے بالکل منافی ہے - اگر ایک سال میں آدمی عالم بن سکے تو پھر اپنی عمر کے بیس یا پچیس۲۵ سال کیوں ضایع کرے اور اپنی صحت اور روپیہ کیوں برباد کرے؛

اس واسطے ہمنے دیکھا ہے کہ میزان و منشعب تک پڑھے ہوئے لڑکے اچھے خاصے ملا بنے ہوئے ہیں - دو کتابیں اردو فارسی کی پڑھ لیتے ہیں اور گاؤں میں نکل جاتے ہیں اور "علماء" بن جاتے ہیں اور اگر کوئی ان کی تعظیم نہ کرے تو لڑتے ہیں اور یہ سب واقعات ہمارے تجربہ کے ہیں -

خدمت دین سے بہتر کیا چیز ہے - اگر یہ حضرات کچھ وقت تحصیل علم میں بھی صرف کریں تو کیا اچھا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم سے کم جو بات نہ جانتے ہوں یا کتاب سمجھ میں نہ آئے اسکو ضرور کسی جاننے والے سے پوچھ لیا کریں - ایسا کرنے سے ان کے علم میں بھی اضافہ ہوگا اور غلط بیانی کے خطرے سے بھی محفوظ رہیں گے اور صحیح معنی میں خدمت دین بجا لا سکینگے -

واقعاً تحصیل علم لوہے کے چنے چبانا اور آنکھوں کا تیل نکالنا ہے - جنہوں نے تحصیل کی مصیبتیں اٹھائی ہیں وہ ہی اسکی حقیقت کو جان سکتے ہیں -

کوچہ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانہ والے

تحصیل اردو فارسی و عربی میں پورے بیس سال اساتذہ کی خدمت میں گذرے اور سولہ سال سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی خدمت کی اور استفادہ و استفاضہ کیا اس عرصہ میں صحرا نوردی و کوہ پیمائی اور کوچہ گردی سب ہی کچھ کی - پھر بھی "من آنم کہ من دانم" "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" - "العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشاء - و انّی لی ذالک"

خوشا حال ان طلبہ کا جو تحصیل علم میں اپنی اوقات عزیز صرف کرتے ہیں اور محض

خوشنودی خدا کے لئے علم دین کو حاصل کرتے ہیں "انما یخشے اللہ من عبادہ العلماء"۔

اگرچہ ان کتب کی ایک خصوصیت خاص ہے جو شاید دوسری کتب میں نہو یا بہت کم ہو وہ یہ کہ ان کو پڑھ کر معمولی قابلیت کا انسان جس میں بولنے کی استعداد ہو اچھا واعظ بن جاتا ہے۔ خواہ کوئی اور کتاب دیکھے یا نہ دیکھے۔ چنانچہ یہ بالکل مشاہد اور محسوس ہے اور بہت سی زندہ ہستیاں اسکی گواہ ہیں اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جو ہم نے اوپر عرض کیا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کتب کا مقصد ہی تعلیم دینا اور سکھانا ہے اور ہر ممکن طریق اور طرز و اسلوب سے مطالب کو عام فہم بنانے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر ایک مضمون اور ہر ایک استدلال میں ترتیب اور ارتقا کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اکثر مضامین ایسے بھی ہیں کہ جن کو بلا کم و کاست بجنسہ لفظ بلفظ پڑھا اور بیان کیا جا سکتا ہے اور ایسا کیا جاتا ہے۔ تاہم ہر مضمون کو ہر ایک شخص اپنے علم و فہم کے موافق و مطابق ہی سمجھ گا۔ سب یکساں اور مساوی طور پر اسکو اخذ نہیں کر سکتے جس طرح ایک عالم فارغ التحصیل انکو سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عامی یا دو چار جماعتیں پڑھا ہوا کیونکر سمجھ سکتا ہے۔

لہذا یہ کتب اہلِ ایمان کے لئے درس کا کام دیں گی۔ بشرطیکہ کچھ محنتِ تحصیل برداشت کی جائے اور اصول استفادہ کو ملحوظ رکھا جائے اور ایسا کرنے سے یہ حضرات حقیقی معنی میں واعظ و مُبلّغ بن جائیں گے۔ خدا توفیق عنایت فرمائے کہ تحصیل کی طرف متوجہ ہوں اور محض تیر تُکے پر کام نہ چلائیں۔ علمِ دین کو نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنائیں نہ کہ تحصیل حُطام دنیویہ کا۔ شہرت اور نام و نمود کے لئے خدا کو نہ بھولیں۔ شہرت سے صرف مالِ دنیا میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ثواب آخرت میں زیادتی ناممکن ہے رب اهد قومی انهم لا یعلمون۔

اس طبع ثانی میں ہمنے جملہ مطالب کتاب پر ایک نظر ڈالی ہے بعض الفاظ اور فقرات جو مبہم تھے انھیں واضح کردیا ہے جو مشتبہ تھے ان کو ان سے بہتر الفاظ میں بدل دیا ہی بعض مقامات پر تائیدی آیات، احادیث روایات اور اقوال وتحقیقات علمار و حکمار کا اضافہ کرکے کردیا بعض جگہ کسی حدیث یا روایت کا صرف ترجمہ تھا اسکی اصل عبارت نقل کردی ہے اور بعض مقامات میں آیات کا ترجمہ نہ تھا وہ بڑھا دیا گیا ہے جو طباعت کی غلطیاں رہ گئی تھیں وہ حتی الامکان درست کردی گئیں اگر کاتب اور مصحح نے بھی ان کو درست رکھا، آخر میں چند خاص مواعظ کا اور اضافہ کیا گیا ہے اور ایک مضمون تحریری سرکار علامہ مرحوم اعلی اللہ مقامہ کا جو عربی میں ہے بعینہ خاص اہل علم کی خاطر اضافہ کردیا ہے اور اس طرح وہ مواعظ ومضامین کا تیسرا حصہ بن گیا ہے اور کتاب ان حیثیات سے بالکل نئی ہو گئی ہے اور ساتھ ہی سرکار علامہ مرحوم کی مختصر سوانحعمری بھی شامل کردیگئی ہی اور اگر توفیق رفیق ہوئی۔ تو مرحوم کی شبیہہ بھی سرورق پر چھاپی جائیگی وما التوفیق الا باللہ

اب میں اس دیباچہ طبع ثانی کو ختم کرتا ہوں اور ناظرین کرام سے یہ امید رکھتا ہوں کہ بوقت مطالعہ و استفادہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں اور ان کے ساتھ اس ناچیز کو بھی یاد رکھیں

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہگارم

الاحقر المذنب المسمیٰ السید محمد سبطین
سرسوی۔ ۲۰ محرم الحرام
سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۱ جولائی
سنہ ۱۹۲۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واقعات و سوانح

حضرت سرکارِ شریعتمدار رئیس العلماء الاعلام حجۃ الاسلام الشیخ عبد العلی الھروی الطہرانی قدس سرہ العزیز

مصنف کی معرفت اور اس کی عظمت تصنیف کی عظمت و وقعت کو عام و خاص کی نظروں میں دوبالا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام میں کسی مصنف کی تصنیف کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی مجملاً یا مفصلاً ضرور طبع کیا جاتا ہے اور اس طرح سے مصنف کی مساعیٔ جمیلہ کا قوم کی طرف سے عملاً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

بنا بریں یہ مناسب اور موزون خیال کیا گیا ہے کہ ہم بھی سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کے ان "مواعظ حسنہ" کے ساتھ ان کی مختصر سوانح عمری درج کریں اور یہ مرحوم کے بقائے نام کی ایک بہترین صورت ہو گی مخلصین ان حالات کو پڑھ کر خوش ہوں گے اور مرحوم کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہات سے مرحوم کی گراں بہا زندگی کے مفصل حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔

اول تو اس لئے کہ سرکار علامہ کے مخلصین پر کچھ ایسا غفلت کا پردہ پڑا رہا خصوصاً اس ناچیز پر کہ گویا اس حقیقت ہی کو بھولے ہوئے تھے کہ علامہ کو ایک دن ہم سے جدا ہونا ہے کچھ ایسا تصور بندھا ہوا تھا کہ علامہ ہمیشہ ہی ہمارے ساتھ

اور ہمارے پاس رہیں گے۔ اس لیے بہت باتیں جو پوچھنی تھیں نہ پوچھ سکے بلکہ بہت سی خاص چیزیں جو لینی تھیں اور جواب کسی دوسری جگہ سے نہیں مل سکتیں نہیں لے سکے

دوسرے چونکہ سرکار علامہ قدس سرہ کی مقدس زندگی کا وہ دور جس میں ان کے کمال کی شہرت کا آفتاب طالع ہوا تھا چند سال ہی کے بعد سیر وسفر سے بدل گیا اور اس واسطے ان کے خاص ایرانی احباب بھی مرحوم کے حالات سے مطلع نہ ہو سکے۔ چہ جائے کہ دیگر اہلِ ملک۔

تقریباً چونتیس [۳۴] ، پینتیس [۳۵] سال کے ہوں گے طہران پہنچے۔ ناصر الدین شاہ قاچار کی نظر چڑھے اور غالباً اپنی عمر کے چالیسویں سال میں طہران بلکہ ایران کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا پڑا اور باقی تمام عمر پردیس میں گذر گئی اور اسی وجہ سے خود ان کی اولاد بھی ان کے حالات سے واقف نہ ہو سکی کیونکہ وہ ابھی بچے ہی تھے کہ باپ کے سایہ سے جدا ہو گئے۔ چنانچہ شیخ نصر اللہ مرحوم فرزند ارجمند سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ سے دریافت کیا تو یہی جواب ملا کہ ہمیں وہ دن ہی نصیب نہ ہوا کہ مرحوم کے حالات سے آشنا ہوں۔ بناءً علیٰ ہذا یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہے جو کبھی کبھی کسی واقعہ کے ذکر میں ضمناً خود سرکار علامہ کی زبان سے نکل گیا ہے اور ہمارے ذہنوں میں محفوظ رہا ہے یا جو کچھ جستہ جستہ کسی ایرانی واقف سے معلوم ہو گیا ہے اسی قدر اشارات کافی ہیں اور انہی سے ناظرین سوانح عمری کے نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔

دانہ خرمن ہی ہیں قطرہ ہی دریا ہمکو
آئے ہی جز میں نظر کل کا تماشا ہمکو

ولادت باسعادت وابتدائی تربیت

سرکار علامہ شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی بن حاجی شیخ احمد

مرحوم بن شیخ ابراہیم خاص شہر ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے آپ کے والدِ ماجد شیخ احمد نے مشہد مقدس میں کچھ زمین حاصل کرلی تھی اور اکثر وہاں رہائش رکھتے تھے۔ شیخ احمد مرحوم کا ایک بیٹا تھا جو نہایت درجہ شیخ کو محبوب تھا بقضائے الٰہی اس کا انتقال ہوگیا اور شیخ مرحوم کو سخت صدمہ پہنچا کچھ عرصہ بعد شیخ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ حج سے مشرف ہوئے اور تحت المیزاب دعا کی کہ خداوندا مجھے ایک فرزند عطا فرما جو میرا خلفِ صالح ہو اور اس سے میرا یہ غم غلط ہو اور اس صدمہ کی تلافی ہو حج سے واپس آکر ایک عقد کیا اور اُس مخدومہ سے شیخ عبدالعلی ھروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ متولد ہوئے اور ویسے ہی نکلے جیسا کہ شیخ احمد مرحوم کی خواہش تھی۔

صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں لیکن شیخ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں سنہ ۱۳۴۱ھ میں انتقال فرمایا اور اس لئے صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ ۱۲۷۷ ہجری میں ولادت ہوئی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنے والدِ مرحوم سے ہی پائی تھی۔ کمال ذہانت کے ساتھ طبیعت میں ظرافت وخوش طبعی بھی تھی۔ چھوٹی سی ہی عمر میں والدِ مرحوم کے وعظ میں شریک ہوتے اور کہیں کہیں سے ٹوک دیتے اور بحث کرنے لگتے۔ ملا مرحوم آپ کو دھمکاتے تو فرماتے کہ دھمکانے سے مسئلہ تو حل نہیں ہوا وہ تو اپنی جگہ رہا۔ غالباً دس سال کی عمر ہوگی کہ ماہ مبارک رمضان میں ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ملا احمد مرحوم گھر نہ تھے اور اُن کی عادت یہ تھی کہ دعائے ابوحمزہ ثمالی ہر شب وقتِ سحر پڑھتے تھے۔ اور علامہ کی والدہ کو بھی پڑھایا کرتے تھے اس شب وہ دعا نہ پڑھ سکیں یہ جاگ رہے تھے کہنے لگے کہ میں پڑھائے دیتا ہوں۔ کہا تو کیسے پڑھا سکتا ہے۔ کہا مجھے یاد ہوگئی ہے والد سے سنتے سنتے

حفظ ہوگئی ہے اور حفظ دعائے ابو حمزہ ثمالی پڑھادی جب شیخ مرحوم واپس آئے تو یہ حال معلوم ہوا۔ سجدۂ شکر ادا کیا کہ الحمد اللہ! کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے لئے میں نے تحت المیزاب کعبہ میں دعا کی تھی۔

جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ امیر عبد الرحمان خاں والی افغانستان مرحوم کے اس زمانہ تک جس میں بہت سے شیعہ شہید اور جلاوطن ہوتے تھے۔ جس کا باعث صرف حبذ اللہ (طلبہ اور دنیا طلب ملا تھے جو رفض کا الزام لگا کر انکے قتل کے فتوے دیتے تھے اور خود حبذ اللہ حملہ آور ہوتے تھے) اور یہ طوفان ہرات میں حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ بے گناہ شیعوں سے مقبرے پُر ہو گئے تھے اور اسی سلسلہ میں مرحوم کے مکان پر بھی حملہ کیا گیا تھا اور اسی حملہ میں ان کی لڑکی جس کا سن تقریباً چھ سات سال کا تھا شہید ہوگئی تھی۔ جس کا علامہ کو سخت صدمہ تھا۔

اور گورنر ہرات (سعد اللہ خاں جہاں تک مجھے یاد ہے) شیخ اور اُن کے خاندان سے واقف تھے اس لئے ان کو زیادہ تکلیف نہ پہنچ سکی اور اسی واقعہ پر خاتمہ ہوگیا اور اُسی گورنر نے ملاؤں کی زیادتی کی امیر موصوف سے شکایت کی اور اس کا انتظام کیا گیا ان کی سکونت ہرات ہی میں تھی مگر اسی طوفان کے بعد ان کو ہرات کو بالکل چھوڑنا پڑا اور اسکے بعد ہرات کی جائداد بھی ضبط ہو گئی جس کی استخلاص کے لئے مرحوم نے اب حال میں کوشش بھی کی تھی۔ مگر امیر امان اللہ خاں خلد اللہ ملکہ نے منظور نہ کیا اور اپنی مجبوری ظاہر فرمائی۔

"رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"

اسکے بعد علاقہ مشہد مقدس میں بمقام ترشیز موضع فداغن جہاں ملا مرحوم کی زمین تھی اصلی مسکن قرار پایا اور اب بھی مرحوم کے متعلقین وہیں سکونت پذیر ہیں۔

استعدادِ فطری اور ذہانتِ طبعی

توارث اموال کی طرح توارث صفات مسلم ہے۔ اکثر کاملین میں یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل ایک عرصہ تک چلا آیا ہے اور چلا آتا ہے اور شرفا کی نسل اکثر شریف ہی ہوتی ہے۔ نیک انسانوں کی اولاد اکثر نیک ہوا کرتی ہے۔ علماء کے گھرانے میں علم مدتوں رہا ہے۔ "گندم از گندم بروید جو زجو"۔ دادا عالم، باپ کامل پھر باپ کی خاص دعا اور وہ بھی کعبہ میں تحتُ المیزاب۔ ایسوں کا بچہ کامل ہو تو کیا تعجب ہی۔ علامہ میں بچپن ہی سے آثارِ کمال نمایاں تھے۔

بالائے سرش زہوشمندی

میتافت ستارہ بلندی

مشہدِ مقدس کے قیام میں بعض مدارسِ مشہد (غالباً مدرسۂ شیخ جعفر مرحوم) میں بھی داخل رہے۔ سنِ رشد کو نہ پہنچے تھے لیکن بعض اساتذہ جو منبر پر کبھی کوئی علمی تقریر کرتے تھے تو وہ اُن کو یاد ہو جاتی تھی اور لڑکوں میں اسکو دُہرایا کرتے تھے۔

ایک دن استاد کو بھی یہ خبر پہنچی بلایا اور تقریر سنی تعجب کیا۔ کہا اسکا مطلب کیا ہوا۔ عرض کیا مجھے کیا معلوم کہ مطلب کیا ہوا۔ مطلب آپ جانیں میں نے تقریر سنی تھی مجھے یاد ہوگئی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوتِ حافظہ بھی خاص عطیہ خداوندی وعنایتِ الٰہی تھی، اس استعدادِ فطری۔ کمال ذہانت اور انتہائے کمالِ قوتِ حافظہ کا یہ نتیجہ تھا کہ اپنے پدرِ بزرگوار کی تعلیم کامل و اساتذۂ کاملین کا فیض اور ارشاد و ہدایات سے چودہ سال کی عمر میں اتنا کچھ پڑھ گئے تھے کہ عام لوگ تیس سال کی عمر میں بھی اس درجہ کو نہیں پہنچے یعنی چودہ سال کی عمر میں ملکۂ استنباط موجود تھا۔ چنانچہ ماہ مبارک رمضان

تھا اور شیخ ملا احمد مرحوم مع اہل و عیال مشہد ہی میں تھے، علامہ کی عمر کا یہ چودھواں سال تھا۔ والدین کے ساتھ بچوں کی طرح روزے رکھنے شروع کئے چند دن کے بعد گرمی بڑھ گئی تو والدین نے کہا تو روزے چھوڑ دے کہ گرمی بہت ہو گئی ہے۔ تکلیف ہو گی پھر آئندہ سال رکھنا۔ باز نہ آئے۔ والدین بچپن کی ہٹ سمجھے۔ ایک دو دن کے بعد پھر تاکیداً منع کیا نہ مانے۔ والد نے سختی کی اور سست و درشت کہا۔ جواب دیا کہ میں بالغ ہوں روزے مجھ پر فرض ہیں کیسے ترک کر دوں۔ شیخ احمد حیران ہوئے اور ساتھ ہی غصہ بھی آیا۔ دھمکایا۔ گھُرکا۔ اور بلوغ کے علامِ ثلٰثہ کا ذکر کر کے کہا کہ کون سی علامت پائی جاتی ہے جو تو بالغ ہو گیا ہے عرض کیا ان میں سے تو کوئی نہیں۔ کہا پھر۔ عرض کیا از روئے حدیث و حکم معصومؑ۔ بہت متعجب ہوئے اور سمجھے کہ یہ لڑکپن کی ضد نہیں۔ کوئی گہری بات ہے کہا کونسی حدیث ہے اور کہاں ہے۔ عرض کیا کافی میں۔ اور کتاب لاکر حدیث نکالدی جس میں بلوغ کی علتِ مستقلہ مذکور ہے۔ ملا مرحوم دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ یہ سن اور یہ جرات اور یہ نظر اور واقفیت! اس سن میں عام مسلمان بچوں کو تو طہارت کرنی بھی درست نہیں آتی۔ قوتِ استدلال تو طلبہ علم میں بھی مدت کے ریاض اور خدمتِ اساتذہ کے بعد بڑی عمر میں جاکر پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی خاص خاص میں۔ یہ علامہ جیسے ہی خاص نفوس کا حصہ ہے

فان العلم نور من الٰہ ولا نور اللہ لا یعطے لعاص

"فضلنا بعضہم علےٰ بعض"

اس کمالِ قوتِ استنباط کی حقیقت کو وہی لوگ خوب سمجھتے ہیں جنھیں علامۂ مرحوم کے فیضِ صحبت سے کافی حصہ ملا ہے اور مرحوم کے استدلالات۔ اور استنباطات ہر علم و فن میں سُنے اور دیکھے ہیں۔ البتہ یہاں سے یہ پتہ چل سکتا ہے

کہ جب چودہ سال کی عمر میں یہ حال تھا۔ تو اب چونسٹھ ۶۴ سال کی عمر میں کہاں سے کہاں پہنچے ہونگے اور ان کی نظر کس قدر عمیق ہو گی جس وقت ایسے بزرگوار اس زمانہ قحط الرجال میں موجود ہوں۔ تو کچھ تعجب نہیں کہ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ و نور ضریحہ و قدس سرہ و طاب مرقدہ جیسے بزرگ بارہ سال کی عمر میں مجتہد ہو گئے ہوں اور ان نفوس کے لئے ایسے امور کیونکر تعجب خیز ہو سکتے ہیں۔ جن پر ان نفوسِ قدسیہ مقدسہ طاہرہ قاہرہ کی خاص نظر عنایت ہو جو شکمِ مادر سے معادنِ علوم وفنون و معالم تنزیل و تاویل، اور مخزن اسرار الہٰی پیدا ہوتے ہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین مرحوم کے مفصل تعلیمی حالات اور جملہ اساتذہ کا حال افسوس ہے کہ معلوم نہیں ورنہ بہت کچھ دلچسپ ہوتا۔

سطحی درس و تدریس

سے فراغت حاصل کر کے کچھ عرصہ درسِ خارجی میں شریک ہوئے۔ جبکہ حجۃ الاسلام اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی مرحوم کی تعلیم کا آخری زمانہ تھا اس وجہ سے علامہ مرحوم اور اخوند مرحوم ہم درس کہلاتے تھے اور اخوند ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چند سال ہی گذرے تھے کہ بعض مطالبِ اصولیۂ علمیہ پر ایسی مدلل اور زبردست تقریریں کیں کہ اساتذہ نے کہا تمہیں ان کتب کے درس خارجی میں شریک ہونے کی اب چنداں ضرورت نہیں ہے اب خود ایسی تمام کتب پر نظر ڈال جاؤ۔ بس کافی ہے۔

اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا اول کتبِ فقہ و اصولِ فقہ جہاں تک بھی دستیاب ہو سکیں اور مل سکیں دیکھیں بعد از اں کتب احادیث اور پھر تفاسیر۔ مگر تفاسیر کے اختلافات نے انہیں ثابت کر دیا کہ "کل شیء فی التفاسیر الا التفسیر"۔ کتب تفاسیر علماء میں آئے تفسیر واقعی سب کچھ موجود ہے عام کتب تفاسیر سے قطع نظر کر کے قرآن پاک میں تدبر و تامل و تفقہ شروع کیا۔ اور اس میں صرف ان تفاسیر سے مدد لی جن میں محض

احادیث معاونِ علوم و معالم تنزیل ہیں اور اس تدبر و تفکر و تامل سے وہاں پہنچے جہاں دوسروں کا ہاتھ بہت کم پہنچا ہے وہ نکات جو علامہ فرقانِ حمید و قرآن مجید سے بیان کرتے تھے۔ ہمارے متقدمین کی کتب میں ملتے ہیں مگر عام طور پر نہیں۔ مخصوصین میں اور خاص خاص مقام پر "وکم ترک الاولون للاخرین" بلاشک وشبہہ یہ بزرگوار انہیں نفوس میں سے تھے۔ جن کے متعلق حضرات صادقین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے "علما وارثانِ علوم انبیاء ہیں" اور یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ بلکہ وہ اپنے علوم و احادیث چھوڑ گئے ہیں بس جس نے انہیں سے حاصل کر لیا اس نے بہت کچھ پا لیا۔ پس تم دیکھو علم کسی شخص سے لیتے ہو اور مسائل کس سے پوچھتے ہو (ہر کس و ناکس سے علم دین نہ سیکھو) فان فینا (لنا) اهل البیت فی کل خلف عدولا ینفون عن دیننا تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاهلین کیونکہ ہمیشہ ہمارے سلسلہ میں کچھ ایسے عادل علماء رہتے ہیں جو دین سے غالیوں کی تحریفات اور علماء نماؤں کی مدخولات اور جاہلوں کی تاویلات دور کرتے رہتے ہیں اور یہی دین کے سچے حامی ہوتے ہیں اور انہیں کو حصن اسلام کہا گیا ہے۔ ان ہی کی موت سے اسلام میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔

فجزاہ اللہ شیخنا عن الاسلام و اهل الاسلام خیر الجزاء و حشرہ مع ائمة الهدیٰ آمین رب العالمین

علومِ باطنی و ریاضاتِ نفسانی

علامہ اعلی اللہ مقامہ کے علوم و فنون کا یہ عمق صرف تحصیلاتِ ظاہریہ و تعلیماتِ سطحیہ و خارجیہ ہی سے نہ تھا۔ علم حقیقی نور ہے اور جس قلب میں جتنی صفائی ہوتی ہے اسی قدر نور اس میں چمکتا ہے اور منعکس ہوتا ہے محل مطابق حال اور ظرف موافق مظروف کا ہونا ضروری ہے۔

علوم باطنیہ و ریاضات نفسانیہ میں علامہ مرحوم کے استاد رئیس العارفین قدوۃ الزاہدین محمد اکبر ترشیزی رحمہ اللہ تھے۔ کمال صفائی باطن و صفائی نفس سے آراستہ تھے۔ بلاناغہ نماز تہجد باغسل ادا فرماتے تھے اور یہ علامہ مرحوم کا بیان ہے کہ آخر میں وہ صاحب کرامت تھے۔ غسلخانہ میں پانی کا کوئی انتظام نہ کرتے تھے مگر نصف شب کے بعد جب تہجد اور اذکار و اوراد کے لئے اُٹھتے تھے تو گھڑوں میں پانی بھرا ہوا پاتے تھے اور ان کی اور بہت سی ایسی باتیں مشہور ہیں جن کے سمجھنے اور سننے کی ہر ایک میں استعداد نہیں ہے لہذا ہم ترک کرتے ہیں غالباً ان علوم میں اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی اعلی اللہ مقامہ و نور ضریحہ بھی انہیں بزرگوار موصوف کے شاگرد تھے آخوند مرحوم نے نو سال برابر ریاضت کی تھی اور علامہ مرحوم نے چھ سال ریاضات نفس۔ تزکیۂ نفس۔ خاص اذکار و اوراد میں گذارے بڑے بڑے خوفناک اور ہولناک مقامات میں آیات وسور کے ختم کئے۔ مدتوں اسکی خاطر اور کمال طہارت و نظافت کی غرض سے اپنے ہاتھوں سے روٹیاں پکائیں اور اسمیں بہت کچھ کمال حاصل کیا اور کیوں نہو حالانکہ پروردگار عالمین فرماتا ہے "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ مع المحسنین" "وقد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا"

کثرتِ مطالعہ باوجود ان حالات کے بھی مطالعہ میں کمی نہیں کی۔ ملکہ نفس میں خاص استعداد و صفائی پیدا ہونے کے بعد مطالعہ کتبِ احادیث وکتاب اللہ کی طرف خاص توجہ کی۔ اپنے کتب خانے میں۔ آٹھ ہزار کتابیں تھیں کل دیکھیں۔ پھر ملکِ ایران میں کتابوں اور کتب خانوں کی کیا کمی ہے جہاں بھی کوئی کتاب مل پاسکی۔ وہ لی۔ حاصل کی اور اسکو دیکھا۔ خصوصاً کتب کلام و فلسفہ۔ اصفہان میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کا کتب خانہ بھی دیکھا ہے اور طہران میں شاہی کتب خانہ بھی اور اب تک بھی یہ حال تھا کہ گو آپ بہت کم کتاب دیکھتے تھے۔ ہر شب اور اکثر دن میں

بھی صرف کلام پاک ہی میں غور فرماتے تھے مگر پھر بھی جو کتاب سامنے آجاتی تھی تو اسکو بغیر دیکھے اور ختم کئے نہ چھوڑتے تھے۔ کمال استعداد۔ تہیۂ اسباب تعلیم و تعلم۔ قیام دار الاسلام۔ صفائیِ قلب تزکیۂ نفس پر جب مطالعہ کی یہ شان ہو تو علامہ کے تبحرِ علمی کی کیا حد ہو سکتی ہے ایسے ہی بزرگ وجود کے لئے لفظِ علاّمہ زیب دیتا ہے اور ایسے ہی نفوس اسلام کے لئے حجت ہو سکتے ہیں گو وہ اپنے لئے ایسے الفاظ کو پسند نہ کرتے ہوں کمال علمی اسی طرح حاصل ہوتا ہے نہ اخباروں اور اشتہاروں میں ان الفاظ کی بوچھاڑ سے۔

زبانیں فارسی تو ان کی مادری زبان تھی اور قیام زیادہ تر مشہد مقدس میں تھا اس لئے ان کی فارسی دانی کی نسبت تو کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔

عربی تحریر و تقریر میں جو کمال حاصل تھا وہ دیگر علماء میں کم پایا جاتا ہے۔ ان کی عربی تحریر کے متعلق کلکتہ سے جو ایک زبردست مصری (سنی المذہب) عالم نے لکھا ہے اس کی میں اردو میں تصریح کرنا مناسب خیال نہیں کرتا صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان کی تحریر عربی دیکھ کر یہ لکھا تھا کہ آپ ہندوستان کے متعلم نہیں معلوم ہوتے۔ غالباً وہ خطوط جناب محترم خان بہادر شیخ عزیز الدین خاں صاحب کے پاس محفوظ ہیں و من شاء فلیرجع الیہ ہاں اگر مرحوم کے خطوط موجود ہیں وہ خطوط مل گئے تو ان کو میں ضرور چھاپ دوں گا اور اہل علم اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔ عربی فارسی میں کمال مہارت کے علاوہ علاّمہ مرحوم **ترکی** زبان بھی جانتے تھے اور **فرینچ** بھی۔ ترکی زبان کی بعض ضخیم کتب بھی علامہ کی کتب میں موجود ہیں **روسی** زبان سے بھی واقف تھے اور کسیقدر **انگریزی** بھی جو بیاں حاصل کی تھی اور اپنے تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے **پشتو**، **پنجابی**، **سندھی** سمجھتے تھے۔ اردو میں اب کچھ تقریر بھی کر سکتے تھے سنہ ۱۳۴۲ھ میں آگرہ میں منبر پر دیر تک اردو میں وعظ بھی کیا تھا جیسا کہ بعض احباب کی زبانی میں نے سنا ہے اس جامعیت کا

کا انسان اس زمانہ میں کہاں پیدا ہوتا ہے۔ مادرِ گیتی ہمیشہ کہاں ایسے نفوس جنتی ہے بڑی گردشوں اور اہم انقلاب کے بعد ایسی ہستیاں عدم سے وجود میں آتی ہیں خدا رحمت کرے اس وجود مقدس پر عجب انسان تھے۔

قیام طہران و نیابت وزارت

بعض حکام مشہد اور بعض شہزادگان اور اہل علم کے ذریعہ آپ کے تبحر علمی کی خبر تخت ایران تک بھی پہنچی۔ جب کہ آپ کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ مرحوم ناصر الدین شاہ قاچار خود فاضل و علم دوست اور ایک ممتاز دماغ کا انسان تھا۔ فوراً طلب کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دیگر مقامات ایران سے ہوتے ہوئے اور سیر کرتے وعظ کرتے طہران پہنچے۔ شاہ مرحوم نے کافی احترام کیا امین الدولہ وزیر خارجیہ ایران ان سے خاص تعارف رکھتا تھا اور خود صاحب فہم و فراست اور ذی علم انسان تھا۔ اس نے اپنے پاس ہی رکھا سلطنت کی طرف سے جاگیر ملی اور تھوڑے ہی عرصہ میں نائب وزیر خارجہ یا دوسرے لفظوں میں افسر محاکمات خارجہ کے منصب پر ممتاز ہوئے جس سال ایران میں سرکار میرزا اعلی اللہ مقامہ کی طرف سے تمباکو کے متعلق ایک فتویٰ شائع کیا گیا تھا۔ سرکار علامہ اس وقت طہران ہی میں تھے۔ بابیوں کا طوفان بھی اسی زمانے میں اُٹھا اور جب ناصر الدین شاہ مرحوم نے ان کے قتل عام کا حکم دیا تھا اور ایک ہفتہ امن ان پر سے مرتفع تھا۔ تب بھی سرکار علامہ وہیں تھے۔ آپ کے فتوے اور حکم سے بھی آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے اور اسدن سے امین السلطان وزیر اعظم میرزا محمد تقی خان (غالباً) جو در پردہ بابی تھا آپ کا سخت مخالف اور دشمن ہو گیا اگرچہ مع اہل و عیال علامہ طہران ہی ہنگے تھے اور طہرانی کہلاتے تھے اس وقت بھی چونکہ آپکا وطن ہرات تھا۔ رعایا افغانستان ہی شمار ہوتے تھے اور ممالک خارجہ میں رعایائے افغانستان برٹش سفیر ہی کے زیر حفاظت سمجھی جاتی تھی البتہ اب افغانستان کے سفرا دوسرے ممالک میں چلے گئے ہیں۔

ناصر الدین شاہ مرحوم نے ایک **ادارۃ المعارف** قائم کیا اور وہ بھی تا حیات شاہ مرحوم آپ ہی کے زیر نگرانی رہا، آپ نے مدارس کی خاص طور سے اصلاح کی اور ایک مکتب خاص قایم کیا اور اس کا نصاب اور اسلوب تعلیم ایسا عجیب و غریب اور مکمل رکھا کہ چند سال میں طالب علم عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی پانچ زبانوں سے آگاہ ہو جاتا تھا اور معمولی تقریر و تحریر کر سکتا تھا اور یہ سب ایک ساتھ پڑھائی جاتی تھیں اگر یہ نصاب تعلیم ایران میں عام طور سے شائع ہو جاتا تو دنیوی اور تمدنی حیثیت سے بھی ایران تمام دوسرے ممالک سے بڑھ جاتا۔ مگر افسوس کہ شاہ ناصر الدین شاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی قتل کر دیا گیا۔ وما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن و ھو الفعال لما یرید۔

ادارۂ تالیف و تصنیف تفسیر

ایران میں ایک شخص نے ایک قرآن شریف اس خاص اہتمام سے طبع کرایا کہ اس کے حاشیہ پر کل احادیث و روایات جمع کر دیں جو تفاسیر قرآن کے متعلق وارد ہوئی ہیں شاہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا بہت ہی پسند کیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اگر کوئی عالم ان تمام احادیث و روایات مختلفہ کی تصحیح و تنقید کر دے تو ایسی مکمل تفسیر قرآن تیار ہو جائے کہ جس کے بعد کسی اور تفسیر کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے **امین الدولہ** نے عرض کیا۔ علم قرآن میں میرے نزدیک فلاں شخص سے بہتر کوئی نہیں ہے اگر وہ اس کام کا ذمہ لے تو بہترین تفسیر قرآن مرتب ہو جائے، بلائے گئے اور یہ مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تفسیر قرآن جیسا کہ اسکا حق ہے میری طاقت سے باہر ہے اور میں اسکو بہت ہی اہم اور مشکل کام سمجھتا ہوں میں ایسی جرات نہیں کر سکتا مگر شاہ کے اشارہ سے امین الدولہ نے اصرار کیا بلکہ مجبور کیا تب آپنے کہا کہ اس شرط پر کہ اول اس کے لئے ایک خاص دفتر اور محکمہ قایم کیا جائے اور مصارف

شاہ برداشت کرے اور بارہ زبردست علمار اس تفصیل کے ساتھ مجھے دے جائیں اور اُن کے مخارج و مصارف کا انتظام سلطنت کی طرف سے مکمل ہو، دو فلسفی، دو متکلم، دو فقیہ، دو ادیب، دو مفسر، دو محدث شاہ نے منظور کیا اور تمام مصارف و مخارج بھی منظور ہو گئے اور یہ مبارک کام شروع ہوا اور غالباً یہ وہی سال تھا جس میں سرکار مرزا اعلےٰ اللہ مقامہ کی طرف سے ایک خط شاہ کو پہنچا تھا یا پہنچایا گیا تھا کہ ملک کا انتظام اہل ملک کی امداد و مشورہ سے کیا جائے پہلے تو شاہ بہت ناراض ہوا اور جب حقیقت معلوم ہوئی کہ علمار اور وزرار دونو چاہتے ہیں اور مصلحت سمجھ میں آئی اور امین الدولہ نے تجویز سمجھائی تو شاہ نے منظور کیا اور کہا کہ جشنِ پنجاہ سالہ جو دو سال کے بعد ہوگا اس میں خود پارلیمنٹ اور مجلس شورے کا اعلان کروں گا مگر شرط یہ ہے کہ کم سے کم بارہ وزرار اور اہلکار ایسے تیار کر دو جیسے کہ تم ہو۔ عرض کیا کہ مجھے ایسا آپ ہی کی نظرِ توجہ نے بنایا ہے لوگ قابل موجود ہیں اگر اُن کو کام میں لگایا جائے گا اور نظرِ توجہ رہے گی ایسے ہی کامل نکلیں گے۔ غرض یہ کام شروع ہوا ہر علم کے عالم اپنے اپنے علم کی رو سے ایک آیت پر بحث کر کے لکھ کر لاتے تھے اور پھر سرکارِ علامہ منبر پر تشریف لیجا کر اُن کے متعلق تقریر فرماتے اور پھر ایک فذلکہ تحریر فرماتے اور پھر وہ جزو فوراً طبع کے لئے دیدیا جاتا اس طرح چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر کی گئی اور ڈیڑھ سال میں اھد نا الصراط المستقیم تک پہنچے اور ان کے صرف چار سو نسخے اس غرض سے طبع کرائے گئے کہ دیگر علمار کی خدمت میں بھیجے جائیں تاکہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں سب نے پسند کیا اور سو اشرفیاں اسی وقت علامہ کو بطور انعام شاہی دی گئیں۔ بعض وزرار نے کہا کہ اس طرح تمام عمر میں بھی یہ تفسیر ختم نہ ہو گی۔ شاہ نے فرمایا کہ نہیں اگر اس طرح صرف ایک پارہ کی بھی مکمل تفسیر ہو جائے تو سارا قرآن آجائے گا کیونکہ باقی خود بخود حل ہو جائے گا۔

شاہ کا یہ خیال بالکل درست تھا کیونکہ ایک استعاذہ ہی کی تفسیر میں وہ کل آیات حل ہوگئی تھیں اور اسکی تفسیر کے ضمن میں آگئی تھیں جو اس لفظ کے متعلق قرآن میں ہیں اور عوذ کے مادے سے تعلق رکھتی ہیں یعنی چالیس آیات قرآنی اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم کی تفسیر کے ساتھ حل ہوگئی تھیں اور علی ہذا القیاس اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر کے ضمن میں اور سیکڑوں آیات قرآنی آگئی تھیں واقعی اگر اس طرح سے ایک پارہ کی بھی تفسیر ہو جاتی تو قرآن کی بہترین تفسیر ہو جاتی اور یہ تفسیر بہت سی تفاسیر سے بے پروا کر دیتی مگر افسوس کہ قدرت کو منظور نہ تھا۔ اسی سال شاہ مرزا محمد رضا بابی کے ہاتھ سے قتل کیا گیا۔ جبکہ وہ امین السلطان کے ساتھ شاہزادہ عبدالعظیم کی زیارت کو گیا تھا۔ واپس لاش ہی آئی اور یہ سب کچھ امین السلطان ہی کی شرارت تھی "وقضی الامر" اور شاہ کے انتقال کے بعد یہ محکمہ اور ادارہ ہی ٹوٹ گیا مظفر الدین شاہ اس دماغ کا بادشاہ نہ تھا اور نہ امین السلطان نے خزانہ میں کچھ باقی چھوڑا تھا اور اس وجہ سے مظفر الدین شاہ ایران میں امین السلطان کا بابو مشہور تھا۔

مظفر الدین شاہ جب سفر یورپ سے واپس آیا اور اس نے امین السلطان کے مشورے سے روس سے ساٹھ لاکھ منات (روس کا ایک طلائی سکہ مثل پونڈ) قرضہ کا معاہدہ کیا تو ملک کے خیر خواہ وزراء میں کھلبلی مچی۔ کیونکہ چالیس لاکھ منات پہلا قرض تھا اب ایک کروڑ منات ہو جانا تھا اور ملک ایران کا ریونیو اس وقت اسی قدر تھا اور اس صورت سے گویا ایران ان دو قرضوں کے عوض مفت میں روس کے ہاتھ فروخت ہو رہا تھا۔ امین الدولہ اور اس کے ہمخیال وزراء اسکو سمجھتے تھے، علامہ نے اس امر میں خاص مدد کی اور اکثر علماء کو اس حقیقت اور ملک کی آنے والی تباہی اور بربادی سے آگاہ کیا اور اسی خاطر خاص عراق

کا سفر کیا اور وہاں بھی اکثر علماء اعلام مثل اخوند مرحوم ، ملا عبد اللہ المازندرانی مرحوم و شیخ الشریعۃ مرحوم وغیرہم کو متفق الرائے کیا۔ سرکار صدر نیوٹرل رہے اور جناب سید طباطبائی مرحوم مخالف اور آخر وقت علماء کی طرف سے یہ اعلان شائع کر دیا گیا" یہ قرضہ ملی نہ سمجھا جائے گا بلکہ شخصی اور ملک وملت ادائیگی کی ذمہ دار نہ ہو گی"۔

اسوقت مجلس شوریٰ کی تحریک پھر تازہ ہوئی اور بعد اللتیا واللتی ملت کو اس میں کامیابی ہوئی۔ جس وقت مظفر الدین شاہ نے اسکی منظوری دی ہے۔ سرکار علامہ ہندوستان پہنچ چکے تھے۔ کراچی میں مقیم تھے، حبل المتین نے اس اعلان کا حال لکھتے ہوئے یہ فقرہ لکھا تھا" دست شاہ می لرزید فلاں کس را بد میگفت و امضاء میفرمود"۔ یہی تحریک اور اسکی تکمیل کا خیال آپ کے ایران سے باہر نکلنے کا باعث ہوا۔

ایران سے روانگی جب یہ تحریک شدت پرتھی اور مظفر الدین شاہ نے درپردہ سختی شروع کی اور ایک دو عالم قتل کرا دئے تو انکو بعض مدبروں نے یہ رائے دی کہ آپ یہاں سے باہر رہ کر بہت کچھ کام ملک وملت کے کر سکتے ہیں۔ یہاں اب آپ کو کم موقع ملے گا یہ رائے انکو بہت پسند آئی۔ اور ملک وملت اور دین اسلام کی خاطر ترک وطن اختیار کیا آخر شب میں اذا قرأت القرآن جعلنا بینک وبینہم حجاباً مستوراً پڑھتے ہوئے نکلے۔ گھوڑا باہر شہر کے تیار تھا آیہ مبارکہ کی برکت سے باوجود پہرے کے کسی نے نہ دیکھا فخرج منہا خائفاً یترقب اور یہاں سے ماسکو کے قصد سے سرحد روس کی طرف چلے اور اس غرض کے لئے یورپ کے ان اہم مقامات پر پہنچ جہاں ایران کے وہ سفرا اور زبردست تجار تھے جن کے ہم خیال بنانے کی اور اسکام میں مدد لینے کی ضرورت تھی ماسکو گئے

برلن گئے پیرس گئے اسکندریہ گئے مصر گئے اور آخر میں سلطان عبدالحمید خاں مرحوم سلطان روم کی خدمت میں قسطنطنیہ پہنچے اور اس وقت پانچ اور علمائِ عراق کی راہ سے آکر اُن کے شریک ہوئے اور چھ زبردست علمائِ ایران کا وفد سلطان کی خدمت میں پیش ہوا سلطان نے واجب احترام کیا ان کی تقریروں سے بہت خوش ہوا اور یہ لفظ کہے کہ کاش میرے ملک میں بھی ایسے علماء اور ایسے پاک اور مفید خیالات کے لوگ ہوتے اور وعدہ کیا کہ میں آپ کو اس مقصد میں ضرور مدد دونگا وہاں سے عراق واپس آئے یہاں علماء سے ملاقاتیں ہوئیں ایک روز اخوند مرحوم کے درس میں جا بیٹھے۔ اجتہاد اور تقلید پر کئی ماہ سے اخوند مرحوم تقریر فرما رہے تھے مگر کوئی آیت ایسی اُن کے پیش نظر نہ تھی جو وجوبِ تقلید میں بلاشبہہ سند ہوتی۔ آپ نے اپنے ایک ہم پہلو سے کہا کہ "اگر اخوند یک نسخۂ کتاب کفایہ بخود بدہد من حالا یک آیت نشان میدہم" وہ ہنسا۔ آخوند نے سنا۔ پوچھا کیا ہے۔ عرض کیا۔ یہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر اخوند ایک نسخہ کتاب کفایہ دیں۔ تو میں آیت ابھی بتلاتا ہوں۔ اخوند مسکرائے اور کہا۔ ایک کیا ساری ہی کتابیں فلاں شخص کا مال ہیں اور اس دوران میں حرمِ جناب امیر اور حرم جناب سید الشہدا علیہم السلام میں بہت سی علمی تقریریں علامہ مرحوم نے کیں۔ وہیں بعض مدبرین نے ان کو ہندوستان میں آنے کی رائے دی اور علامہ ہندوستان میں آئے، کراچی میں اترے اور اس طرح لطفِ خداوندی اور رحمتِ واسعۂ کاملہ الٰہیہ ہماری خاطر اس وجودِ مقدس کو ایران سے ہندوستان کھینچ لائی وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ"

دورانِ سیر یورپ اور ٹرکی میں بھی اکثر جگہ علمی تقریریں کرنے کا اتفاق ہوا برلن میں علوم شرقیہ کے کالج میں پہنچے وہاں ایک پروفیسر عربی زبان میں کتاب نہج البلاغہ پر لیکچر دے رہا تھا۔ اور وہی اُس کے ہاتھ میں تھی اور اسی کا بیان

تھا کہ یہ کتاب نبوتِ نبیِ عربی کی ایک ایسی زبردست دلیل ہے کہ جسکو کوئی رد نہیں کر سکتا اور کوئی اور دوسری دلیل نہ بھی ہو تو یہی کافی ہے اس پروفیسر سے اور علامہ سے علمی گفتگو ہوئی پروفیسر اچھا ذی علم تھا محظوظ ہوا۔

مصر میں زیادہ قیام کیا اور دو مقام پر بضرورت دینی تقاریر کرنی پڑیں ایک انجمن تحقیق مذاہب۔ جس میں کل یورپین ممبر و مقرر تھے جو کئی کئی زبانیں جانتے تھے اور اکثر عربی کے فاضل تھے اور یہ انجمن جملہ مذاہبِ عالم پر جرح اور تعدیل کرتی تھی مگر در پردہ مقصد اُسکا مذہبِ عیسیٰ کو ترجیح دینا تھا۔ علامہ اس میں پہنچے اور حقیقت اسلام پر وہ جامع و مانع عربی تقریر کی اور آیاتِ مشکلۂ توحید کو اس طرح حل کیا کہ سامعین عش عش کرنے لگے اور حیران رہ گئے اور متعجب ہو کر کہتے تھے کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی اور جو معانی آیات کے آپ بیان کرتے ہیں۔ یہ ہماری عام تفاسیر میں نہیں ہیں ایک تقریر میں فلسفۂ طبعیہ سے معادِ جسمانی کا ثبوت دیا کہ سامعین مبہوت رہ گئے تیسری تقریر حقوقِ انسانی پر کی۔ اُن کا ایک لیکچرار یہ تقریر کر رہا تھا کہ ایک انسان پر دوسرے انسان کے بحیثیتِ انسانیت دس حقوق ہیں۔ آپ نے ثابت کیا کہ نہیں چودہ حق ہیں۔ لیکچرار نے اس تقریر کی داد دی وہ سوسائیٹی ان کی فریفتہ ہو گئی۔ بعض ممبروں نے بے تکلفی ہو جانے کے بعد کہا کہ اگر آپ ہمارے ممبر بن جائیں تو ہم ہزار اشرفی ماہوار آپ کو دیں گے آپ نے مزاحاً فرمایا کہ ہزار اشرفی لیکر بھی آپ کے مذہب کو باطل ہی ثابت کروں گا کیونکہ وہ فی نفسہ باطل ہے۔ اس لئے آپ کو مجھ سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

شیخ محمد عبدہ مفتی مصری سے ملاقات اور اکثر علمی صحبتیں رہیں اسی زمانہ میں ایک زبردست پادری روزانہ جامع ازہر میں آتا تھا اور طلباء کے ساتھ بحث کیا کرتا تھا علامہ کو خبر لگی فوراً پہنچے اور اس پادری کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ اس نے پھر جامع ازہر کا رُخ نہ کیا طلبہ جامع ازہر نہایت درجہ خوش ہوئے اور مفتی مرحوم نے کہا کہ اس کمبخت نے

تنگ کر رکھا تھا آپ نے اسلام پر بڑا احسان کیا۔
شیخ محمد عبدہؒ ہی کے کتب خانہ میں علامہ جلال الدین سیوطی کا وہ رسالہ دیکھا جو قاموس کے حاشیہ پر ہے اور اسکے خاص مقامات بھی۔ جامع ازہری کے کتب خانہ میں مسعودی کی مشہور تاریخ **اخبار الزمان** ملاحظہ فرمائی جس کی فہرست ہی متعدد جلدوں میں ہے نہایت گرانقدر کتاب ہے طبع نہیں ہوئی۔ قسطنطنیہ میں بھی اکثر جگہ تقاریر کیں ایک جگہ مجلس عزا بھی پڑھی اور ہر جگہ اپنے علم کے آثار چھوڑے۔

ورودِ ہندوستان

علامہ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور ہندوستان میں ورود کا یہ بیسواں یا اکیسواں سال تھا اور تین چار سال **یورپ، مصر، ٹرکی، عراق** کے سفر میں گذرے۔ گویا چالیس سال کی عمر میں کامل ہوکر ملک ایران سے نکلے تھے اور دراصل چالیس کے بعد پختگی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی دراصل ہدایت و تبلیغ کا وقت تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قدرت نے اس وقت علامہ کو اس ملک میں پھینکا جہاں نہ انکی زبان سمجھنے والا اور نہ اہل ذوق و شوق اور نہ عوام ایسے ذی فہم جنپر علامہ اپنے جواہر علمی نثار کرسکیں تقریباً دو سال تو بالکل خاموشی کے عالم میں کراچی ہی میں گذر گئے۔ سوائے اپنی عبادت اور اذکار کے اور کچھ مشغلہ نہ تھا ایک مسافر کی شان سے رہتے تھے۔ ملازمین بھی ہمراہ اس وقت ایرانی ہی تھے۔ مومنین کراچی کو یہ علم بھی نہ تھا کہ اجنبی ایرانی علم و معارف کا مجسمہ ہے جو ہمارے شہر میں پھر رہا ہے اور جب اس کے جوہر کھلیں گے تو یہ آسمانِ شہرت پر آفتاب ہوکر چمکے گا کراچی سے سندھ میں آئے۔ شکار پور وغیرہ میں رہے اور پھر وہاں سے پنجاب میں پہنچے اور اکثر مالیر کوٹلہ۔ پٹیالہ۔ لاہور میں قیام رہا۔ مگر اس خزانہ جواہر علمی کی کسی کو اطلاع نہ تھی، طبیعت میں ملاّئیت نہ تھی اور نہ پرستش کی خواہش۔ اس لئے ایسے روساء کے مکان پر نہ گئے جن کے ذریعہ سے فوراً شہرت ہوتی۔ مدت تک ایک

عامل و عابد و زاہد کی صورت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ نہ کہیں وعظ تھا اور نہ تقریر
رفتہ رفتہ لوگوں کو خصوصاً بعض اہل علم کے ملنے جلنے سے معلوم ہوا کہ یہ خاموش ایرانی اور
مقدس صورت یکتائے روزگار عالم دین ہے۔ غالباً سب سے پہلی مجلس میں پہلا وعظ پٹیالہ
میں فرمایا اور یہاں جناب مولانا محمد کاظم مغفور و مرحوم اور جناب سید العلماء مولانا
سید عنایت علی صاحب سامانوی مرحوم نے ان کے کمالات علمی محسوس و معلوم کرکے
مومنین اور اہل علم سے تعارف کرانا شروع کیا یہاں سے مالیر کوٹلہ پہنچے اور نواب احسن علیخاں
مرحوم مغفور نے شیخ میں وہ جوہر پایا جس کے وہ طالب تھے اور پھر مرحوم نواب شیخ کے
اور شیخ مرحوم نواب کے ہو رہے اور تقریباً ایک سال یا زائد کوٹلہ میں رہے۔

اسکے بعد اہل لاہور مطلع ہوئے اور اہل لاہور نے بلا شبہ ان کے علم کی قدر کی
اور وہیں سے علامہ کے علم کے جوہر کھلے مگر مخصوصین میں اپنی مخصوصین نے خواہش کی
کہ پبلک وعظ ہوں۔ سخت مشکل تھی۔ ایک جید ایرانی عالم اور ان معارف اور سلسلہ
وزارت اور ہیئت علمیہ میں رہا ہوا علم کلام، فلسفہ، دقائق قرآن و اسرار فرقانی
سے دل و دماغ پُر ایسے عالم کا کلام فارسی سمجھے تو کون؟ ترجمہ کیا جاتا تھا۔ مگر
علامہ سخت پریشان تھے اور ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ خداوندا کوئی صورت نکال تاکہ
میں اپنے فرض کو ادا کروں اپنی تکلیف سے سبکدوش ہوں اور اپنے بار کو منزل تک
پہنچاؤں۔ ان کے بعض خاص ہمنشین بیان کرتے ہیں کہ علامہ اس مقصد کے لئے روزانہ
دعا مانگتے تھے اور حضرت امام زمان عجل اللہ فرجہ کی طرف خاص طور سے متوجہ
ہوتے تھے۔ آخر کار دعا مقبول ہوئی علامہ نے خواب دیکھا کہ سمندر ہے اور وہ
اسکو عبور کرنا چاہتے ہیں مگر خائف ہیں کہ اس سمندر کو کس طرح عبور کروں۔ دیکھا
ایک نوجوان آیا آپ نے اُسے بلایا اور وہ بھی سمندر میں داخل ہوا علامہ نے اسکے اوپر
ہاتھ رکھ لیا اور تیرنا شروع کیا اور اسکے سہارے سمندر عبور کر گئے۔ پنجاب میں ۱۹۰۶ء

سے وعظ شروع ہو گئے تھے جس کو آج اکیس(۲۱) برس ہوئے مگر یہ خواب ۱۹۰۸ء کا ہے۔

غرض کامل سولہ(۱۶) برس مرحوم نے پنجاب و سندھ میں دینِ اسلام و مذہبِ حق کی وہ خدمت کی کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں اور پنجاب کے عالم تشیع میں ایک عجیب انقلاب آیا، مُردے چونکے، سوتے بیدار ہوئے، روحانیت چمکی، اور وہ لوگ جنہوں نے کبھی سوائے سندھی مصنوعی روایاتِ مصائب کے اور کچھ سنا ہی نہ تھا، جواہر نکاتِ علمی و معارفِ حقۂ اسلامیہ سے مالا مال ہوئے۔

شیخ کا وجود بلاشبہ شیعیت کے مُردہ جسم میں تازہ روح تھی، اس وجود سے شیعوں کو بڑی ڈھارس تھی، بڑا حوصلہ تھا، بڑی امید تھی، بڑا فخر تھا۔ اور اس وجود پر اہل بصیرت ناز کرتے تھے افسوس ہے کہ سیر ہونے سے پہلے اسکے فیض سے محروم ہو گئے شیخ کے فیضِ علمی سے اپنے اور پرائے سب مستفیض ہوئے اور اکثر نے حق کو قبول کیا۔

علامہ کی خصوصیات

یوں تو بحمد اللہ ہندوستان میں شیعوں میں اب بھی بہت سی ایسی ہستیاں ہیں جن پر قوم کو ناز ہے۔ عالم بھی ہیں واعظ بھی ہیں۔ مدبر بھی ہیں، اور متبصر بھی مگر جس وقت علامہ اعلی اللہ مقامہ کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ تو کہنا پڑتا ہے "لیکن تو چیزے دیگری"۔

اوّل علامہ کی زبان فارسی تھی اور وہ بھی عالمانہ و فلسفیانہ اور لاہور کے علاوہ دیگر مقامات پر مجمع اور مجلس میں صرف چند نفوس ہی ایسے ہوتے تھے کہ جو زبان فارسی سمجھتے ہوں چہ جائیکہ مطالبِ علمیہ تک انکی رسائی ہو۔ مگر جس وقت یہ بحر علم و معرفت و فصاحت و بلاغت موجزن ہوتا تھا۔ تو مجمع مبہوت و ساکت نظر آتا تھا کمال شوق سے علامہ کے کلام کو سنتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے اور یہ کمال فصاحت و بلاغت اور روحانیت خاصہ کا اثر تھا ان من البیان لسحرًا بعض بیان

جادو ہوتے ہیں۔ یہ سحر بیانی ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتی ہے ایسے ایسے دیہات پنجاب جہاں کے لوگ فارسی کیا اردو بھی نہیں سمجھتے وہاں بھی علامہ کی فصاحت و بلاغت وروحانیت وہی اثر دکھاتی تھی۔ ساتھ ہی علامہ کلم الناس علی قدر عقولھم میں کمال رکھتے تھے اور ایسوں کے لئے علمی مطالب ایسی احتیاط کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ جاہل ان سے مستفید ہوتے تھے۔ یہ علامہ کی خصوصیت تھی اور خاص تائیدِ الٰہی

دُوم - علامہ کی خدمت میں عالم بھی آتے تھے اور جاہل بھی، مسلمان بھی اور غیر مسلمان بھی آریہ بھی، عیسائی بھی، سنی بھی، میرزائی بھی، قدیم تعلیم یافتہ بھی اور جدید بھی، فلسفی بھی، اور سائنس داں بھی، اکونامکس بھی، مورخ بھی، ریاضی داں بھی اور ہیئت داں بھی۔ مگر ہم نے کبھی نہ دیکھا کہ شیخ کسی سوال کے جواب میں عاجز ہو اور جواب نہ دے اور سائل کو مغلوب ومحجوب نہ کر دے اور سائل و سامع اثر نہ کرجائے پھر سفر میں حضر میں رات میں دن میں، ریل میں پلیٹ فارم پر۔ تنہائی میں مجمع عام میں جہاں اور جس نے سوال کیا، اُسی وقت اُسی جگہ جواب تیار اور تقریر کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ سلسلہ برسوں محل بحث رہا ہے اور اسپر پہلے سے تیار ہوئے بیٹھے تھے۔ ایسا حاضر جواب متبحر یہاں دیکھنے میں نہیں آیا۔ نیچری اور فلسفی۔ بلکہ یورپ کے تعلیمیافتہ انہیں سے تسلی پاتے تھے ان مطلق العنان تعلیمیافتہ حضرات نے علامہ کے علم کا لوہا مانا اور اسلام کی عظمت کا اقرار کیا جو معاذ اللہ علمار کرام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کسی کو نہ مانتے تھے۔

سر علی امام، حکیم اجمل خاں صاحب مسیح الملک، ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال صاحب سر نواب ذو الفقار علیخاں صاحب، آنر یبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم، شیخ اصغر علی کمشنر ملتان جیسے عالی دماغ، آزاد خیال، تعلیمیافتہ، پختہ مغز اور باخبر و بابصیرت حضرات نے بھی علامہ سے فیض پایا ہے اور استفادہ کیا اور ان کے تبحر علمی کو تسلیم کیا ہے۔

سوم کمالِ معلومات اور وسعتِ بیان اور کمالِ ذہانت ور وحانیت کا یہ حال تھا کہ۔ جو بات ایک دفعہ وعظ میں بیان کردی دوبارہ تہ آئی اور میں نے چودہ پندرہ سال میں کوئی وعظ بعینہٖ علامہ سے دوبارہ نہیں سنا۔ اگرچہ بعض بعض مواعظ کی تکرار کی خواہش بھی ہوئی۔

بغیر تہیہ بیان فرماتے اور منبر ہی پر سوچتے تھے۔ اور ہر دفعہ مزید معلومات و معارف و حقائق بیان فرماتے تھے یعنی آپ کے مواعظ نہ پیٹنٹ تھے اور نہ لکھے ہوئے اور رٹے ہوئے۔ قرآنی استنباطات ہی ہوتے تھے جنکی "تائید معصومینؑ کے کلام میں موجود ہے، شیخ کی مجلس میں جملہ ذی علم بکری کی مثال ہوتے تھے اور شیخ مثل شیرِ ببر۔

۱۹۰۸ء کے آخر مئی اور اوائل جون میں خاص شہر جھنگ میں تین دن جلسہ وعظ ایک یادگار جلسہ تھا جو خصوصیات خاصہ اور کثرت سامعین و حاضرین کے لحاظ سے ایک عجیب شان رکھتا تھا۔ ہندو مسلم، سنی، شیعہ، آریہ، عیسائی ہر مذہب و ملت کے شائقین موجود تھے۔ اکثر اڈیٹران اخبار بھی تھے۔

حقانیت اور صداقت اور حقیقت اسلام پر وعظ تھا اور میں نے خود تین مرتبہ یہ اعلان کیا تھا کہ جس کو حقانیت اسلام پر کوئی اعتراض ہو اس کو اجازت ہے کہ اپنا اعتراض پیش کرے خواہ کسی مذہب و ملت سے ہو مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ ہوں بھی کرے

تیسرے دن جناب فاضل علام حافظ احمد صاحب مرحوم ساکن جھنگ نے یہ فرمایا کہ آپ سے پہلے میں اپنے سے بہتر کسی کو عالم نہ جانتا تھا مگر آج معلوم ہوا کہ علم کیا چیز ہے اور عالم کسے کہتے ہیں اور چالیس سالہ شبہات رفع ہوئے۔ خدا بخشے حافظ موصوف خود اہل سنت میں ایک بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ مگر یہاں اُن کو "فوق کل ذی علم علیم" کی حقیقت آشکار ہوئی۔ صاحب کمال ہی کمال کی قدر کرسکتا ہے۔ آپ صوفی خیالات

کے تھے اور خاندانِ رسالت سے خاص اُنس رکھتے تھے اور طبیعت میں انصاف تھا بلکہ آپ کا خاندان ہی اِس خصوصیت سے ممتاز ہے چنانچہ مرحوم کے بھائی مولوی عبدالرحمان صاحب بھی بہت کچھ اس خصوصیت کو لئے ہوئے ہیں اور اہل بیت طاہرین سے دلی محبت رکھتے ہیں۔ خدا توفیقات زیادہ کرے۔

اِن مواعظ میں جو حقائق اسلام بیان کیے گئے تھے اور جس خوبی سے حقانیت اسلام بمقابل جمیع مذاہبِ عالم دلائل و براہان سے بیان کی گئی تھی۔ آجتک پھر اس کے سننے کے کان مشتاق ہیں مگر اس عرصہ دراز میں پھر کبھی وہ تمام مضامین و مطالب و دلائل بعینہا سننے میں نہ آئے۔ اگرچہ آیۂ شریفہ "و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین" پر جو جھنگ میں عنوان کی گئی تھی متعدد مرتبہ وعظ فرمائی۔ مگر ہر دفعہ رنگ نیا تھا۔ اسی واسطے بعض اہل بصیرت کا یہ اعتقاد تھا کہ موصوف کو حضرت حجت عجل اللہ فرجہ سے خاص تعلق ہے اور ان کی تائید غیبی شاملِ حال واللہ عالم بحقیقۃ الحال۔

مگر حضراتِ پنجاب بھی عجیب چیز ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوا جبکہ امسال بعض مومنین اہل جھنگ سے ان مواعظ اور ان مضامین و مطالب کا ذکر کیا تو اُنھوں نے نہ صرف یہ بتلا دیا کہ فلاں آیت پر وعظ ہوا تھا بلکہ بعض مطالب و مضامینِ وعظ بھی بتلائے۔ یہ اُن کے شوقِ دینی۔ احساس اور کمال قوت حافظہ کی دلیل ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اہل جھنگ اُن خواص مومنین سے ہیں جنہیں مرحوم سے ایک خاص روحانی تعلق اور اُنس ہے اور آج تک وہی خصوصیت رکھتے ہیں۔

علامۂ مرحوم کی معجز بیانی اور دفتر البرہان کی محققانہ تصانیف کا یہ اثر ہے جس نے اسی ضلع جھنگ میں دو زبردست فاضلوں فخر العلماء الاعلام، عدیم الامثال والاقران حافظ مولوی علی محمد خان سلمہ اللہ الرحمان، اور جناب حذاقت مآب

فضیلت انتساب امیر کبیر مولوی حکیم امیر الدین صاحب مصنفین کتاب مستطاب طلب النجاۃ جیسی ہستیوں کو اس طرف کھینچ لیا ومن یرد اللہ ان یھدی یشرح صدرہ للاسلام اور ان کے دائرہ ایمانی میں داخل و شامل ہونے سے اُن کے علاقہ میں گویا ایک تبلیغی مشن قائم ہو گیا ہے اور سیکڑوں نفوس دولتِ ایمان سے مالامال ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔

"دو دل یک شود بشکند کوہ را"

اور یہ سب کچھ شیخ کے آثار وجود سے ہے ونکتب ما قدموا و آثارھم وکل شئ احصیناہ فی امام مبین یہ خبر اور بھی مومنین کے لئے مسرت خیز ہے کہ فخر الحکماء زین الفضلاء تاج العلماء العالم الربانی حکیم مولوی السید بدر الاسلام المدنی مدظلہ العالی نے بھی حقانیت مذہب حق کا اعلان کر دیا ہے۔ آپ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رسالہ "حسبنا کتاب اللہ" حصہ اول پر فریفتہ ہو کر حق کے شیدا بن گئے ہیں اور آپ تبلیغِ حق اور اشاعتِ عزائے حسینؑ پر مٹے ہوئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ قوم کے اہل دل اس نئے مہمان کا خلوص دل سے خیر مقدم کریں گے اور ہر قسم کی امدادِ امکانی سے دریغ نہ فرمائیں گے یہ تمام آثار ہیں تبلیغِ حق کی اس مستحکم عمارت کے جس کا سنگِ بنیاد قدرت نے صوبۂ پنجاب میں سرکار علامہ مرحوم کے دست مبارک سے اب سے اکیس سال قبل رکھا تھا" واللہ یفعل ما یشاء وھو فعال لما یرید"

"اللھم اجعلنی ممن تنتصر لدینک من الاخیار ولا تستبدل بی غیری"

تبلیغ دین اسی کا نام ہے نہ اخباری "پراپیگنڈا" کا۔

فان فی ذالک لذکری لاولی الالباب

چہارم علامہ انتہا درجہ کے نظافت پسند اور طہارت کے پابند و عامل تھے مگر

آپ کی طہارت و نظافت کچھ ایسے اعلیٰ اصول پر تھی۔ کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتی تھی اور کسی کو آپ کی یہ انتہائی پابندی طہارت گراں نہ گذرتی تھی آپ کا لباس ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی تازہ تیار ہو کر آیا ہے اکثر پہنے ہوئے کپڑے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ابھی پہنے ہی نہیں گئے ہیں۔ ایسی ہی نظافت اکل و شرب میں بھی تھی نہایت خوش خوراک، خوش لباس تھے اور عام لوگوں میں پھول کی طرح سے رہتے تھے،

اُن کی طہارت کٹ ملاؤں کی طرح رسمی اور خود ساختہ نہ تھی۔ بلکہ حقیقی اصول مسلّمۂ شریعتِ غرائے محمدی پر مبنی تھی۔

پنجم۔ اوراد و اذکار کے نہایت درجہ عامل تھے اور ان میں کچھ ایسا اثر ہوتا تھا کہ اگر کبھی کسی کو سننے کا اتفاق ہوجاتا تھا تو سنکر ہی دل میں نورانیت بڑھ جاتی تھی اور روحانیت کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ خصوصاً آخرِ روز جمعہ کی دعائیں اور تہجد کے وقت کی مناجاتیں سامعین کا دل ہلا دیتی تھیں مرحوم علامہ شب کو ہمیشہ تقریباً تین چار بجے اُٹھتے اور ادعیہ کے علاوہ اس وقت قرآن شریف کی تلاوت کے عادی تھے اور اسیات میں شیخ بہت کچھ خصوصیات رکھتے تھے۔ جن کا ذکر بھی اس مادہ پرست و الفاظ پرست زمانے میں مناسب نہیں۔

در اصل یہی عمل علامہ کا اور یہی عادت ان کی کمال روحانیت و نورانیتِ قلب و انشراحِ صدر کا وسیلہ تھی اس عمل و ریاضت کی وجہ سے علامہ کو یہ تبحر علمی حاصل تھا اور کمال ملکہ استنباط و استخراج مسائل و احکام و تحقیق و تحصیل حقائق و معارف و دقت نظر و عمق علمی خصوصاً علم قرآن میں اسکا نتیجہ تھے اور شیخ کا نفس مزکّیٰ و مصفّا اور مرتاض تھا رحمہ اللہ۔

ششم اس ریاضت نفس و عبادت پر شیخ کا یہ حال تھا کہ شیخ اس زمانہ کے اصطلاحی ملّا

نہ تھے۔ یا یوں کہئے کہ ملا منش نہ تھے۔ یا یوں سمجھئے کہ زاہد خشک نہ تھے، نہایت خوش خلق وخوش مزاج، خوش صحبت، شاہ مزاج، شاہ دماغ تھے۔ اور پھر شاہ پرست نہ تھے اور شاہ پرست ہونے ہی نے اُنہیں یورپ وہندوستان کی سیر کرائی جسکو وہ کبھی پسند نہ کرتے تھے ولکن اللہ یفعل ما یشاء مُدبّر تھے، سیاست داں تھے۔ وزیروں میں وزیر تھے اور مدبروں میں مدبّر، اور امیروں میں امیر اور غریبوں میں فقیر؛

علم سیاست مدن میں ایسی دستگاہ حاصل تھی اور ایسی سوچتے تھے کہ بڑے بڑے مدبر حیران ہوجاتے تھے اور اکثر امور مہمہ میں شیخ سے مشورہ لیتے تھے۔ علوم شرعیہ وغیر شرعیہ اسلامیہ کے علاوہ علوم مروجہ حالیہ میں سے اکثر میں کافی دستگاہ تھی اور بہت سے عجائبات زمانہ سے واقف تھے اور اخبار بینی بھی ایسی تھی کہ روئے زمین کی شاید ہی کوئی خبر ایسی ہو جس کا شیخ کو علم نہ ہو یا شیخ کسی دن اخبار نہ دیکھیں؛

ہفتم شیخ اعلےٰ درجہ کے سوار تھے، اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز تھے، اور اعلیٰ درجہ کے شکاری۔ ہمیشہ پستول، بندوق ساتھ رکھتے تھے اور اسی طرح اعلیٰ درجہ کے تیراک اور یہ سب باتیں ہماری چشم دید ہیں گویا السبق والی مایہ والی حدیث کے بھی عامل تھے اور عملاً آیہ مجیدہ اعدوا لہم ما استطعتم کی تعلیم دیتے تھے اور علمائے دین میں سے شیخ جس خصوصیت سے متصف تھے۔ کم متصف پائے جاتے ہیں

ہشتم۔ علوم غریبہ جن کی تعلیم مفقود ہی شیخ ان میں سے اکثر میں بہت کافی دستگاہ رکھتے تھے مثلاً نجوم، جفر وغیرہ اور ان علوم میں بھی علامہ کی معلومات، احادیث فرمائشات معصومین ہی سے ماخوذ تھیں۔ بلکہ اکثر وبیشتر کتاب اللہ سے مستنبط تھیں۔

آخر الذکر کے بعض عربی رسائل پر علامہ نے حواشی بھی لکھے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ علامہ کی کتب ومسودات میں وہ نہیں نکلے؛

نہم۔ علامہ کی شہامتِ نفس۔ علوِ ہمت اور بلند خیالی وبلند نظری کا یہ حال تھا

کہ چوبیس۲۴ سال گویا جلا وطنی اور غربت میں گذارے مگر کبھی ہمارے سامنے اُن تکالیف کا ذکر نہیں کیا۔ اپنی مصائب کا تذکرہ مخلوق کے سامنے زبان پر نہیں لائے۔ دوستوں عزیزوں اہل وعیال اور اپنی جاگیرات سے جدا ہوئے۔ چوبیس۲۴ سال تنہا گذارے مگر کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ میرے بچّے مجھے یاد آتے ہیں، کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ مجھے خرچ کی تکلیف ہے۔ جب آپ کا تینتیس۳۳ ہزار روپیہ جو اریاب جمشید کے بنک میں طہران میں جمع تھا خرچ ہو گیا اور ایران کے دوست واحباب سے بھی منگانا چھوڑ دیا یہاں کے خاص مخلص دوستوں نے ان کی مدد کی۔ مگر شیخ نے مثل عوام لوگوں کے اپنی ضروریات کا اظہار نہ کیا اور یہ شیخ ہی کا نفس تھا۔

دہم ہندوستان میں آکر شیخ کی ذات کو روحانی آلام بھی پہنچے جس سے کل باخبر واقف ہیں۔ اور اخبار شاہد۔ ایک عالم دین جس نے تمام عمر خاص خدمت دین میں صرف کی ہو جو اسلام ومذہب حق کا سچا خیر خواہ وحامی ہو۔ اسکو ان امور سے سابقہ پڑے اور وہ باتیں سنی پڑیں جو کسی شریف کے لئے زیبا نہیں ہو سکتی اور کوئی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ مگر ان کو بھی بہت کم محسوس کرتے تھے۔ کرتے تھے۔ بڑا صدمہ تھا۔ مگر ہم نے کبھی اس طرح اظہار نہ کیا کہ مجھے اُنکا صدمہ ہے اور یہ لوگ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ اور خون کا سا گھونٹ پیکر رہ گئے اور صبر کیا۔ ہاں دینی رخنہ اندازی میں بہت غصہ آتا تھا اور اس معاملہ میں سخت تھے لا تاخذہ لومۃ لائم اس حالت میں بھی جبکہ قوم کی طرف سے ان کے ساتھ یہ سلوک ہوتا رہا حتی الامکان خدمت دین سے غافل نہ رہے۔ ہائے ہائے! یہی وہ باتیں ہیں جن کو اہلِ دل اور اہلِ درد ہمیشہ یاد کریں گے۔ شیخ انہیں نہ بھولے گا۔ دنیا بہت کچھہ رنگ بدلے گی۔ بہت پلٹے کھائے گی۔ بہت نقوش پیدا کرے گی۔ مگر شیخ کی یاد مومنین منصفین سے فراموش نہ ہوسکیگی ؎ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

حیف صد حیف کہ وہ اعلم دوراں نہ رہا	منبعِ علم و ہنر معدنِ عرفاں نہ رہا
اُنکی ہر بات میں صد نکتہ علمی تھے نہاں	کاشفِ سرِّ خفی عارفِ سبحاں نہ رہا
اس سے پاتے تھے شرف علم و فنونِ خلاق	مصدرِ علم و عمل عالمِ قرآں نہ رہا
جو چہکتا تھا صد اگلشن توحید میں آہ	آج وہ بلبلِ خوش لہجہ و الحاں نہ رہا
متبحر، متکلم، متفقہ، عارف	عابد و زندہ دل و قاریٔ قرآں نہ رہا
فیض سے اُسکے ہوہیں علم کی نہریں جاری	آہ پنجاب میں وہ شیخِ خوش ایماں نہ رہا
شیخ سے عالم دیں نے کیا قصدِ جنت	اب کوئی ہند میں علامہ طہراں نہ رہا

ڈوبا پنجاب میں طہران کا وہ "اخترِ علم"
افقِ دین پہ اب نیرِ تاباں نہ رہا

لوٹ:- چھٹے اور ساتویں شعر کا مصرع اول مادۂ تاریخ بھی ہے اور آٹھویں میں "اخترِ علم"۔

تالیف و تصنیف اس عنوان کو ذکر ہوتے ہوئے ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اس باب میں اتنی کمی ہے کہ کچھ لکھنے کو دل نہیں چاہتا دوسرے مرحوم و مغفور کا اس باب میں جو کچھ خیال تھا افسوس ہے کہ وہ پورا نہوا۔ اور اجل نے مہلت نہ دی کہ وہ ہندوستان میں کوئی خاص ایسی تصنیف چھوڑ جائیں جو یادگار رہے وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ۔

علامہ اعلے اللہ مقامہ کی تصانیف کا کم ہونا چند وجوہ سے ہے۔

اوّل تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ لکھنے میں زیادہ جری نہ تھے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں وہ بہت ہی کم لکھ سکتے تھے کیونکہ بفضلہ تعالے علم اتنا وسیع تھا کہ جس وقت کچھ لکھنے کا قصد فرماتے تھے تو مضامین اس طرح چاروں طرف سے فوج فوج آتے تھے کہ علامہ اُنکا انتظام نہ کر سکتے تھے۔ یعنی چاہتے یہ تھے کہ

کہ ہر مضمون نہایت اعلیٰ درجہ کا ہو اور بالکلیہ ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ کوئی مالہ وما علیہ باقی نہ رہ جائے۔ کوئی شبہہ ایسا نہو جسکا جواب نہ آجائے کوئی اعتراض ایسا نہو جس کا رد نہو جائے۔ میرا تجربہ بھی ہے اور عقیدہ بھی یہی ہے کہ ایسا شخص اور ایسے خیال کا مصنف بہت کم لکھ سکتا ہے اور اگر کچھ لکھے بھی تو اس کی طبع کی نوبت نہ آسکے گی۔ اگر چھاپنے کا قصد کرے گا تو اسپر نظر ثانی نہ کر سکیگا۔ کیونکہ نظرِ ثانی میں ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ مضامین اور آجائیں گے کچھ شبہات کا جواب اور سوچیگا اور یہ بات علامہ میں ضرور تھی۔ خواہ اس کو نقص کہا جائے یا کمال علمی کا نتیجہ۔

دوم۔ چونکہ شاہی مزاج رکھتے تھے۔ محنت کم برداشت کر سکتے تھے اور اس ملک کی گرمی کی بھی برداشت نہ لا سکتے تھے۔ کیونکہ ان کو اکثر سرد یا معتدل مقامات ہی میں رہنے کا اتفاق ہوا اور ہمیشہ امیرانہ شان سے رہے وہ ایسی حالت میں تصنیف کر سکتے تھے کہ ہر قسم کا سامانِ تصنیف موجود ہو اعلیٰ درجہ کا مکان ہو اور ایسے مقامات پر جہاں موسم تقریباً معتدل رہی اور ہر طرح کی بے فکری ہو۔ اہل علم کا مجمع ہو منشی اور ناسخ موجود ہوں اور یہ میری وہ رائے ہے جو میں ایک چند سال پیشتر قائم کر چکا تھا چنانچہ اسی کی تصدیق تصنیف تفسیر کے واقعہ اور شاہ ناصر الدین شاہ کے **"ادارۃ التالیف"** قائم کرنے سے ہوتی ہی کہ یہ سامان تھا تو علامہ کچھ کر سکے وہ صورت اگر باقی رہتی تو بیشک علامہ کی تصانیف بہت ہوتیں اور لاجواب ہوتیں اور اگر صرف وہی ایک تفسیر مکمل ہو جاتی تو بھی ہزار تصنیفوں سے بہتر ہوتی مگر افسوس ہے کہ زمانہ نے مہلت نہ دی اور فلکِ کج رفتار شیعہ قوم کی یہ زبردست کامیابی نہ دیکھ سکا۔

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

سوم۔ یہ بھی مسلم ہے کہ علامہ نے امیرانہ زندگی بسر کی مگر انصاف یہ ہے جو اطمینان کہ چاہیے مرحوم کو حاصل نہوا۔ خصوصاً ان کے اپنے نقطۂ خیال سے۔ اور جس حال میں انھوں نے

تیئس و چوبیس سال گذارے ہیں کہ آج کہیں اور کل کہیں۔ آج اس شہر میں اور کل اس گاؤں میں۔ آج کچھ پروگرام اور کل کچھ۔ قیام کہیں۔ مرکز کہیں، آپ کہیں اور کتب کہیں ایسی صورت میں ناممکن تھا کہ علامہ جیسا شخص اپنے منشار کے موافق کوئی چیز لکھ سکے اور مجھے علم ہے کہ وہ اس کو محسوس کرتے تھے بلکہ بعض اوقات متاسف بھی ہو جاتے تھے اور انہیں واقعات کو دیکھتے ہوئے اور علامہ کے مزاج کو پہچانتے اور ان کی مجبوریوں کو جانتے ہوئے اکثر مخلصین کا یہ خیال تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ علامہ اس کام کے ہیں کہ چند اہل علم ہر وقت اُن کے ساتھ رہیں اور جو کچھ یہ کہیں وہ لکھ لیا کریں مجھے بھی اس سے اتفاق تھا۔ اور واقعاً علامہ سے لینے کی بہترین صورت یہی تھی۔ ذرا چھیڑ دو۔ اور جواہرات علمیہ سے جیب و دامن بھر لو۔ بس یہی سب سے بہتر صورت ان سے کچھ حاصل کرنے اور ان کے علوم و معلومات کے محفوظ رکھنے کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اہل علم کو یہ موقعہ بہت کم ملا۔ کوئی شخص جس کو شوق ہو ایسا فارغ البال نہ تھا جو ہمیشہ علاّمہ کی خدمت میں رہتا۔ اگرچہ بعض اہل علم نے اس امر کو علامہ کے ابتدار زمانۂ ورود پنجاب ہی میں سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ سُنا ہے کہ شروع ہی ملاقات میں جناب مولٰنا عنایت علی صاحب ساما نوی اعلے اللہ مقامہٗ نے جناب مولوی سید محسن علیشاہ صاحب سے فرمایا تھا کہ وہ شخص ہے کہ جب اس کے پاس بیٹھو کاغذ، قلم، دوات لیکر بیٹھو اور جو یہ کہیں لکھتے جاؤ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ خذ و العلم من افواہ العلماء علمار کی زبان سے علوم حاصل کرو۔

تفسیر مذکور کے علاوہ ایک رسالہ مسئلہ قضا و قدر پر ایک تجسم اعمال پر اور ایک ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفۂ طبعیہ پر علامہ نے لکھا تھا اور یہ سب رسالہ مطبوعہ ہیں مگر ان کا کوئی نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ ایک آدھ دفعہ ایران لکھا بھی مگر کوئی جواب نہیں آیا اب ہم اسکی نسبت مزید سعی سے کام لینگے۔ شاید

کامیاب ہو جائیں۔

مسودۂ امامت

یہاں علامہ اعلےٰ اللہ مقامہ کی تصنیفات میں سے ایک مسودہ تھا اور جس کے اکثر مباحث و مطالب امامت سے تعلق رکھتے تھے یہ کچھ نوٹ اور اشارات تھے جو وقتاً فوقتاً مرحوم لکھتے رہتے تھے اور چند سال سے مجھ سے برابر فرمایا کرتے تھے کہ اس سال کوئٹہ جا کر ان مسودات کو ضرور مرتب کر دوں گا مگر قدرت نے ان کی ترتیب کا موقع نہ دیا اور علامہ اسکی حسرت دل میں ہی لے گئے اور نہایت افسوس ہے کہ مسودات و کتب کی تلاش کی وہ مسودہ بھی اب نہ نکلا جس کو خود میں نے قبل ازیں دیکھا تھا اور ساتھ ہی آپکے خاص اوراد و وظائف و اعمال کا مجموعہ بھی مفقود ہو گیا۔ ان دونو چیزوں کے گم ہونے کا مجھے سخت صدمہ ہے۔ اکثر احباب سے دریافت کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا اور بعض حضرات نے کچھ جواب بھی نہ دیا و قد جف القلم بما ھو کائن"۔

علاّمہ کے خاص قلم کا لکھا ہوا ایک مضمون جو عربی میں ہے اور آیۂ مجیدہ "انا کل شئ خلقناہ بقدر" کی تفسیر پر ایک سنی المذہب افغانی عالم کے سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اب سے چند سال پیشتر "البرہان" میں بجنسہ و بلفظہٖ شائع ہو چکا ہے۔ مضمون مختصر ہے مگر اہل علم کے دیکھنے کے قابل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اسکو کہتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں۔ یہ چند صفحے اہل بصیرت کے نزدیک فی الحقیقۃ ابواب علم ہیں۔ اسی طرح اور بھی چند مضمون علمی بعض مومنین کو لکھ کر دے ہیں جو قابل دید ہیں اور نہایت مفید رسائل مثلاً سردار محمد سرور خاں صاحب کو سورۂ کہف کی ان آیتوں کی تفسیر لکھ کر عنایت فرمائی ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ ہے۔ اور ان آیات سے مسائل قضا و قدر اور بندے کے فاعل مختار ہونے کے اہم مباحث کو ایک عجیب و غریب اسلوب سے حل کیا ہے اور اعلیٰ ترین نکات بیان فرمائے ہیں۔ کشمیر میں ایک تحصیلدار

صاحب کو ہدایت۔ ہادی اور اقسام ہدایات کے بیان میں ایک نہایت مفید مضمون لکھ کر عنایت فرمایا تھا اور ان دونوں کا خود مجھ سے ذکر کیا تھا وعلے ھذا القیاس بعض دیگر مومنین کو وقتاً فوقتاً مفید مضامین دئے ہیں اگر یہ حضرات یہ مضامین عنایت کر دیتے تو یہ علیحدہ صورت میں بھی شائع ہو سکتے تھے نیز اس موجودہ مسودہ میں البتہ وہ عربی مضمون ناظرین اسی کتاب کے حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اہل علم اور اہل بصیرت کے نزدیک علامہ کی وقعت اور عظمت

یہ سب کچھ ہے مگر علامہ سے جسکی امید ہم لوگ رکھتے تھے اور جو کچھ ہمارے نفوس چاہتے تھے اور جو علامہ کی طرف سے ہونا چاہیے تھا اُس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ علم معرفت کی ایک بجلی پنجاب پر چمکی اور غائب ہو گئی۔ ایک پھول تھا جو کھلا۔ مہکا اور فوراً مرجھا گیا۔ یہ بیس سال کا عرصہ اس اعتبار سے ایسا گذر گیا کہ گویا بیس دن۔

علامہ نے یہاں علمی بوٹے لگائے مگر اُن کو پروان نہ چڑھا سکے۔ علامہ نے ہندوستان میں اور بالخصوص سندھ و پنجاب میں شجرۂ اسلام کو زندہ کیا مگر اسکو کامل شاداب دیکھ سکے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
سیر گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ان کو خود اسکا افسوس رہا اور مرتے وقت اگر علامہ کے دل میں کوئی حسرت تھی تو یہی کہ اسلام پھر مضمحل ہو جائے گا بلکہ جب زندگی سے مایوس ہو گئے تھے تو فرماتے تھے کہ افسوس ہے کہ میں نے بڑی محنت سے اسلام کو زندہ اور تازہ کیا تھا وہ پھر اسی حالت پر آجائے گا اور پھر مضمحل ہو جائے گا اور جو روح اسلامی میں نے پھونکی ہے وہ باقی نہ رہیگی۔ چنانچہ اپنی اور وصایا کے بعد میرا سینہ کھلوا کر دیر تک سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے

دعائیں پڑھتے رہے اور بعد ازاں فرمایا کہ "ملازمت راترک کنید وخدمت دین را پیش گیرید تا محنت بندہ برباد نرود وضائع نشود" اور یہ بالکل سچ ہو اور یہ ہماری بدقسمتی ہی کہ ہر طرف سے اہل علم کا سایہ مومنین کے سر سے اٹھتا جاتا ہے یہ نعمتیں پھر کہاں حاصل ہونگی - اگر ہماری ناشکر گذاری نہ ہوتی تو ہرگز ابھی یہ نعمات الٰہی ہم سے سلب نہ ہوتیں بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسہم الآیۃ برسوں کے بعد یہ دولت ہاتھ آئی تھی جو بہت جلد ہمنے ضائع کردی جناب مولنا حالی مرحوم کا یہ قول بالکل صحیح ہی کہ دو سو سال کے عرصہ میں ہندوستان میں ایسا جید عالم نہیں آیا - عالی جناب حذاقت مآب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب زید مجدہٗ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا - پہلا ہی وعظ دہلی میں علامہ کا سنکر حکیم صاحب نے فرمایا تھا - جس کو ہمنے خود سنا تھا "ماسمعت قط" میں نے ایسا وعظ کبھی نہیں سنا اور اب بھی زمانہ مرض میں حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں نے عراق بھی دیکھا ہے اور شام بھی ، مصر بھی اور یورپ بھی اور ہندوستان میں اکثر علماء کو دیکھا اور سنا ہی - خصوصاً ان چند سال کے عرصہ میں مینے اس پایہ کا عالم نہیں دیکھا جناب مولنا مولوی سید محسن علی شاہ صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ جناب مولنا سید عنایت علی صاحب اعلی اللہ مقامہ جیسے متکلم لاثانی و فاضل اجل فرماتے تھے کہ تیس تیس سال کے بعض شبہات شیخ ہی نے حل کئے ہیں اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ گو شیخ کی تصانیف بہت کم ہیں مگر شیخ کے آثار علمیہ مفقود نہوں گے دیر تک رہیں گے کتنی ہی روحیں ہیں جو زندہ ہوئی ہیں جن میں شیخ کے علم کی شعاعیں چمکی ہیں اور وہ بہت مدت تک روشن رہیں گی - اگر ہم انکی تفصیل لکھیں کہ کن کن باسواد حضرات نے شیخ سے فیض پایا جن سے شیخ کا نام روشن رہے گا تو بہت طول ہو گا اور ایک مستقل مضمون بن جائے گا - مثال کے طور پر ہم بعض عالموں کا ذکر کر چکے ہیں اور بعض خود ناظرین واقف ہیں -

بہر حال گو ایسے اہل علم بھی ہیں اور بہت ہیں جنھوں نے علامہ کے خرمن علم سے بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے مگر علامہ کے اس احسان و انعام کا کبھی اظہار نہیں فرماتے ہیں تاکہ وہ نکات علمی جو انکی زبان سے ادا ہوں ان کی اپنی طبیعت کا نتیجہ سمجھے جائیں۔ جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن تاہم ایسے نفوس بھی ہیں جو علامہ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتے ہیں اور وہ اسکے نام کو انشاء اللہ دیر تک زندہ رکھیں گے اور ان کی روحیں ہمیشہ شیخ کی شکر گذار رہیں گی۔ وہ شیخ اور شیخ کے کمالات کو کبھی فراموش نہ کرسکیں گے اُن کی آنکھیں ہمیشہ شیخ کی مفارقت میں آنسو بہائیں گی۔ مخلصین ہمیشہ علامہ کا مرثیہ پڑھیں گے۔ عارفین ہمیشہ شیخ کی روحانیت کو یاد کرینگے۔

علامہ کی اولاد

شاید ہمارے اس بیان سے بعض حضرات کو یہ شبہہ گذرا ہو کہ علامہ کے نام لیوا اور اسکے آثار وجود بھی اہل ہند ہیں یا اہل پنجاب۔ علامہ کے دو صاحبزادے تھے جن میں سے بڑے شیخ کے دس ماہ بعد انتقال فرما گئے چھوٹے صاحبزادے طہران میں ہیں اور عالم و فاضل فائز بدرجہ اجتہاد ہیں گو ہمیں یہ علم نہیں کہ وہ علامہ کی خصوصیات کے زیور سے کہاں تک آراستہ ہیں لیکن الولد سر لابیہ کی حقیقت کچھ نہ کچھ تو ضرور ایسے فاضل میں صادق آتی ہوگی خدا کرے کہ ان سے ملاقات ہو اور ان میں شیخ کے آثار دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

دوسرے صاحبزادے مشہد مقدس میں تھے اور وہاں کی جائیداد موقوفہ اور غیر موقوفہ کا انتظام انھی سے متعلق تھا یعنی شیخ نصر اللہ مرحوم مغفور ۱۳۴۲ ہجری میں وہ یہاں تشریف لائے تھے اور چند ماہ باپ کے سایۂ عاطفت میں بسر کرکے مشہد ہی واپس چلے گئے تھے۔ بعد وفات شیخ انھی کو تار دیے گئے وہ تشریف لائے اور علامہ کا جملہ سامان و اسباب حسب وصیت مرحوم انھی کو سپرد کیا گیا۔ یہ صاحبزادے صورت اور شکل میں بعینہٖ علامہ تھے۔ مگر علم و فضل میں جدا یعنی فاضل نہیں تھے معمولی اہل علم تھے

علامہ اعلی اللہ مقامہ کی وصیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرحوم کی ایک ہمشیرہ بھی بقید حیات ہیں مگر اس خبر سے اس لئے افسوس ہوا کہ خدا جانے اس بیچاری پر کیا گذری ہوگی جبکہ اُس نے سنا ہوگا کہ بھائی نے غربت میں وفات پائی۔ گو میرے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنا سامان اور اسباب اپنے فرزند ارجمند کو دے جانے کی وصیت کی اور کتب خانہ میں جو تقریباً اکیسو کتب تھیں وہ کل احقر کو دے جانے کی لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ تو سو کتابیں ہیں۔ شیخ کے سینے میں جو کچھ تھا اور جو فیض ہمیں وہاں سے پہنچا تھا اس کی تلافی دس ہزار کتب کا ذخیرہ بھی نہیں کر سکتا "لیس العلم فی السماء فینزل علیکم ولا فی تخوم الارض فینبت لکم بل ھو مجبول فی قلوب العارفین"۔ تادبوا بآداب الروحانیین یظھر علیکم شیخ وہ وجود تھا جس نے اپنی ریاضات نفسانیہ کے ذریعہ حقیقی عارفین کے فیض باطنی سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ نہ صرف الفاظ کے قالب پھر کتابیں اس کی کیا تلافی کر سکتی ہیں۔ جبکہ بہت سی مفید اور نادر کتب جو مرحوم کے پاس تھیں ضائع ہو چکی تھیں اور ان کا کوئی پتہ نہیں۔ کہاں گئیں۔ اور کس کے پاس ہیں مگر جب شیخ ہی ہم سے چھن گئے تو کتب کہیں جائیں ان کا مجھے افسوس نہیں۔ کتابیں بہت ہیں اور بہت ملیں گے۔ مگر شیخ جیسا روحانی مربی اب میسر نہ آئے گا۔

شیخ نصر اللہ مرحوم ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ ہجری میں مشہد سے لاہور تشریف لائے سامانِ مرحوم انکے سپرد کیا گیا اور وہ از راہ کوئٹہ بلوچستان ماہ محرم ۱۳۶۲ھ میں واپس وطن مالوف کی طرف عازم ہوئے۔ مگر افسوس صد افسوس نہ معلوم کس بری گھڑی گھر سے چلے تھے کہ زندہ وطن واپس نہ پہنچے۔ سیستان میں زہر سے شہید کیے گئے، اور شیخ مرحوم کی زندہ تصویر خاک میں مل گئی۔ مگر تفصیل اس حادثہ جانکاہ کی صحیح طور پر معلوم نہ کر سکے کس طرح اور کیوں واقع ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون

شیخ اسداللہ پسر نصر اللہ مرحوم نبیرہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ سامان ملازم نے گھر پہنچا دیا اور اب یہی بچہ مرحوم کی یادگار ہے:

صبح کو طائرانِ خوش الحاں

پڑھتے ہیں کل من علیہا فان

وفاتِ حسرت آیات

کل من علیہا فان و یبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

سرکارِ شریعتمدار شیخ الاسلام شیخ عبد العلی اعلی اللہ مقامہٗ فی اعلیٰ علیین نے ۹ دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء (مطابق ۷ار ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۱ ہجری دشب شنبہ) اس عالم فنا سے عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون"

یہ دن عجب قیامت خیز دن تھا۔ دنیا تیرہ و تار اور عالم مومنین کی آنکھوں میں سیاہ تھا چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔ دل خود بخود بیٹھے جاتے تھے طبیعتیں بے چین تھیں غم و الم کا ہجوم تھا اور شہر لاہور میں ہر طرف پریشانی کے آثار ہویدا تھے۔ اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ماہِ عزا نہ تھا۔ مگر مومنین کے گھر عزا خانے بنے ہوئے تھے ہر طرف سیلاب غم و الم امڈ رہا تھا۔ کیوں؟ کس لئے؟ اس لئے کہ **"آفتابِ معارف غروب ہو گیا"** **"اخترِ علم"** ڈوب گیا۔ نیر و حانیت نظروں سے غائب ہو گیا۔ چشمہ ہدایت خشک ہو گیا۔ علم و عمل کا بحر مواج پایاب۔ وہ بلبل ہزار داستان و خوش الحان خاموش ہو گیا جو ہمیشہ گلشن توحید میں چہکتا تھا۔ وہ قمری خوش لہجہ چپ ہی جو ہمیشہ عرفان کا نغمہ سناتی تھی۔ وہ حکیم اسلامی جو اپنے دلائل و براہین سے قلوب مومنین کو روشن کرتا تھا ایک تاریک کوٹھری میں

سو رہا ہے جہاں صرف انکی نورِ ایمان کی شمع روشن ہے۔ اس فلسفی متکلم کا ماتم برپا ہے جو ہزاروں
کے مجمع میں بڑے بڑے ملحدوں اور دہریوں کے سر اپنے دلائل قاطعہ کے آگے خم کرا دیتا تھا جو ہر ایک
سوال کے جواب کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جس کی ذہانت اور ذکاوت اسکو سوچنے کی
تکلیف نہ دیتی تھی۔ جس کی روحانیت اسکو الفاظ کے خول میں مقید رہنے سے باز رکھتی تھی
جس کی عمیق نظر ہمیشہ کلام کے مغز تک پہنچتی تھی۔ جس کی زبان سے فصاحت اور بلاغت کے دریا
بہتے تھے اور جسکی مناجات رات کے وقت سننے والوں کے دل ہلا دیتی تھی اور ہر ایک دل میں معرفت
اور روحانیت کی ایک لہر دوڑا دیتی تھی۔ جس کے فضل و کمال کا ہر طرف شہرہ تھا۔ جس کے
تبحر علمی کے اپنے پرائے یگانے بیگانے موافق و مخالف سب قائل تھے۔ جسکو نہ صرف شیعہ بلکہ
عام مسلمان ایک عالم عدیم المثال جانتے تھے۔ جس کے کمال علمی کا لوہا غیر مسلم بھی مانتے تھے۔
جسکی ذات ستودہ صفات کے لئے لفظ **علامہ** زینت تھا بلکہ اسکی ذات سے اس لفظ کی عزت
تھی جو نادر زاد مجتہد اور اسامی علامہ نہ تھا اس نے مدتوں ریاض کیا تھا۔ صحراؤں کی خاک چھانی
تھی۔ ہولناک خرابات کے مناظر دیکھے تھے جسنے ہزارہا کتب کا مطالعہ اور ہزارہا مناظر قدرت
کا مشاہدہ کیا تھا جس نے ریاضت سے نفس کو مزکیٰ بنایا تھا اور اسکا عمل علم سے بڑھا ہوا تھا
اسی نے اسکو کامل بنایا تھا اور وہی اسکی سچی اور حقیقی شہرت کا باعث تھا۔ وہی لوگوں
کے دلوں کو کھینچتا تھا اور سچے عالم کے معنی تبلاتا تھا "انما یخشے اللہ من عبادہ
العلماء" اسکے علمی تبحر کا ثبوت قومی اشتہارات و اخبارات اور ملک کی انجمنوں کے
ریزولیوشنوں۔ اور حاشیہ نشین چائے خوردں کے افسانوں پر موقوف نہ تھا بلکہ اس
کی زبان اور اسکا دل اسکا ثبوت تھے "والمرءُ باصغریہ قلبہ ولسانہ" وہ محقق تھا
مدقق تھا۔ حکیم تھا۔ فلسفی تھا، مجاہد تھا، مرتاض تھا، فقیہ تھا۔ اعلم تھا۔ وہ فصیح البیان
مفسر قرآن تھا، اور صاحب الرائے اور صائب الرائے تھا۔ شاہ مزاج تھا۔ شاہ دماغ تھا
مگر شاہ پسند نہ تھا آہ وہ وجود دنیا سے اٹھ گیا۔ جو قوم کا سرپرست اور مذہب و ملت کا

سچا محافظ اور حامی تھا۔

لی راہِ خلد شیخ نے دنیا کو چھوڑ کر
ہم بدنصیب رہ گئے رونیکے واسطے

وہ بلبل علم و عرفان جو چند روز قبل عرشہ مِنبر پر باغِ توحید میں چہکتا تھا۔ اب اسکا تابوت مومنین کے کندھونکی زینت تھا۔ عجب شان کا تابوت تھا۔ ہزارہا مومنین روسا عظام بعض والیان ریاست اور بعض دیگر اقوام کے معزز ممبر احاطہ کئے ہوئے تھے۔ تمام مجمع پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ اکثر کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مومنین کے چہروں سے اخلاص ٹپک رہا تھا اکثر مومنین خصوصاً نوجوانان قوم تابوت کو لئے ہوئے تھے۔ کندھا دینا نہایت دشوار تھا۔ ہر گلی کوچہ سے مجمع میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سیاہ علَم آگے آگے رواں تھے اور مومنین تصویر غم بنے ہوئے پیچھے پیچھے۔ جابجا مصور فوٹو لیتے جاتے تھے۔ مومنین کے محلوں سے مستورات پھول برسا رہی تھیں اور اپنے قیمتی آنسو اس فدائیِ ملت پر نثار کر رہی تھیں۔ یہ بھی اسی کی خصوصیت تھی کہ سیکڑوں چھوٹے بچے ساتھ تھے اور ایک برات کے تمام براتی مع دولھا۔ تشیع جنازہ میں شریک حسب وصیت مرحوم آخری خدمت کے جملہ فرائض اس حقیر کے ذمہ تھے جو ادا کئے گئے۔

عالیجناب معلی القاب نواب ابن نواب خاں بہادر کربلائی نواب **محمد علیخان** صاحب قزلباش سی۔ ایس۔ آئی بالقابہ کی کوٹھی سے تابوت اُٹھا اور شہر میں سے گذرتا ہوا تقریباً تین چار گھنٹہ میں گامے شاہ کی کربلا میں پہنچا وہیں مسجد میں نماز ہوئی جس کا شرف محسن قوم مخلص خاص جناب مولوی محسن علیشاہ صاحب سبزواری زید فضلہ کو حاصل ہوا اور آہ و بکا کے اژدحام میں تابوت **نجف اشرف** پہنچانے کی غرض سے کربلائے مذکور میں امانت رکھا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم کی ہمیشہ یہی خواہش تھی کہ انکا عالم آخرت کا سفر ہندوستان سے ہو بلکہ دار الاسلام **ایران** سے ہو مگر ماتدری نفس ماذا تکسب

غد او ماتدری نفس بای ارض تموت ارادۃ اللہ غالبۃ علی کل ارادۃ غربت میں شاید ہی کسی غریب کا جنازہ اس دھوم سے اُٹھا ہوگا اور اس شان سے ماتم پرسی ہوئی ہوگی اگر اُن کے اقربا موجود ہوتے تو خیال بھی نہ کرتے کہ وہ پردیس میں ہیں اور یہ سب کچھ مرحوم کی روحانیت اور جناب کربلائی صاحب موصوف کی شخصیت کا اثر تھا جنھوں نے مرحوم کی تیمارداری اور بیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا وہی صاحبِ عزا تھے اور حق عزا بھی ویسا ہی ادا کیا جو انکی شان کے شایاں تھا ادام اللہ اقبالہ و بلغ فی الدنیا والاخرۃ اٰمالہ بحق محمد و آلہ۔

کل پنجاب و سندھ اور اکثر مقامات ہندوستان میں مرحوم کا سوگ منایا گیا۔ تعزیت کی گئی۔ تعزیت نامے لکھے گئے، تعزیتی جلسے ہوئے۔ تاریخیں لکھی گئیں۔ اور مومنین نے اپنے اخلاص ایمانی کا آخری ثبوت پیش کیا۔ لیکن ؎ پس ازاں کہ من نہ ماندم۔ بچہ کار خواہی آمد۔

آج بالبصیرت اہل پنجاب خود کہہ رہے ہیں اور افسوس کر رہے ہیں کہ شیخ کے علم و فضل کی جیسی کہ چاہیے تھی قدر نہ کی گئی۔ بلکہ ہے برعکس اسکی۔ قدری میں اور تشہیر و تذلیل میں بعض دوکاندار اہل علم اور انکے حوارئیین نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جسکو ذکر کرتے شرم آتی ہے اور دل دکھتا ہے اور اسکا وقت بھی نہیں رہا ہے مثل مشہور ہے کہ آدمی کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن یہاں یہ مثل حقیقت کے لباس میں جلوہ نما ہے۔ اپنے اور پرائے سب شیخ کو یاد کر رہے ہیں الا من فی قلوبہم زیغ اور آج عالم کی موت کے متعلق فرمان معصومین کی تصدیق شاہد میں آرہی ہے حضرت صادق آلِ محمد ارشاد فرماتے ہیں "اذا مات المومن الفقیہ ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا شئی" جب کوئی مومن فقیہ مرجاتا ہے، تو دیوار اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسکو کوئی شئے بھر نہیں سکتی اور حضرت کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں اذا مات المومن الفقیہ بکت علیہ الملائکۃ و بقاع الارض التی کان یعبد اللہ علیہا و ابواب السماء التی کان یصعد فیہا علمہ و ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا

شی لان المومنین الفقہاء حصون الاسلام کحصن اسوار المدینۃ لھا "
یعنی جب کوئی مومن عالم مرجاتا ہے تو فرشتے اسپر روتے ہیں اور وہ بُقعاتِ زمین روتے
ہیں جن پر وہ عبادتِ خدا کرتا تھا اور ابواب آسمان روتے ہیں جن سے اسکا عمل کاتبان اعمال
لیکر جاتے ہیں اور اسکے مرنے سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ جاتا ہے جسکو قیامت تک کوئی چیز نہیں
بھر سکتی کیونکہ علماء اسلام اسلام کی پناہ اور اسکا حصار ہوتے ہیں جس طرح فصیل شہر شہر
پناہ ہوتی ہے۔
آہ! ہمارا شیخ اپنی حصونِ اسرارِ معارفِ دینیہ سے تھا جس میں احادیث معصومین
اور ان کے اسرار مخزُون و مکنُون اور محفوظ ہوتے ہیں کما قال علیہ السلام احادیثنا
صعب مستصعب لا یحتملھا الا حصون حصینۃ او حلوم رزینۃ او صدور امینۃ
رحمہ اللہ الشیخ اُسکے مرنے سے جو رخنہ پڑا ہے، اسکو اہل بصیرت کی آنکھیں صاف دیکھ رہی ہیں
اور اُسے یاد کر کے اشک حسرت بہا رہی ہیں۔ مخلصینِ خاص کو اس لئے بھی زیادہ صدمہ ہے کہ
ایسے فاضل متبحر کی کوئی یادگار قائم نہ کی جو اُسکے نام کو خصوصیت سے زندہ رکھتی اور ساتھ ہی
احساسِ مذہبی اور حیاتِ قومی کا ثبوت دیتی کیونکہ زندہ قوموں کے ذی کمال مُردے ایسی ایسی
یادگاروں سے ہمیشہ زندہ رکھے جاتے ہیں۔ مگر یہاں شیخ کا لگایا ہوا تبلیغ و ہدایت کا سرسبز
بوٹا تبلیغ و ہدایت کا سرسبز بوٹا "البرہان" بھی شیخ کے ساتھ قوم کی غفلت اور نا قدردانی
اور ناحق شناسی کی اندھیری قبر میں زندہ درگور کردیا گیا۔ دیکھئے وہ بھی من چلے مخلصین کی
مسیحائی سے دوبارہ زندہ ہوتا ہے یا نہیں خدا جلد ہماری قومیت کے سکون میں حرکت
پیدا کرے آمین انّ اللہ علی کل شی قدیر و بیدہ ازمۃ التقدیر و کل عسیر علیہ سھلٌ یسیرۃ

تاریخہائے وفات

مرحوم اعلی اللہ مقامہ کی تعزیت کے سلسلے میں اُن کے مخلص احباب نے بہت سی اردو، عربی، فارسی

میں تاریخہائے وفات نکالیں اور نظم کیں جن میں سے مرسنین مخلصین کی خاطر ہم پانچ تاریخیں یہاں درج کرتے ہیں یعنی از جناب سید محمد عسکری صاحب **اغلب** باہروی برادرِ عزیز ملک الشعرا سید ناظر حسین ناظم مرحوم و مغفور ، جناب سید حسین علی صاحب **ماہر** لدھیانوی - جناب ابو المجاہد شیخ فتح محمد صاحب سیوستانی (ایرانی) جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب درانی **سلطان** لاہوری و جناب سید علمدار حسین صاحب علمدار واسطی بنوڑی یہ تمام حضرات شیخ مرحوم سے تقریباً اسی وقت سے تعارف رکھنے والے ہیں جسوقت سے کہ پنجاب و سندھ میں سرکار علامہ مرحوم کے مواعظ کی شہرت ہوئی اور اس لیئے ان حضرات نے قطعات و رباعیات تاریخ میں صرف شاعری ہی نہیں کی ہے بلکہ ہر ایک نے شیخ کی شخصیت اور اسکی خصوصیات کو حقیقت کے الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور یہ قطعات ہمارے تمام بیانات سابقہ کا آئینہ ہیں خصوصاً آخر الذکر دو صاحبان یعنی شاہزادہ صاحب اور واسطی صاحب شاہزادہ صاحب خود ذی علم اور صاحب سواد اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور اسی طرح واسطی صاحب جن کے اکثر مضامین نظم و نثر ناظرین **البرہان** مطالعہ فرماتے رہے ہیں اور اکثر ملک کے ادبی رسالوں میں آپ کے گرانقدر مضامین طبع ہوتے رہے ہیں اور **ہلالِ محرم** ان کے کمال کی ناقابل انکار دلیل ہے۔

جہانتک مجھے یاد ہے - لاہور میں اہل لاہور سے اس عالم عدیم المثال اور اعجوبہ زمان کا تعارف کرنیوالے شاہزادہ صاحب ہی ہیں اور یہ غالباً محرم ۱۹۰۵ء کا ذکر ہے جبکہ جناب شیخ **پٹیالہ میں تھے** - اس وقت سے آخری ساعات وفات تک شاہزادہ صاحب نے شیخ کے حالات واقعات - علم و عمل ، فضل و کمال کا مطالعہ اور مشاہدہ سفر و حضر میں کیا ہے اور اس طولانی عرصے میں شیخ کی فضیلت کا جو نقش انکے دل میں بیٹھا ہے اس کو اپنی نظم میں ظاہر کیا ہے -

واسطی صاحب بھی خوش قسمتی سے شیخ سے اس وقت سے تعارف رکھتے ہیں جبکہ میں خود شیخ کے نام سے ناواقف تھا اور اسلیئے انھوں نے بھی شیخ کی ذات اور شخصیت کے متعلق اپنی دیرینہ حقیقی معلومات اور معتقدات کا اظہار فرمایا ہے خصوصاً موصوف نے اپنے مرثیہ میں پوری پوری

حقیقت کو واضح کر دیا ہے اور مرثیہ شیخ کی سوانحعمری اور اسکے فضل و کمال اور اسکے کارناموں کا آئینہ ہے۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

قطعۂ تاریخ وفات حسرت آیات سرکارِ علامہ اعلی اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیین از جنابِ شرافت مآب سید محمد عسکری صاحب اغلب باہروی

از چشم اشکِ خوں چرانہ می بارد آسماں
حالا چہ ماتم ست کہ میگرید انس و جاں؟

از چشم خلق شد نہاں افسوس دفعۃً
عالی ہمم، خجستہ شیم والا دودماں

بگذشت از جہان غلامِ شہ نجف
عابد، فقیہ اعلم و عامل بلند شاں

در ہند مرد حیف ز ایران آمدہ
بگریست میزباں کہ شدہ راہی میہماں

روز نہم ز ماہ دسمبر بود کہ شد
آں نیر علوم و معارف ز ما نہاں

اغلب بگو کہ نزدِ جنابِ امیر رفت
سرکار شیخ عبد العلی نادرِ جہاں
۱۹۲۲ء

از کلکِ گہربار جناب سیادت مآب میر حسین علی صاحب ماہر لدھیانوی

چند تا ادوار جورِ چرخ بر آدم گذشت
کے گراں بود زیں بیکدم کہ بر عالم گذشت

فارغ البال از ستمہائے فلک بودم کہ دی
ایں ندائے از سروش ہوش در گوشم گذشت

سایۂ سرکار شیخ از فرقِ ما مفقود شد
جعفری باشی اگر نتواں ازیں ماتم گذشت

ماخذ علم و ادب علامہ شیریں بیاں
روز آدینہ بوقتِ شب ازیں عالم گذشت

ماہر از سالِ مسیحی ہاتفم داد ایں ندا
آہ ازیں دنیائے دوں آں فاضلِ اعظم گذشت

از نتیجۂ افکار جناب مجددت انصاب فضیلت انتساب ابو المحامد فتح محمد البلوستانی ۱۹ اعرابی

کرد ما را غرقِ بحرِ رنج و اندوہ فراق
شد بجنت شاد ماں علامہ عبد العلی

چوں بپرسیدم سن و سالِ فاتش از سروش
گفت گو فخر زماں علامہ عبد العلی
۱۳

ایضاً

در زمانِ قحطِ مردانِ خدا گشته جدا — کرد مارا مضمحل علامۂ عبدالعلی
گفت ہاتف سالِ فوتِ آں خدا آگاہ مرد — فاضل و آگاہ دل علامۂ عبدالعلی

از رشحاتِ قلمِ حقائق رقم جناب مجدّت نصاب فضیلت انتساب جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب دُرّانی المتخلص بہ سلطان

شیخ عالی جناب والا جاہ — کہ نبودش مثیل در امکاں
صاحبِ علم و فضل و زہد و ورع — بوذرِ عہد و ثانیِ سلماں
در معانی بیان و علمِ ادب — بود شاگردِ مکتبش حسّاں
واقفِ نکتہ ہائے فرقانی — ماہرِ قولِ سرورِ ذی شاں
عارفِ دودمانِ پیغمبر — خادم و عاشقِ امامِ زماں
ہرچہ میگفت جملہ حق میگفت — زانکہ بود است صاحبِ عرفاں
جد وے بود شیخ ابراہیم — باب ہمنام سرورِ ذیشاں
مسکنِ جد و باب بود ہرات — لیک خود شد مقیم در طہراں
صیتِ فضلش بگوشِ ناصرِ دین — چوں رسید از زبانِ عالمیاں
نزدِ خود خواست باد و صد اعزاز — حاکمِ شرع ساخت در ایراں
گردشِ دہر چوں بدر آمد — شیخ از آنجا رسید ہندوستاں
بست و یکسال بود در پنجاب — آخرش شد بسوئے خلد رواں
غیرِ حق ہیچ کس بقا نبود — گفتہ خود کل من علیہا فاں
داغ بر قلبِ مومنیں بنہاد — آہ از دستِ گردشِ دوراں
دیں فروشان و طالبِ دنیا — کہ ندارند بہرہ از ایماں
روز و شب در تلاشِ سیم و زر اند — در پئے جیفہ مثلِ خوک و سگاں

طالبِ جاہ و بے جز از حق ‏ جاہلِ مطلق اند واجد خواں
دعوے علم ولیک جاہلِ محض ‏ از کلامِ نبی و از قرآں
بہ وجودِ مبارکِ مرحوم ‏ ہمہ پامال بودہ اند خزاں
لیک افسوس طالعِ منحوس ‏ کرد شمسِ علوم اپنہاں
در گلستانِ علم بود بہار ‏ لیک تاراج شد ز بادِ خزاں
رحمتِ حق بہ روحِ انورِ او ‏ کہ ز فیضش بماست صد احساں
خود سوئے خلد رفت و داد ہما ‏ درد چہ درد دردِ بے درماں
اے خدائے کریم صبرِ جمیل ‏ کن بہ سلطاں عطا دریں حرماں
سالِ فوتش بجستم از ہاتف ‏ آہ از دل کشید مو بہ کناں
از سرِ کرب و حزن گفت کہ شد ‏ شیخ عبدُ العلی بہ سوئے جناں

۱۳۱۲ھ
از رشحاتِ قلم جواہر رقم جناب نجابت مآب شرافت نصاب سید علمدار حسین صاحب واسطی نوگڑی

لٹ گیا آہ آہ! باغِ علم ‏ مٹ گیا دہر سے سراغِ علم
چل بسا ساقیِ مئے عرفاں ‏ بزم اجڑی۔ لٹا۔ ایاغِ علم
تیرہ و تار ہو گیا عالم ‏ مہر ڈوبا۔ بجھا چراغِ علم
درد دل میں ہے۔ لب پہ دودِ آہ ‏ جل رہا ہے جگر میں داغِ علم
اٹھ گیا وہ وجود دنیا سے ‏ عرش پر جس سے تھا دماغِ علم
خلد میں پہنچے شیخ عبد العلی ‏ سر گیا گل ہوا "چراغِ علم"

ایضاً

آہ از دستِ جفا کیش فلک صد آہ آہ ‏ آتشے اندر جگر بر قلب زد تیرِ بلا
سوختہ از برقِ عالم سوز طومارِ حیات ‏ نقشِ ہستی محو شد از صفحۂ دارِ فنا

مرکزِ ما بود در پنجاب و او بالاتہ ماند — عارف و علامہ شیخ عبد العلی پارسا
علم قرآن و آئمہ را عَلَم بود در ہم — شیخ ما بود و رئیس ما مُدّ و غمخوارِ ما
بود آوازش صدائے قوم و دانش روحِ قوم — پیکرِ ملت بغیرش ماند بے روح و صدا
ہفدہم بود از ربیع ثانی و ہنگام شب — شد بہ فردوس آن وحید عصر زیں مہمان سرا
آہ از سر شد علمدار از دلم صبر مر بود — انتقال شیخ از دنیا سوئے دار البقا

مرثیۂ سرکارِ علامہ اعلی اللہ مقامہ فی اعلےٰ علیین از جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی بنوڑی موصوف الصدر۔ شیخ اعلی اللہ مقامہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ وہ "اندکے از بسیار" کا مصداق ہے ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور شیخ کا مرثیہ وہ قومی مرثیہ ہے جو مدتوں پڑھا جائے گا۔ لیکن ہم اس سلسلہ کو یہاں بالفعل اپنے مکرم دوست جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی کے مرثیے پر ختم کرتے ہیں جسکا تاریخی نام **"یادِ مغفور"** ١٣٤١ ہے جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے وہ سب اس آئینہ میں منعکس ہے۔ اکابرانِ قوم کے بہت سے مرثیے لکھے گئے ہیں لیکن **"یادِ مغفور"** کو پڑھ کر اہل بصیرت و صاحبانِ دل بیساختہ کہہ اٹھیں گے "ایں زمیں را آسمانے دیگر ست"

شیخ کی شخصیت کی طرح یہ مرثیہ بھی سب سے ممتاز ہے۔ زبان لطیف، الفاظ چست، اسلوب پسندیدہ۔ شاعریت اعلیٰ درجہ کی۔ مگر پھر شاعرانہ مبالغہ سے خالی اور شیخ کی شخصیت کا مع جملہ خصوصیات مکمل نقشہ لفظ بہ لفظ اور بیت بیت میں درد، مرثیت۔ روحانیت۔ یہ بھی شیخ کی روحانیت کا ادنی کرشمہ ہے۔ امید ہے ناظرین باہت محظوظ ہونگے اور یہ مرثیہ شیخ کی یادگار رہے گا۔ میر صاحب موصوف نے دردِ دین اور احساسِ قومی کا پورا ثبوت دیدیا فجزاہ اللہ خیر الجزاء

نوٹ:۔ ہم چاہتے تھے کہ شیخ کی سوانحعمری میں میر صاحب موصوف کا تعارفی مقالہ "جو قومی ماتم" کے عنوان سے البرہان میں طبع ہو چکا ہے درج کریں جس سے شیخ کی کمال روحانیت

اور اسکی غیر معمولی شخصیت پر پوری روشنی پڑتی ہے لیکن کتاب کے طوالت ہو جانے کے خیال سے ترک کیا جاتا ہے ناظرین اس نظم میں اسکا نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔

یادِ مغفور

۱۳۴۱ھ

اے خوشا خاک خطۂ پنجاب — ہیں نہاں جس میں گوہر نایاب
جو جھکا سن کے نعرۂ تکبیر — جو بڑھا اٹھ کے سوئے راہِ صواب
تازیوں کے لئے ہیں جسکے قدم — جس نے چومی ہے غازیوں کی رکاب
ہے جو منت کش نگاہِ علی — جو ہے مرہونِ حیدری آداب
دے رہے ہیں شہادت بیعت — آج تک جس کے منبر و محراب
جس نے دیکھے بہت نشیب و فراز — جسپہ گذرے بہت عتاب و خطاب
علماء، صوفیہ، مجدد، شاہ — جس کے آغوش میں ہیں محوِ خواب

ایک مدت سے اسکی بزم عمل
تھی پڑی بے چراغ و بے مشعل

علم و عرفان کا نشان نہ تھا — عمق و روحانیت پہ دھیان نہ تھا
اوپری اوپری سی باتیں تھیں — مغز ہو جسمیں وہ بیان نہ تھا
یوں تو ہر گھر بنا تھا بقعۂ نور — دل کا روشن مگر مکان نہ تھا
جو ہوا ہو نہ بندۂ مغرب — قوم میں ایسا اک جوان نہ تھا
تھی نہ کس کی زبان طعن دراز؟ — معترض کون بدگمان نہ تھا
جب یہ حالت ہو کہیے پھر سب — اور کیا تھا؟ جو نیم جان نہ تھا

ہم تھے اور یاس و حسرت و حرماں
ہم اور اغیار کی تھی تیغ زباں

پیدا آخر ہوئے نئے ساماں — درد کا اپنے مل گیا درماں
یعنی علم مجسم و عرفاں — ہند میں آیا چھوڑ کر ایراں
کی ہویدا حقیقتِ اسلام — اس نے سمجھائے معنی ایماں
ناطقے بند کر دیے سب کے — کٹ گئی گویا معترض کی زباں
ہو گئے چپ مذاہبِ عالم — سن کے اُسکے دلائل و براہاں
خود پکار اُٹھے فلسفہ سائنس — واقعی ہے کتابِ حق قرآں
فخر کرتے تھے اسپہ فقہ و حدیث — اسپہ تفسیر و ترجمہ نازاں

کون تھا وہ وحید و لاثانی؟
شیخ عبد العلی طہرانی

آہ! وہ شیخ دھوم تھی جس کی — قلزم علم و عقلی و نقلی
آہ! وہ ذات جو تھی جانِ عمل — ناز کرتی تھی جس پہ شرع نبی
وہ سمندر کہ عمق تھا بے تھاہ — وہ سما حد نہ اوج و رفعت کی
علم یہ جسکو اوستاد پڑھیں — معرفت وہ کہ نور کی تجلی
حکمت ایسی کہ بو علی بھی پڑھے — فلسفہ وہ کہ سیکھے فارابی
قوم کو تھا وجود شیخ مفید — گویا زندہ تھے مرتضیٰ و رضی
ہم کہاں وہ ملک نفوس کہاں — دیکھ پائے تھے "مجلسی"۔ "حلی"

آفتابِ الہیات تھا شیخ
قوم و ملت کی کائنات تھا شیخ

واعظوں کا بدل گیا انداز — منشیوں کو سکھا گیا پرواز
بزم میں کر گیا کشش پیدا — نطق حق کا دکھا گیا اعجاز
یوں بیاں کی حقیقت اسلام — گویا چھیڑا نہ تھا کسی نے یہ ساز

جو کہا جب کہا وہ قرآں سے
منکشف کر گیا نکات و راز

مولوی نے اُٹھے وہ طرزِ بیاں
ذاکروں کو ملے پرِ پرواز

گو روایت سے کم تھا استدلال
دل میں تھا پر حدیث کا اعزاز

کر گیا ایک طرزِ نو قائم
حسبِ حالِ زمانہ و ممتاز

بزمِ مذہب میں شمعِ نور جلی
وہ بیاں تھا بیانِ عبدالعلی

ملکِ مذہب کا بادشاہ تھا شیخ
قوم و ملت کا خیر خواہ تھا شیخ

اس سے بچتے نہ تھے حقیقت و مغز
یم شگاف اور کوہ کاہ تھا شیخ

قوم کے حق میں تھا وہ زرہ و سپر
غیر کو تیغِ بے پناہ تھا شیخ

تھا علومِ ائمہ کا عارف
واقفِ رمزِ لاالٰہ تھا شیخ

اس سے ملتی تھی منزلِ مقصود
رہنما و چراغِ راہ تھا شیخ

حیف صد حیف! کہہ رہے ہیں آج
کہنے والے کہ آہ! آہ! تھا شیخ

شیخ منہ ہم سے آہ موڑ گیا!
اور ہمیں بے پناہ چھوڑ گیا!

لٹ گیا آہ! آہ! باغِ علم!
مٹ گیا دہر سے سراغِ علم!

چل بسا ساقیِ مئے عرفاں!
بزم اجڑی لٹا ایاغِ علم!

تیرہ و تار ہو گیا عالم!
مہر ڈوبا! بجھا چراغِ علم!

اٹھ گیا وہ وجود دنیا سے
عرش پر جس سے تھا دماغِ علم!

دل میں سوزش ہے لب پہ دودِ آہ
جل رہا ہے جگر میں داغِ علم!

چھپ گیا آفتابِ فضل و کمال!
حیف گُل ہو گیا چراغِ علم!

شیخ عبدالعلیِ سحر بیاں!

مر گئے بزمِ دیں ہوی سنساں

عارفِ بے مثال تھا نہ رہا
ایک صاحب کمال تھا نہ رہا

صاحب باطن اور روشن دل
ہم میں ایک اہل حال تھا نہ رہا

ہوگئی شمعِ معرفت خاموش
جلوہٗ نورِ آل تھا نہ رہا

اب وہ ذوقِ الٰہیات کہاں؟
شیخ حکمت مقال تھا نہ رہا

ہونگے جادو بیان اور! مگر
وہ جو سحر حلال تھا نہ رہا

کھو گئی لذتِ محبت موت!
عشق و شوق وصال تھا نہ رہا

ہو گیا ختم درسِ روحانی
ہو چکے حل نکاتِ قرآنی

وعظِ علمی سنائے گا اب کون
دل کو مومن بنائے گا اب کون

ہو گئے ہوں جو نوجواں گمراہ
راہ پر اُن کو لائے گا اب کون

ذکر سے مدو جزرِ ملت کے
ہمکو پہروں رولائیگا اب کون

مان لے جو فضیلت اسلام
معترض کو بتائے گا اب کون

ہو رہا ہے جو حملۂ اغیار
اس سے دیں کو بچائیگا اب کون

خانۂ دل ہوا ہے تیرہ و تار
شمعِ عرفاں جلائیگا اب کون

ہو علمدار ملتجی کس سے؟
اُس کے شبہے مٹائیگا اب کون

یہ نہیں چند یوم کا رونا!
عمر بھر کا ہے قوم کا رونا!

تمت

مواعظِ حسنہ

حصّۂ اوّل

موعظۂ اوّل

۲ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال عز من قائلہ " اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (نحل ۱۶ ع)

نئی روشنی اور زمانہ کی موجودہ حالت

اس وقت اسلام دو صورتوں میں جلوہ گر ہے - صورتِ قدیم - صورتِ جدید - صورت جدید - یعنی نئی روشنی - نئی روشنی کے کیا معنی ہیں ؟ ہر ایک چیز کو چھوڑ دینا - آثار و شعائر اسلام علائم اسلامی کو ترک کر دینا - احادیث و اخبار سے کنارہ کش ہو جانا - اسی پر اکتفا نہیں بلکہ یہاں ترقی کر لی ہے کہ کہتے ہیں قرآن کی بھی ترمیم کرنی چاہیے - یہ کتاب جہالِ عرب ہی کے واسطے

تھی اب اس ترقی کے زمانہ میں اس کے قوانین واحکام قابل عمل نہیں ترمیم ہونی ضروری ہے اس روشنی کے زمانہ میں نئے نئے فرقے اور مجددین پیدا ہو رہے ہیں! مثال کے لئے اہل القرآن کو لے لیجئے۔ وہ احادیث واخبار نبوی کے بالکل منکر ہیں!! متابعت پیغمبر کو منع کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو خالص پیرو قرآن کہتے ہیں!!! اور در اصل قرآن کے منکر ہیں۔ قرآن کو اپنی رائے کے مطابق تفسیر کرتے ہیں نہ کہ قرآن کے احکام کی پیروی۔ اس قسم کے فرقے ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہیں اور رواج پاتے ہیں۔ اور پیر اور مقتدی پیدا کر لیتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ علم مفقود ہے اور تحقیق کا مادہ معدوم۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ ان مجددین کے بیانات وکلمات صراحتہً کتاب خدا کے مخالف ہیں نہ صرف جزوی مخالفت۔ بلکہ نصوص ظاہرہ قرآن کے مخالف ہیں مگر لوگ ہیں کہ اُن کے پیرو ہوتے جاتے ہیں نہیں سمجھتے کہ وہ ہمیں کہاں لئے جا رہے ہیں اور کس قعر ضلالت میں پھینک رہے ہیں؛

قرآن اور تبیان

قرآن شریف وہ کتاب ہے۔ جس کی شان میں خداوند تعالیٰ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ فرماتا ہے۔ بیان بھی نہیں۔ تبیان تبیان اور بیان دو چیزیں ہیں۔ بیان صرف اظہار کر دینے کو کہتے ہیں۔ اور تبیان ایسے بیان روشن اور آشکارا کو کہتے ہیں۔ جو قابل قبول ہو سوائے اس منکر اور جاحد کے جو دیدہ و دانستہ انکار کرتا ہے کوئی اس کا انکار نہ کر سکے۔ گویا قرآن مجید ایسا روشن وآشکار ہے کہ قابل انکار ہی نہیں کتاب لَا رَیْبَ فِیْہِ ہے لیکن یہ کتاب نہایت مختصر اور مختلف اجزاء قصص۔ حکایات۔ امثال۔ مواعظ احکام وغیرہا کو شامل ہے پانچسو تیرہ (۵۱۳) آیات احکام کے متعلق ہیں جنمیں سے صرف ایک سو تیرہ (۱۱۳) صریح اور باقی غیر صریح ہیں جن سے صراحتہً احکام مستنبط نہیں ہوتے

مثلاً اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (یعنی کوہِ صفا ومروہ) شعائر الٰہیہ اور اسکی یاد دہندہ نشانیاں ہیں (کہ وہاں اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے) پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ بجالائے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ ان دو نوں پہاڑوں کا طواف کرے اور سعی بجالائے۔ اور جو شخص خیر کو بجالائے خدا اس کا شکر گذار اور اسکو جاننے والا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں لفظ لَا جُنَاحَ حکم ہے اور سعی درمیان صفا و مروہ احکام مناسکِ حج میں داخل ہے حالانکہ ظاہر لفظ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا اسی طرح آیہ مجیدہ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (النساء - ۱۵ ع) میں "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" حکم کے واسطے ہے اور مقام خوف اور سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے۔ مگر آیہ مجیدہ سے صریح معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض احکام بطور اخبار کے وارد ہوئے ہیں جیسا کہ وَ الْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (الخ) میں حکم رضاعت کہ بچہ کو دو سال دودھ پلایا جائے۔ بطور اخبار بیان ہوا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائینگی۔ حکم یا امر بطور انشا نہیں ہے۔ بعض امور لفظ ماضی سے بیان ہوئے ہیں۔ اور مراد مستقبل ہے جیسا کہ اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ " امر خدا آگیا (یعنی آئے گا) غرضکہ ایک سورہ بقرے پانچ سو (۵۰۰) حکم مستنبط ہوتے ہیں اور ایک ایک آیت سے پندرہ پندرہ اور اٹھارہ اٹھارہ حکم نکلتے ہیں بلکہ آیہ شریفہ "ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ" سے آٹھ سو (۸۰۰) حکم اخذ ہوتے ہیں حالانکہ نہایت ہی مختصر آیت ہے صرف دو لفظ ہیں فلاشک ولاریب کلام حمید مجید تبیان کل شئی ہے۔

ہر ایک شے اور ہر ایک امر کا بیان اس میں موجود ہے لیکن جب تک علم قرآن حاصل نہ ہو اس مختصر کتاب سے اس قدر احکام نکالنا محال ہے۔ اور محال در محال ہے کہ ہر کس و ناکس یا عربی داں تمام احکام معلوم کر سکے۔ ہزار کتب منطق و فلسفہ جمع کر لو کچھ فائدہ نہیں ہوگا علم قرآن اور چیز ہے منطق اور فلسفہ اور شے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کتاب پاک میں قیامت تک کے جملہ احکام و ضروریات و ما یحتاج عالم موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ذکر معادن و معدنیات اور ان سے متمتع ہونیکا طریق۔ حرف و صناعات اور ان کو کام میں لانے کا طریقہ۔ اور کمالِ اعجاز یہ ہے کہ تمام احکام معادن و معدنیات وغیرہ کو ایک مختصر سی آیت میں ظاہر فرما دیا ہے فرمایا ہے "خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" یعنی جو کچھ زمین میں ہے۔ سب تمہارے انتفاع کے لئے خدا نے پیدا کیا ہے۔ بعض قسم کے انتفاعات نباتات سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور بعض حیوانات سے۔ اور بعض جمادات و معدنیات سے۔ اور جب ہر ایک شے ہمارے واسطے ہمارے انتفاع کے لئے خلق فرمائی ہے تو ضروری و لازمی ہے کہ اُن سے منتفع ہونے کا علم اور طریقہ بھی عطا ہوا ہو کہ ہم نباتات سے کس طرح متمتع ہوں۔ حیوانات سے کیونکر مستفید ہوں۔ اور معدنیات سے کس طرح نفع اُٹھائیں۔ دریاؤں کو کیسے کام میں لائیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر اُن سے منتفع ہونے کا علم نہیں دیا۔ تو یہ دعوےٰ غلط ہوگا۔ اور احسان جتانا عبث پس ضرور ان سے متمتع اور منتفع ہونے کا علم عطا کیا ہے۔ بلکہ ان کی خلقت سے پہلے علم عطا کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اللہ نے حضرت آدمؑ کو تمام اسماء کا علم سکھایا۔ اور اُن اسماء کو ان کی ذریت کی پشتوں میں ودیعت فرمایا اور اُن کے نطفوں میں بالفطرۃ پیدا کیا۔ اس لئے اب جو کوئی شے

ایجاد ہوتی ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ وہ تمام پہلے سے نطفِ انسانی میں موجود تھا اور حضرت آدم کو سکھلایا گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ خلقتِ انسانی کے ساتھ ہی اسکو بیان اور قوۃ اظہار ما فی الضمیر عطا ہوئی ہے۔ لاکن یہ بیانِ ناقص انسانوں میں ناقص ہے۔ اور کامل میں کامل اور اکمل میں اکمل۔ پس بیان کامل و اکمل وجودِ اقدسِ ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ہے۔ جو افضلُ الموجودات و اکمل المکونات و اول صادر از مصدر ہیں۔ پس ضرور ہے کہ علم جمیع موجودات وحرف وصنائع و اسمار و مسمیات و اسباب و ذرائعِ انتفاع اور ان کا بیان وجودِ پیغمبر میں ہو اور حدیث شریف انا مدینة العلم سے یہ مطلب خوب واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مدینہ اور شہر اسکو کہتے ہیں جسمیں جملہ ضروریات اہل شہر دینی نوعِ انسان موجود ہوں اور آسانی سے مہیا ہو سکتی ہوں اور علیؑ بابہا سے ظاہر ہے۔ کہ اظہار اور بیانِ تفصیلی اس شہر علم الٰہی کے علیؑ ابن ابی طالب وصی رسولؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ کیونکہ آپ بھی آنحضرتؐ کی طرح انسان کامل واکمل ہیں " والانسان الکامل ہو المظہر الجامع لجمیع صفات کمالیة"۔ "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" اس حدیث کا مدرک ہے۔ تفصیل اسکی دوسرے مقام پر آئے گی؛

قصص وحکایات کلام مجید میں اس کثرت سے ہیں کہ کوئی سورہ اُن سے خالی نہیں ہے صراحتہً۔ اشارۃً۔ کنایتہً ہر ایک سورہ میں قصہ موجود ہے۔ اور سورہ یوسف تو تمام کی تمام قصہ ہی ہے۔ حتیٰ کہ سورہ اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ جیسی مختصر سورت میں بھی ایک قصے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ان قصص میں بہت بڑی حکمت و مصلحت ہے اور بعض احکام قصص ہی سے ماخوذ ہیں۔ اور ان قصص کے واسطے اسقدر تاکید ہو کہ پیغمبرؐ کو حکم تھا۔ اور مامور تھے من جانب اللہ کہ اُن کو بیان کریں فقال عزمن قائلہ

اُتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ انہیں سنا دو" وَقَالَ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْ اٰتَيْنَاهُ اٰيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (اعراف ۲۰ ع) **ترجمہ** اے رسول تو اُن لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا جس کو ہم نے آیتیں عطا کی تھیں پھر وہ اُن سے نکل گیا اور جدا ہو گیا تو شیطان نے اُسکا پیچھا کیا اور آخر کار وہ گمراہ ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی بدولت اسکو بلند مرتبہ بنا دیتے مگر وہ تو خود ہی پستی کی طرف مائل ہو گیا اور جب دنیا اسپر غالب آگئی اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہو گیا تو اسکی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اگر دھتکارو تو بھی بھونکے اور اگر چھوڑ دو تو بھی بھونکے - یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

اے رسول یہ قصے ان لوگوں سے بیان کر دے تاکہ یہ اُن میں غور کریں اور عبرت حاصل کریں۔ "وَقَالَ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ مَا اُوْحِیَ عَلَيْكَ (الخ)" یعنی جو کچھ تجھ کو وحی کی گئی ہے سب کو تلاوت کر دے۔ ان قصص کی تلاوت کو پیغمبر پر واجب کیا ہے۔ کہ پڑھے۔ اور لوگوں کو سنائے ان قصص سے احکام کا نکالنا بہت دشوار کام ہے؛

قصصِ قرآنی اور اُنکی علّت و مصلحت

یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن جو معجزۂ باقیہ اور حجۃ دائمہ ہے۔ بطور قصص کیوں نازل ہوا ہے؟ اور اس قدر قصص کیوں وارد ہوئے ہیں؟ کہ قریب دو تہائی قرآن قصص سے پُر ہے۔ علّت یہ ہے کہ طریق دعوت و ہدایت یہ ہے جس کی بابت خدا فرماتا ہے "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (الخ)" حکمت و دانائی کے ساتھ لوگوں کو دین کی دعوت دی جائے اور حکمت دو قسم پر ہے حکمت علمی۔ اور حکمت عملی

وفعلی - اور یہ امر بدیہیات سے ہے کہ ہر ایک جنس اپنی جنس سے مانوس اور مالوف ہوتی ہے - اور اپنی جنس کے حالات وحکایات سے زیادہ متاثر ہوتی ہے - اسی طرح انسان اپنے ہم مثل اور اپنی نوع سے مانوس اور ان کی طرف مائل ہوتا ہے اور اُس کے حالات سے متاثر ہوتا ہے - قصص وحکایات وامثال سے عبرت حاصل ہوتی ہے - یہ وجہ ہے کہ قصوں کو موجبِ "تذکر" قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آیاتِ مذکورہ میں "فاقصص القصص لعلھم یتفکرون" سے صاف ظاہر ہے اور نیز فرمایا ہے وَذَکِّرْھُمْ بِاَیَّامِ اللّٰہِ یعنی ایامِ خدا انہیں یاد دلا تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ یہ ایام ہیں کہ ہم انہیں لوگوں میں گردش دیتے ہیں - اور ایام خدا سے وہ ایام خاص مراد ہیں - جن میں آثار الٰہی خاص طور پر ظاہر ہوئے ہیں - پس اول شے ہدایت کے لئے عبرت ہی اور وہ قصص سے حاصل ہوتی ہے - بعد ازاں احکام وتکالیف مثل روزہ ونماز وغیرہما کا قبول کرنا آسان ہوتا ہے - اسی واسطے ان تمام امور میں سے جن کے بیان کرنے پر پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے - اعظم تر قصص کا بیان ہے - تاکہ تاریخی حوادث وواقعات کی حسی مثالیں لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوں - اسی سبب سے مذاہب وامم گزشتہ کے قصص کو بیان کیا گیا ہے کہ دین عبرت سے ثابت ومستحکم ہوتا ہے - لہذا تجربیات تاریخی کا بیان کرنا تمام باتوں سے ضروری ہے - اس زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ گذشتہ امتوں کے تاریخی واقعات سے احکام وعلوم استنباط کرتے ہیں اور جس طرح سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امم گزشتہ کے قصے بیان کرنے پر مامور تھے - اسی طرح ہم بھی مامور ہیں کہ اُممِ آخرین کے قصص اور واقعات کو بیان کریں اور اُن سے عبرت حاصل کریں کیونکہ قرآن میں وہ قصے بھی موجود ہیں - اور اس امتِ محمدی میں بھی مثل اُممِ سابقہ قصص وارد ہوئے ہیں - اور اُن قصص میں کوئی قصہ قصۂ روزِ عاشورہ اور کوئی واقعہ واقعۂ کرب وبلا سے بالاتر نہیں ہی جو لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا باعث ہو جس کی

مثال ونظیر نہ گذشتہ واقعات میں ملتی ہے۔ اور نہ آیندہ میں۔ واقعہ جس قدر عظیم ہوگا اسی قدر زیادہ باعث عبرت ہوگا :

سب سے اول قصۂ حضرت آدمؑ اور شیطان ہے اور یہ قصہ خارجی ہے۔ کہ ایک غیر جنس سے حضرت آدمؑ کے ساتھ واقع ہوا۔ اور شیطان کے تکبر کا یہ نتیجہ ہوا۔ اور غرض اُسکے بیان سے یہی ہے کہ بنی آدمؑ متنبہ ہوں اور عبرت حاصل کریں :

آدم کے بیٹوں کی قربانیاں

بعد ازاں قصہ داخلی ہے۔ یعنی خود حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا ہے فقال عزّ وجلّ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ سنا دو ان کو آدمؑ کے دونوں بیٹوں کی سچی خبر کہ جب دونوں اپنی اپنی قربانی لیکر گئے۔ تو ایک کی قبول کی اور دوسرے کی اللہ نے قبول نہ کی تو اُس نے حسد سے کہا کہ میں تجھے قتل کردونگا اور اس نے جواب دیا۔ کہ خدا تو صرف متقی اور پرہیزگاروں سے قبول کرتا۔ قربانی سے گوسفند وغیرہ حیوان کی قربانی ہی مراد نہیں ہے بلکہ ما یتقرب الی اللہ یعنی وہ چیز جو موجب تقرب خدا ہو مراد اور مقصود ہے اور قابیل از قسم زراعت کچھ لے کر گیا تھا اور ہابیل گوسفند لے گئے تھے۔ پس ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی نہوئی۔ اور اس سے قابیل کو حسد پیدا ہوا اور اپنے حقیقی بھائی کو قتل کردیا الخ۔

اسی طرح **بلعم باعور** کا قصہ ہے جس کی طرف حق سبحانہ تعالیٰ نے آیہ مذکورہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا (الخ) میں اشارہ کیا ہے یہ شخص بنی اسرائیل میں نہایت عابد و زاہد تھا اور اس کے زہد و تقوے کی یہ حالت تھی۔ کہ دعا اسکی مستجاب تھی۔ مگر حرص و طمع مال دنیوی نے اُسے ایسا گمراہ کیا کہ مخالفین جناب موسیٰؑ سے اشرفیاں لے کر اُن کے اصحاب کے لئے بددعا کی۔ بنی اسرائیل چالیس

سال تک میدانِ تیہ میں بھٹکتے پھرے (افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بلا اشرفی و روپے کے ہی دین کو ہاتھ سے دیدیتے ہیں)۔

سب سے زیادہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے قصص مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ ولادتِ باسعادت سے لے کر آخر عمر تک کے قصص موجود ہیں۔ قصہ حضرت ابراہیمؑ بھی نہایت عبرت خیز ہے کہ راہِ خدا میں قربان کرنے کے لئے کس طرح سے اپنے بیٹے جناب اسمٰعیلؑ کو پیش کر دیا۔

مسلمان اور واقعۂ کربلا حسینی دعوا اور اصحابِ حسینؑ

مگر روزِ عاشورا کے واقعۂ ہائلہ میں تمام واقعات سابقہ کی مثالیں اور نظیریں موجود ہیں بلکہ ایک امر زیادہ ہے وہ یہ ہے۔ کہ انبیائے سابقین کے ابتلاآت و تکالیف کفار و مشرکین کے مقابلے میں تھیں۔ اور یہاں کرب و بلا کی ابتلا داخلی ہے یعنی ان مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے جو در باطن مشرک تھے وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون اور اسی فسادِ باطنی نے امّتِ محمدی کو پریشان و متفرق کیا ہے اور آج جو مسلمانوں میں یہ اختلاف نظر آرہا ہے۔ جس نے اسلام کو برباد کر دیا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ اور خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کی کرتوت ہے۔ منافقین اسلام نے اسلام کی بیخکنی کی۔ کیونکہ لوگ انہیں مسلمان سمجھ کر اُن پر اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے اور جو کچھ وہ کرتے اس میں انکی پیروی کرنے لگے تھے اور ظاہر ہے کہ فسادِ داخلی فسادِ خارجی سے بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔ روزِ عاشورا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حکمتِ علمی و عملی دونوں سے دعوتِ ایمانی دی ہے۔ نہ دعوت اسلامی۔ پیغمبر دعوتِ اسلام دیتے تھے اور جو شخص صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا داخل اسلام ہوجاتا اور جان و مال اس کا مصئون اور محفوظ۔ خواہ ابھی دل میں ایمان مستحکم نہ ہوا ہو کیونکہ ابتدائی دعوت تھی اور ابتدائی تبلیغ میں حضرت صرف یہی فرماتے تھے

تولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا اور یہی وجہ تھی کہ اکثر اصحاب پیغمبر با وجود وعدۂ نصرت و فتح لڑائیوں سے بھاگ جاتے تھے۔ لیکن امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو بلاتے تھے اور دعوت دیتے تھے۔ موت اور فنا ہونے کی دعوت دیتے تھے کہ جسکو قتل ہونا ہے وہ میرے ساتھ آئے۔ مسلمانوں کو دعوت ایمانی تھی کیونکہ ایمان کی یہی نشانی ہے ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم باموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون (الخ) اور حضرتؑ کے ساتھ وہی لوگ ہوئے جن کے دلوں میں نورِ ایمان نہایت درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اور خوشی سے راہ خدا میں حسینؑ فرزند رسول الثقلینؐ کے قدموں پر ہزار بار سر نثار کرنے کو تیار رہتے تھے ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا اور یہ چند نفوس ہزاروں کے مقابلہ میں ایسے لڑے کہ بھاگنا تو درکنار کسی نے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔ یہ دعوت دعوتِ پیغمبرؐ کا عکس تھی۔ اور اس سے اعظم تر۔ پس اس واقعہ کا ذکر و تذکرہ تمام قصص سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے۔ بحکم خدا حضرت ابراہیمؑ راہِ خدا میں اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کے لئے صدقِ دل سے تیار ہو گئے تھے۔ اور انہیں خبر نہیں تھی کہ عوض میں فدیہ آجائے گا اور اسمٰعیلؑ بچ جائے گا۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے خلیل خاص کا اس عظمت سے ذکر کیا ہے۔ لیکن ابراہیم کربلا نے ایک اسمٰعیلؑ نہیں قربان کیا بلکہ علاوہ اصحاب و انصار و احباب اٹھارہ بنی فاطمہؑ کو جن کا روئے زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھا راہ خدا میں لڑنے کو خوشی سے بھیجا اور امام حسین علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا سب کے سب بھوکے پیاسے نہایت سختی اور بے رحمی سے ذبح کئے جائیں گے الخ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

موعظۂ دوم

۲ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال عزمن قائلہ یوم ندعوا کل اناس بامامھم (بنی اسرائیل ع ۸)

ضرورتِ امام

بدیہی وضروری ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہر گھر میں ایک شخص بڑا ہوتا ہے جو اس گھر کا منتظم کہلاتا ہے وہ گھر کا انتظام درست رکھتا ہے ہر شخص اسکی بات کو مانتا ہے اور وہ ہر ایک کے حق کا خیال رکھتا ہے ہر آدمی اسکی اطاعت کرتا ہے - اور مثل مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی بڑا نہو اسکا انتظام درست نہیں ہوتا - ہر ایک فرد اس گھر کا خود رائے ہوتا ہے اور فتنہ و فسادات برپا رہتے ہیں - اسی طرح اگر وہ منتظم موجود ہو مگر افراد خانہ اسکی اطاعت نہ کریں اور بات نہ مانیں یا وہ سب کے حقوق کی مساوی رعایت نرکھے تب بھی انتظام خانہ داری درست نہیں رہتا - اس سے اوپر ترقی کرکے ہر ایک محلہ میں ایک میر محلہ ہوتا ہے - جو اپنے محلہ کی تمام جزوی ضروریات کا لحاظ رکھتا ہے اور محلہ کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت کرتا ہے - جزوی معاملات و نزاعات میں لوگ اسکی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ اُن کا فیصلہ کرتا ہے - اس صورت سے اُنکے بہت سے معاملاتِ مُشترکہ بلا کسی فساد عظیم و حرج و مرج و نقصان جان و مال کے طے ہوجاتے ہیں - بخلاف اُس کے جہاں ایسا شخص موجود نہو - وہاں تمام امور درہم و برہم ہوجاتے ہیں - پھر اوپر چل کر اسی طرح ہر گاؤں میں ایک مقدم کی ضرورت ہے - جو اسی طرح گاؤں والوں کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت رکھے اور ان کے جزوی معاملات و نزاعات کا فیصلہ کرے وعلیٰ ہذا القیاس ہر شہر میں ایک

ایسے شخص کی ضرورت ہے۔ جو شہر کا انتظام کرے اور اپنے معاملات و نزاعات میں لوگ اسکی طرف رجوع کریں اور وہ انکو رفع کرے اسی اصول پر بوجہ احتیاج اجتماع نوعی ضرورت ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا شخص ہو۔ جو سارے ملک کا نظم ونسق درست رکھے اور تمام نوعی وشخصی وملکی نزاعات میں لوگ اسکی طرف رجوع کریں۔ اور باقی تمام منتظمین اس کے تحت حکم ہوں۔ وہ ہر شخص کے حق کی رعایت کرے مظلوم کا ظالم سے بدلہ لے ہر ایک حقدار کو اسکا حق دلوائے جب قوم یا ملک میں ایسا شخص موجود نہو۔ وہ کبھی تہذیب یافتہ نہیں ہوسکتی اور متمدن اقوام میں شمار ہونے کی ہرگز مستحق نہیں بلکہ روزمرہ کے فسادات اور خانہ جنگیوں سے برباد رہے گی۔ بے سری قوم جس کے سر پر کوئی حاکم منتظم نہ ہو۔ کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ ہر شخص صاحب حاجت اور محتاج ہے اور ہر ایک اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کی طبیعت میں حرص وطمع داخل ہے۔ اور منشا اُن کا اپنی ضروریات واقعیہ سے زیادہ لینا ہے جب یہ حرص وطمع انسان پر غالب آجاتے ہیں تو وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے۔ اور ان کے ظلم وجور پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ دوسرے انسانوں میں بھی احتیاج موجود ہے پس وہ اپنی ضرورت پوری کرنی چاہتا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ اس کا حق دوسرا لے لے۔ لہذا دفاع پر آمادہ ہوتا ہے اور فساد ونزاع قائم ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ بے انتہا کشت وخون تک منتہی ہوتا ہے انہیں فسادات ونزاعات کے رفع کرنے کے لئے اس منتظم ومدبر کی ضرورت ہے کہ وہ ان کے واسطے ایک قانون مرتب کردے جس کی رو سے کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کرسکے اور حقدار کو اسکا حق پہنچ جائے اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرے اسکو وہ مدبر و منتظم سزا دے ؀

لیکن چونکہ تمام نوع انسان احتیاج وحرص وہوا میں مشترک ہیں اس واسطے اگر وہ منتظم و مدبر بھی عام لوگوں کی طرح کا ان ہی میں سے ایک شخص اُنہی جیسا محتاج وہوا ہوس کا پتلا ہو تو یہ نظام درست نہیں رہ سکتا اور اگر یہ قانون انہی لوگوں کا بنایا ہوا ہو یا ایسے ہی منتظم و مدبر کا مرتب کیا ہوا ہو تو وہ کامل قانون نہ ہوگا جس میں ہر شخص کے حق کی پوری رعایت رکھی گئی ہو - اور جمیع ضروریات شخصی ونوعی کو ملحوظ رکھا گیا ہو - پس ایسا قانون نہیں بنا سکتا - مگر وہ جو اُن کا خالق وصانع ہے اور ہر ایک کی ضروریات کا بالذات عالم - یعنی اگر یہ قانون قانون الٰہی نہ ہوگا تو کبھی کامل قانون مبنی بر عدل وانصاف نہ ہوگا اسیطرح اس قانون کا جاری کرنے والا اور اسکو نافذ کرنیوالا اور اسکے ذریعہ سے متخاصمین سے نزاع کو رفع کرنیوالا بھی ایسا ہی شخص ہونا چاہیئے جو عام لوگوں سے خارج ہو مثل اُنکے محتاج وحریص نہو ورنہ نزاعات وفسادات قائم وثابت رہیں گے

لہذا اس سلسلۂ انتظام عالم میں ضرور ہے کہ ایک شخص ایسا موجود ہو جو حقوق افراد انسانی کی حفاظت کرے اور ہر ایک حقدار کو اسکا حق پہنچائے - اور مثل دیگر افراد محتاج نہو - ورنہ وہ اغنیاء کی رعایت کرے گا - خالق عالم واجب الوجود غنی مطلق ہے ہر ایک قسم کی احتیاج سے ارفع واعلےٰ ہے - پس چاہیئے کہ وہ شخص واجب الوجود سے دوسرے درجہ پر غنی ہو - سوائے واجب الوجود کے اور کسی کی احتیاج نہ رکھتا ہو:

محافظ وحاکم دو طرح کے ہیں ایک ظاہری محض اور وہ بادشاہ ہے - بادشاہ اگر اپنی رائے سے اور اپنی طرف سے حکم کرے - تو وہ حکم مبنی بر عدل نہو گا - کیونکہ خواہش نفسانی واحتیاج سے وہ خالی نہیں ہے اور اگر از روئے عدالت حکم کرے تو بھی من حیث المجموع جامع جمیع ضروریات شخصی ونوعی نہ ہوگا اور عدل وانصاف مطلق پر مبنی اور حق وباطل میں فارق نہو گا دوم ظاہری وباطنی اور وہ نبی وامام ہے

اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ جزئی و کلی۔ قسم اول کی طرف خداوند عالم آیۂ مجیدہ میں ارشاد فرماتا ہے وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ یعنی ہم نے داؤد کو حکم اور وہ کلام عطا کیا ہے۔ جو حق و باطل میں فارق و فاصل ہے۔ پس حکم صحیح وہ ہی ہے جو حکم الٰہی کے مطابق ہو ورنہ غلط و باطل۔ اور جو اس حکم کے ادا کرنے میں تاہل اور کوتاہی کرے وہ عند اللہ مسئول و ماخوذ ہے۔ چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے ولنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین یعنی جن کو ہم نے اپنے احکام و اوامر و نواہی کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم ان سے دریافت کرینگے۔ کہ اُنھوں نے ہمارا حکم پہنچایا یا نہیں اور نیز جن کی طرف وہ بھیجے گئے۔ اُن سے بھی دریافت کرینگے کہ اُنھوں نے ہمارے احکام پر عمل کیا یا نہیں:۔

امامت دراصل دو طرح کی ہے ایک امامت صغرےٰ اور صاحب امامتِ صغرےٰ دو ہیں۔ امام جمعہ و جماعت۔ و امام فتوےٰ۔ حشر و حساب کا تعلق امام فتوے سے ہے نہ امام جماعت سے۔ اگر فتوے امامِ فتوے (مفتی و مجتہد) موافق و مطابق حکم امام صاحب امامتِ کبرےٰ ہے۔ تو یہ فتوےٰ دراصل فتوے امام مفترض الطاعت ہے اور مفتی مستحق ثواب اور عمل کرنے والے ناجی اور رستگار۔ اور اگر فتوےٰ خلافِ حکم امام اصل ہے تو مفتی اور اسکے پیرو ایک علیحدہ جماعت ہے۔ اور اُن کا حشر اسی مفتی کے ساتھ ہوگا ویوم ندعوا کل اناس بامامھم دوئم امامتِ کبرےٰ اور وہ پیشوائی دین ہے۔ اور امام صاحبِ امامتِ کبرےٰ وجہ اللہ و ید اللہ و مفترض الطاعۃ ہے اور یہی امام اصل و امامِ عدل ہے اور یہی اصل صاحبِ حکم ہے اور بضرورتِ وجودِ امام پردہ دلائل عقلی و نقلی قائم ہیں۔ جو ضرورت نبوت پر دال ہیں اور یہ امامت و نبوت ایک ہی سلسلہ ہے جیسا کہ ثابت ہوگا اور یہی امامتِ کبریٰ منقسم ہوتی ہے۔ امامتِ جزئی و کلی کی طرف جسکی قسم اوّل یعنی امامت جزئی کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ صاحب درِّ مختار

امامت کے متعلق لکھتے ہیں کہ امامت دو قسم پر ہے - امامت صغریٰ و امامت کبریٰ
اور امامت کبریٰ رکن اعظم دین ہے اسی واسطے اس امام کے تقرر کو مسلمانوں نے دفن و
کفن پیغمبر صاحب معجزات و صاحب شریعت پر مقدم رکھا - قسم دوم امامت کبریٰ یعنی
امامت مطلقہ کا سلسلہ حضرت ابراہیم سے شروع ہوا "فقال عزوجل اِنّیِ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ
اِمَامًا" اور حضرت مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ پر ختم ہوتا ہے -
اختیار مذہب و جملہ معتقدات نجات کے واسطے ہیں اور نجات موقوف ہے معرفت
امام پر - اگر کوئی شخص روزے نماز کا پابند ہو اور اعمال خیر بجا لاتا ہو - مگر امام مفترض
الطاعت کو نہیں پہچانتا کہ وہ کون ہے تو وہ جہنمی ہے - ہر ایک فعل مثل روزہ اور نماز
اس کے لیے ایک درجہ جہنم کا کھولتا ہے - چنانچہ آیات ذیل اس پر شاہد ہیں قال
عزوجل عَامِلَۃٌ نَاصِبَۃٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَہ یعنی بعض نفوس ایسے ہیں جو نہایت محنت و
شقت سے اعمال بجا لاتے ہیں - مگر وہی اعمال ان کے لیے آتش جہنم بنتے جاتے ہیں
وقال عزوجل قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ
الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ
وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا" یعنی کہدو اے پیغمبر
کہ ہم تم کو خبر دیدیں ان لوگوں کی جو از روے اعمال نہایت ہی خسارے میں ہیں
ان کی تمام کوشش زندگی دنیا ہی میں ضائع ہوگئی اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ وہ
نیک کام کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آیات الٰہی اور حشر و نشر اور حساب و
کتاب کا انکار کیا پس ان کے سب اعمال حبط و ضائع ہو گئے اور روز قیامت ہم
ان کے لیے کوئی وزن قرار نہ دیں گے اور وہ کسی شمار میں نہ ہونگے -
امامت نفس نبوت ہے - بلکہ غایت مقصود نبوت اور معرفت امام معرفت خدا ہے
قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً

اَلْجَاهِلِیَّةِ۔ جس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا اور مر گیا۔ وہ جاہلیت کی موت۔ شرک کافر یا منافق مرا۔ بلا معرفت نہ توحید صحیح ہے۔ نہ اعتقادِ نبوت۔ اور اسی وجہ سے ایک شخص اپنا کوئی پیشوا (امام) رکھتا ہے اور پیشوا دو قسم کے ہیں۔ پیشوائے حق اور پیشوائے باطل ؏

امامِ حق و امامِ باطل

چنانچہ قرآن شریف میں خداوند عالم نے دو قسم کے اماموں کا ذکر کیا ہے ایک تو وہ امام ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور وہ وہی لوگ ہیں جو بحکم خدا دعوت نہیں دیتے بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں اور بندگانِ خدا کو گمراہ کرتے ہیں، چنانچہ فرماتا ہے "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ" یعنی وہ ایسے امام ہیں جو بامر خداوند عالم لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں ہر وقت تابع مشیت الٰہی ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے اور وہی راہ مستقیم دکھلانے والے اور اصل مقصد پر پہنچانے والے اور خدا سے ملانے والے ہیں جن کی بابت ارشاد فرماتا ہے "وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا" یعنی ہم نے ان کو امام بنایا ہے۔ جبکہ صبر ان سے ثابت ہوا۔ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں "وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ" اور ہم نے اُن میں سے امام بنائے ہیں۔ جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے انکو

نوٹ اگرچہ لفظ جعل دونوں مقاموں پر آیا ہے۔ یعنی آئمہ باطل و آئمہ حق دونوں کے ساتھ۔ لیکن اول میں جعل جعل ثانوی ہے۔ اور ان کو آئمہ ضلال بنایا جانا ان کے افعال باطلہ اور ہدایت نہ پانے اور آیات میں تدبر نہ کرنے۔ اور خواہشاتِ نفسانی میں منہمک ہو جانے اور لوگوں کو بہکانے اور اپنی طرف بلانے کا نتیجہ ہے کہ وہ پیشوائے باطل و داعیان نار قرار پائے۔ اور دوسرے روز ازل سے ائمہ ہدایت بنائے گئے ہیں یعنی امامت حقہ کے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ بجعل اولی نہ بجعل ثانوی فتدبر ؏ (مؤلف)

جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور دو امام ہیں

فعل خیرات اور اقامۃ الصلوٰۃ وایتاء زکواۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔ اس آیت کی رو سے وحی شرط امامت ہے اور ہر فعل امام وقول امام تحت وحی الٰہی ہوتا ہے؛

پس ان دونوں قسم کے اماموں میں فرق وامتیاز ضروری ہے کہ بہشت میں پہنچانے والا امام کون ہے اور دوزخ میں ڈالنے والا کون ؟

ظاہر ہے کہ اس لفظ امام سے امام جمعہ وجماعت۔ یا امام فتوے مراد نہیں ہے بلکہ امام اصل مفترض الطاعت مراد ہے۔ جو حکم خدا لوگوں تک پہنچائے اور موافق امر الٰہی بندگان خدا کو ہدایت کرے؛

امام کی شناخت کیونکر ہوسکتی ہے؟

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ کہ آیا امام کی شناخت کتب احادیث وغیرہ سے ہوسکتی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنی کتب سے اپنے امام کی صداقت ثابت کرتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے برخلاف ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ کتب احادیث کذب وجعل سے خالی نہیں ہیں اور یہ امر آیت قرآن سے ثابت ہے کہ محافظ تورات اور اس سے حکم کرنیوالے انبیاء تھے۔ جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَ الرَّبَّانِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ الخ (مائدہ ع ۷) یعنی ہمنے تورات کو نازل کیا ہے اور اس میں ہدایت اور نور ہے حکم کرتے ہیں اُس سے یہود کو انبیاء جو اسلام لائے ہیں۔ اور مطیع ومنقاد مطلق خداوند عالم ہیں اور نیز خداپرست اور صاحبان علوم کیونکہ وہ کتاب اللہ کے مستحفظ اور اس پر شہید تھے (الخ) باوجود اس کے بھی یہود نے تورات میں وہ چیزیں داخل کردی ہیں۔ کہ پناہ بخدا۔ ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے موجودہ تورات میں لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت لوطؑ کی دونوں بیٹیوں نے چاہا

کہ باپ کے ساتھ خلوت کریں تاکہ اولاد پیدا ہو۔ پس اُن کو شراب پلائی اور شب کو ایک
اُن کے ہمراہ سوئی دوسری شب دیگر اور اُن سے حاملہ ہوئیں۔ اور انہیں سے اُنکی
نسل چلی۔ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (معاذ اللہ) ماں کی طرف سے انہیں کی نسل سے ہیں
لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ پس جب ان کتابوں میں جن کے محافظ انبیاء رہی۔ منافقین نے
ایسے ایسے بہتان اور لغو باتیں داخل کردیں۔ تو کیا حال ہوگا۔ ان کتب احادیث کا جن
کو ہر قسم کے فُجّار و فُسّاق نے جمع و مرتب کیا ہے جو لوگ محض ایک شخص کی سبزی فروخت
کرانے کے لیئے حدیث وضع کرلیں۔ ان کی احادیث اور ان کی کتب پر کیونکر اعتماد ہوسکتا
ہے ہر شخص نے اپنے مطلب و مقصد ثابت کرنے کے لیئے ایک حدیث اختراع کرلی
ہے۔ لہذا ان کتب سے امامت کا فیصلہ ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں اگر شیعہ اپنی کتب سے
احادیث پیش کردیں تو سُنّی انکار کرتے ہیں۔ اور اگر سُنّی پیش کریں۔ تو شیعوں کے نزدیک
وہ مردود ہے۔ پس ایسی صورت میں اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جو متفق علیہ
امت ہے۔ یعنی کلام حمید مجید جس کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ
مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (انعام ع ۲۰) یہی کتاب مبارک ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اسکی تم
پیروی کرو۔ لیکن جب قرآن شریف کے ترجموں اور تفاسیر کو دیکھا جاتا ہے
تو ایک آیت کی تفسیر میں بائیس بائیس قول اور رائیں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک
دوسرے کے خلاف۔ حالانکہ یہ امر مسلم ہے۔ کہ کلام کرنیوالا صرف ایک مطلب کو مدنظر
رکھ کر گفتگو کرتا ہے۔ اور الفاظ میں اسکو ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ سننے والے اس سے آگاہ
ہوں۔ پس لابُد خلّاقِ عالم نے اپنے کلام میں ہر ایک آیت میں ایک مطلب خاص کو ملحوظ
رکھا ہے۔ جو اپنے بندوں کو پہنچانا چاہتا ہے۔ لہذا حقیقت واقعیہ ایک ہے۔ نہ کہ بائیس
بائیس مختلف مطالب اسی وجہ سے ہر ایک امر میں اختلاف ہے۔ مثلاً وضو شرط نماز ہے
اور آیہ وضو نہایت واضح ہے۔ مگر اس میں بھی اختلاف موجود ہے۔ اور علماء کی تحقیق یہ ہے

کہ آیہ وضو میں ایکسو متشابہ ہیں - حالانکہ ظاہرآیت حقیقتِ وضو پر بالصراحت دال ہے جب کلامِ حمید مجید کے ترجموں اور تفاسیر کا یہ حال ہے تو اس سے از خود کوئی مطلب کیونکر ثابت کر سکتے ہیں:۔

مسلم ہے کہ کلام مجید کمال درجہ مختصر ہے اور پھر دعوے یہ ہے کہ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ہر ایک خشک و تر کا بیان کتابِ مبین میں موجود ہے حالانکہ بظاہر قرآن کا بہت بڑا حصہ قصص و حکایات سے پُر ہے کوئی صورت قصے سے خالی نہیں سوائے سورہ اخلاص کے مگر تمثیل اس میں بھی موجود ہے - جو تشحیذِ اذہان کے لئے نہایت مفید ہے اور مطلب خوب سمجھاتی ہے:۔

توراۃ بصورت معجزہ نازل نہیں ہوئی اور نہ اس سے تحدی کی گئی ہے مگر اس سے حکم کرنے اور احکام بیان کرنے کے لئے انبیاء مقرر کئے گئے تھے - پس وہ کتاب جو معجزہ ہو - اور بطور تحدی نازل کی گئی ہو اُس سے عوام یا خواص کیونکر احکام نکال سکتے ہیں اور اُسکے ذریعہ سے حکم کر سکتے ہیں حقیقت معجزہ کو سوائے معجز نما اور کوئی نہیں جان سکتا - پس لازم ہے کہ جسپر یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ خود احکام کو بیان کرے - یا وہ شخص جو نفس پیغمبر ہو اور درجہ نبوت کی صلاحیت رکھتا ہو:۔

زمانہ پیغمبر صلے اللہ علیہ والہ وسلم میں کوئی اختلاف نہ تھا کیونکہ حضرت ختمی مرتبت ہر ایک اختلاف کو قرآن مجید فرقان حمید سے رفع فرما دیتے تھے اور قرآن مجید رفع اختلاف ہی کے لئے آیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوا ہے "وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" (نحل ع) یعنی نہیں نازل کیا ہمنے کتاب کو تجھ پر مگر اس لئے کہ تو بیان کردے ان سے وہ باتیں جنمیں وہ اختلاف رکھتے ہیں - اور یہ رفع اختلاف و ہدایت رحمت ہے اہل ایمان کے لئے - پس پیغمبر اسی قرآن سے اختلاف کو رفع فرماتے تھے -

لیکن اب اگرچہ وہی قرآن موجود ہے۔ مگر اختلاف روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے مدعیان قرآن فہمی واہل الذکر واہل القران موجود ہیں اس سے معلوم ہوا۔ کہ علماء اختلاف کو رفع نہیں کر سکتے۔ اور اگر کر سکتے تو یہ اختلاف کیوں ہوتا۔ ذکر کیا گیا۔ کہ حقیقت واقعیہ ایک ہے اور مقصود خداوند عالم واحد۔ پس اگر لوگ حقیقت قرآن کو سمجھ سکتے اور اصل مقصود معلوم کر سکتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔ اور ایک ایک آیت سے بیس بیس مختلف ومتضاد مطالب بیان نہ کئے جاتے۔ علماء حقیقت قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ پس ضروری ہوا کہ بعد پیغمبر بھی مثل پیغمبر مبین قرآن موجود ہو جو اختلافات کو رفع کرے اور اصل حکم خداوندگان خدا کو پہنچائے اور وہ شخص سوائے خصائص خاصہ نبوت (مثل نو بیبیاں وغیرہ رکھنا جو قرآن شریف میں خاص ذات قدسی صفات حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہیں۔ باقی تمام صفات وکمالات میں مثل پیغمبر ہو۔ قرآن فہمی کے لئے مبین قرآن کی ضرورت ہی بلا اس کے بیان کے صحیح حکم قرآن سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور نفس پیغمبر مُبیّن قرآن ہی عہدہ امامت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فرق درمیان کتاب وقرآن

قَالَ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ۔ اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ (پیغمبر) پر کتاب کو نازل کیا ہے کہ بعض اس میں سے آیات محکمات ہیں۔ اور وہی ام الکتاب ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ میں خداوند عالم نے قرآن نہیں فرمایا بلکہ کتاب فرمایا ہے کہ خدا نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے اور قرآن وکتاب میں فرق ہے مگر اس فرق کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ اور اگر کوئی ہوا بھی ہے تو اسکا حق ادا نہیں کیا۔ لوگ چار کتابوں کے قائل ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم نے ہر ایک نبی کے ساتھ اسکی کتاب نازل کی ہے جیسا کہ فرماتا ہی کان الناس

اُمَّةً وَاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ (بقرہ ع ۲۶) یعنی آدمی امت واحدہ تھے پس اللہ نے ان کو انبیاء میں مبعوث کیا جو بہشت کی بشارت دینے والے اور آتش جہنم سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اُن چیزوں میں فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے۔ کہ ہر نبی کے ساتھ کتاب ہوتی ہے۔ اور وجود نبی اور کتاب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور اسی طرح میزان بھی ہر ایک نبی کے ساتھ نازل ہوئی ہے فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ع ۳) پس اس کتاب سے کتاب تنزیلی اور میزان سے میزان ظاہری مراد نہیں بلکہ یہ کتاب کتاب وجودی ہے اور موازین اس کتاب کی موازین علمیہ ہیں۔ نضع الموازین بالقسط (تحقیق حقیقت میزان[1] کسی دوسرے موقعہ پر بیان ہوگی) یہاں سے معلوم ہوا کہ کتاب اور قرآن دو چیزیں ہیں قرآن قرأت سے ہے یعنی مقروٗ جو کچھ کہ زبان مبارک نبوی سے بیان ہوا۔ اور اُنھوں نے قرأت فرمایا۔ اور کتاب نفس وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے چنانچہ آیہ ذیل اس کی تشریح کرتی ہے انہ لقراٰنٌ کریمٌ فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون مقصود یہ ہے کہ اے پیغمبر یہ قرآن جو تم قرأت کرتے ہو کتاب مکنون میں ہے، اس کتاب کو سوائے مطہر و معصوم اور کوئی مس نہیں کرسکتا۔ اس سے زیادہ توضیح اس آیت میں ہے کہ قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں مَا کَانَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتَابِ لَا رَیْبَ فِیْهِ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ غیر خدا سے افترا کیا گیا ہو لیکن یہ مصدق ہی کتب سابقہ کا اور تفصیل ہے اس کتاب وجودی پیغمبر کی جو شہر علم الٰہی ہے صلی اللہ علیہ واٰلہ

---

[1] فی الجملہ تحقیق کے لئے ہمارا رسالہ میزان حق ملاحظہ ہو (مؤلف)

وسلم - پس یہ کتاب نہیں ہے مگر وجودِ پیغمبر اور کتاب سے مراد کتابِ وجودی ہے نہ مکتوب یا مقروٗ - صورت مقروٗ قرآن ہے اور جب تک کوئی خانۂ طہارت میں داخل نہو اس کتاب کو مس نہیں کر سکتا - اس کتاب کے مس کرنے والونکی شان میں فرماتا ہے - اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا - پس سوائے اُن نفوس طاہرہ مطہرہ کے اور کوئی اس کتاب وجودی پیغمبر کو مس نہیں کر سکتا - جن کی شان میں یہ آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے یعنی اہل بیت ؛

تقسیمِ آیاتِ قرآن

تقسیم آیات کے تین درجے ہیں - ایک جگہ خداوند عالم بیان فرماتا ہے کہ تمام آیات مفصل اور محکم ہیں چنانچہ ارشاد ہوا ہی کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ " یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات محکم اور مفصل ہیں - دوسری جگہ فرماتا ہے - تمام متشابہ ہیں " نَزَّلَ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ " خدا نے بہترین کلام کو کتاب متشابہ مثانی کی صورت میں نازل کیا ہے یعنی تمام آیات متشابہ ہیں - حالانکہ ایک نہائی قرآن ایسا ہے کہ اس میں تصور تشابہ ممکن ہی نہیں - پھر کیونکر سب متشابہ ہو گیا تیسری جگہ فرماتا ہے کہ بعض آیات کتاب محکم ہیں اور بعض متشابہ " ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِھَاتٌ " یعنی خداوند عالم وہ ذاتِ پاک ہے - جس نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے - جس کی بعض آیات محکم ہیں - اور وہی ام الکتاب ہیں اور بعض متشابہ ضمیر ھُنَّ راجع ہے آیات کی طرف اور ام الکتاب " مایاًمُّ اِلَیْہِ " سے ماخوذ ہے یعنی اصل مقصود و مرجع اصل اور بظاہر یہ تینوں آیات ایک دوسرے کی مناقض معلوم ہوتی ہیں اور پھر متشابہات کی بابت فرماتا ہی - کہ انکی تاویل سوائے خدا اور کوئی نہیں جانتا - لہذا معلوم ہوا کہ تمام قرآن فہمی کا دعوے سوائے اُسکے جو معلم تعلیم الہی ہو - اور کسی کے لئے جائز نہیں - تمام قرآن کو وہ جانتا ہے جس کے لئے تمام قرآن آیات محکمات ہے اور کوئی متشابہ نہیں - ورنہ عام

علماء تو محکم ترین آیات کو بھی متشابہ کر دیتے ہیں - اگر انسان محکم اور متشابہ کے معانی جانتا ہو تو بعد غور و تامل سمجھ سکتا ہے کہ مطلب ان آیات کا کیا ہے - نیز انہیں سے حقیقت کتاب بھی معلوم ہو سکتی ہے - دیکھیے - منجملہ آیاتِ محکمات آیہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ہے یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی مگر مفسرین میں اولی الامر کے مصداق کے متعلق بھی اختلاف کثیر ہے کہ وہ کون ہے ؟

حالانکہ نفسِ مفہوم اولی الامر صاف ظاہر کرتا ہے - کہ اُولی الامر وہ صاحب حکم و امر ہیں - جن کا امر ہر شئے میں جاری وساری ہے اور اُن کے امر سے کسی کو کسی حالت میں تخلف جائز نہیں - جو اُن کے حکم سے پھرا وہ خدا و رسول کے حکم اور امر سے پھرا صحیح بخاری میں روایت ہی کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا - پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسکو پکارا - اُس نے جواب ندیا - بعد فراغ نماز جب وہ حاضر خدمتِ نبوی ہوا تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ تو نے جواب کیوں نہیں دیا ؟ تب اُس نے عرض کیا - چونکہ میں نماز میں تھا - جواب نہ دیا حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ یعنی جواب دو اللہ اور اُس کے رسول کو خواہ کسی حالت میں ہو - اس سے معلوم ہوا کہ امر پیغمبری سے کسی وقت میں بھی عدول جائز نہیں ہے - نماز میں بھی ہو تو اسکو جواب دو وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ (الخ) اہل مدینہ اور جو اُن کے گرد و نواح میں اعراب ہیں - انہیں سزا وار نہیں کہ وہ رسولؐ خدا سے تخلف کریں - اور پیچھے ہٹ رہیں اور نہ یہ کہ نفسِ رسول سے اعراض کریں - اس آیت میں تخلف کی مراد جہاد سے ہٹ رہنا اور جہاد پہ نہ جانا مراد نہیں بلکہ تخلّفِ امری مراد ہی یعنی خدا فرماتا ہی کہ اہل مدینہ وغیرہم کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حکم پیغمبری سے تخلف کریں - بلکہ اُسے فوراً بجا لائیں خواہ کہیں ہوں - اور کسی حالت میں ہوں - اور کسی قسم کا امر ہو - پس بعد پیغمبر اولی الامر وہ ہے

جس کا حکم مثلِ پیغمبر ہر حال میں واجب العمل ہو اور ہر شئے میں جاری اور ساری۔ اور اسی امام کے ساتھ اُن کا حشر ہو گا جو اس کے ساتھ ہے وہ ناجی ہے۔ آیہ یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ صاف دلالت کرتی ہے کہ اولی الامر بعد رسولؐ امامؑ ہیں وھو الحاشر الی اللہ قرآن شریف میں پیغمبر کے دس نام ہیں۔ اور امامؑ کے بھی دس۔ رسول پیغمبر کے لئے مخصوص ہے۔ اور اولی الامر امام کے لئے اور باقی دونوں میں مشترک ہیں ایک پیغمبر ہے اور ایک نفسِ پیغمبر جیسا کہ آیہ مباہلہ سے بھی ظاہر ہے۔ اس آیہ مذکورہ لَا یَرْغَبُوا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهٖ" میں نفس سے مراد نفس پیغمبر ہے اگر یہاں عن نفسہ سے مراد پیغمبر ہوتا تو عنہ ہونا چاہیے تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جس طرح امرِ پیغمبر سے تخلف و اعراض جائز نہیں اسی طرح نفسِ رسولؐ یعنی امیر المومنین علیہ الصلواۃ والسلام کے امر سے بھی تخلف و اعراض جائز نہیں۔ اسی غزوۂ تبوک کے بعد جس کا اس آیت میں اشارہ ہے حضرت رسولؐ نے جناب امیر المومنینؑ کو اپنا جانشین بنایا اور فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی الخ، اور بعدِ رسول وہی اولی الامر ہے جس کی اطاعت مثلِ رسولؐ فرض کی گئی ہے۔ اور اسی کے ساتھ حشر ہو گا۔ پس مفہوم و منطوق قرآن سے ثابت ہے۔ کہ امام اصل ذریت رسول ہی سے ہوتا ہے جس کا آئندہ مفصل ذکر آئے گا۔ اگر نفسانیت و تعصبات اور خود رائی کو قرآن میں دخل نہ دیا جائے۔ تو اصل امامت نصوصِ محکماتِ قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے۔ گو کیفیاتِ جزئیہ امامت مفصلاً ظاہر قرآن سے نہ معلوم ہوں اور ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے اور اسکا تصرف تصرفِ پیغمبری ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پیغمبر صاحب شریعت و صاحبِ دین ہے وہ دین لایا ہے اور یہ (امام) محافظ دین و مکملِ دین ہے۔ نفسِ رسولؐ اس وقت بحکم آیہ مباہلہ چار شخص تھے۔ اور مع پیغمبر پانچ تن ہوتے ہیں۔ اور بلا انکی معرفت کے نجات ممکن نہیں۔ اول معرفتِ امام موجب بہشت ہے اور عمل کرنا دوسری چیز اور دوسرا درجہ ہے:

زمانہ کا امام اور نفسِ رسولؐ ان ایام (ایام عاشورہ محرم الحرام) میں متزلزل ہی۔ اس لئے کہ وہ شہید علی الناس ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ ذریت رسولؐ و اولاد رسولؐ وطن سے دور اور روضۂ رسولؐ سے مہجور ایک میدانِ کربلا میں بے یار و مددگار مضطرب و مضطر نظر آ رہی ہیں ایک نفسِ رسولؐ و جگر گوشۂ بتول سر تا پا خون میں ڈوبا ہوا پکار رہا ہے "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا" الخ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

موعظۂ سوم

محرم الحرام سنہ ۱۳۲۱ ہجری

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يوم ندعوا كل اناس بامامهم

امام - اُمّ الکتاب اُمّ القریٰ پیغمبرِ اُمّی لقب

اجمالاً بیان کیا جا چکا ہے کہ انتظام عالم کے لئے ایک منتظم و مدبر کی ضرورت ہی جو فسادات عالم اور سلوک الطوائفی کو دور کرے اور وہ قوتِ منتظمہ امام ہے لفظ امام مشترک ہے۔ حتیٰ کہ امام جمعہ و جماعت کو بھی شامل ہے اور معنی اُسکے مَنْ يُقْتَدىٰ بِهٖ ہیں یعنی وہ شخص جسکی اقتدا کی جائے اور چونکہ لوگ نماز میں اس کی اقتدا کرتے ہیں، اسواسطے اسکو امام کہتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر کو بھی امام کہا جاتا ہے اور معنی اس کے مَا يَأُمُّ الْخَلْقُ إِلَيْهِ ہیں یعنی جس کی طرف لوگ رجوع کریں۔ اور مقصودِ خلائق و مرجع انام ہو پس اس اعتبار سے کہ وہ صاحب درجۂ رفیعہ ہے۔ نبی کہلاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ تبلیغ احکام الٰہی پر مامور کیا گیا ہے۔ پیغمبر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مقتدائے امت ہے امام کہلاتا ہے۔ اُمّ الکتاب و اُمّ القریٰ بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں، اُمّ الکتاب

کنایہ ہے کہ تمام عناوین ومضامین کتب الٰہیہ اسکی طرف منتہی ہوں اور اس سے جدا ہوں لہذا تمام خلق کو اسکی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اُم القریٰ وہ ہے کہ تمام قریئے اُس سے جدا ہوئے ہوں اور وہ سب کا مرکز ہو اس واسطے مکہ کی طرف تمام لوگ رجوع کرتے ہیں۔ اور وہی قبلۃ الانام ہے۔ اُمی کے بھی یہی معنی ہیں۔ کہ رجوع خلائق اُسی کی طرف ہو اور وہ مقصد کائنات ومرجع مکونات ہے۔ کسی خاص امر میں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز میں، علم میں، معرفت میں، تحصیل فضل وکمال میں۔ غرض محتاج الیہ کل ہو۔ اسکی طرف ہر شئے محتاج ہے اور وہ سوائے خدا کسی کا محتاج نہیں۔ ہر شے اسکی طرف رجوع کرتی ہو۔ اور وہ خدا کی طرف۔ وہ کوئی چیز کسی سے حاصل نہیں کرتا۔ وہ کسی سے تعلیم نہیں پاتا۔ اگر وہ دوسرے سے تعلیم حاصل کرے تو وہ پیغمبر نہیں ہے۔ جو ایسا خیال کرتے ہیں وہ پیغمبر کے معنی نہیں سمجھتے :

افضلیت خاتم الانبیاء برجمیع انبیاء علیہم السلام

مرجع تمام پیغمبران پیغمبر امی لقب نبی مطلق ہے اور بعد ازاں انبیاء فرداً فرداً مرجع امت ہیں آیت ذیل اسی پر دال ہے اور یہی اس کا مطلب ہو کیف اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا" یعنی خداوند عالم فرماتا ہے اس دن گنہگاروں کا کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر ایک امت میں سے ایک شہید کو لائینگے۔ اور تجھکو اے پیغمبر اُن تمام شہدا پر شہید قرار دیں گے۔ ہر ایک امت کا شہید اُسکا پیغمبر ہے جیسا کہ قول حضرت عیسیٰؑ سے صاف ظاہر ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ" میں ان پر شہید تھا جب تک کہ میں اُن میں رہا اس آیت سے دو باتیں صاف ثابت ہیں۔ اول یہ کہ جناب عیسیٰؑ اپنی امت پر شہید تھے۔

دوم یہ کہ وہ جناب شہید مطلق نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی امت کے لیے۔ اور وہ بھی اسوقت تک جب تک ان میں تھے اور پیغمبر امی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء پر شہید ہو اور خداوند عالم تمام مخلوقات ومکونات پر شہید ہے۔ جسمیں پیغمبر امی بھی داخل ہو۔ چنانچہ فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ بتحقیق کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شے پر شہید ہے ؛

شہید اور شاہد کے معنوں میں فرق ہے۔ شہید خواہ حاضر ہو۔ یا غائب وہ اُن لوگوں پر شہید ہے۔ جن پر اس کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ اپنر ہمیشہ حاضر و ناظر ہے ؛

اور شاہد وہ ہے جو بذریعہ علم شہادت دے سکے۔ خواہ اسکا یہ علم یالمشاہدہ ہو یا بالاخبار وغیرہ۔ (اسکی مزید تشریح عنقریب آتی ہے) پس آیہ شریفہ وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ (اے پیغمبر تو جانب غربی پر موجود نہ تھا) مخالف و منافی شانِ شہید نہیں کیونکہ یہاں حضور جسمانی کی نفی ہے اور یہ منافی شہیدیت نہیں ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ شہید کے لئے حضور و غیاب مساوی ہے اور نبوتِ نبی روحِ قدسِ نبوتی سے ہے نہ کہ جسم سے۔ بلکہ حقیقۃً نبی وہ روح ہی ہے۔ وہ ہمیشہ شہید ہے۔ خواہ اُسکا ظہور صورتِ جسمانی سے ہو یا نہو ؛

اور یہ خیال و شبہ کہ نبوتِ نبی جسم نبوتی پر موقوف ہے۔ وسوسۂ شیطانی ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس آیۂ مجیدہ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ (یعنی اے پیغمبر ہم تجھ سے بہترین قصص کو بیان کرتے ہیں۔ اُسی ذریعہ سے جس سے کہ ہمنے قرآن کو نازل کیا ہے۔ اگرچہ تو اُس سے پہلے غافلین میں سے تھا) بھی منافی شانِ شہیدیت نہیں ہے کیونکہ غافلین فرمایا ہے نہ جاہلین۔ اور غفلت و جہالت دو چیزیں ہیں اور یہ غفلت بھی خاص غفلت ہو جسکے معنی بما اوحینا من قبلہ کے سمجھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں بہر حال یہ منافی شہادت نہیں۔ کہ یہ غفلت قبلِ وحیِ الٰہی و قبل ظہورِ نورِ نبوتی ہے اور نبوت حجابِ الٰہی ہے اور اتنا ہی پردہ اُٹھتا ہے جتنا قدرت اُٹھائے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے لحاظ سے فرمایا ہے وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَھَدٰی (فافہم و تدبر) مؤلف

شہیدِ ثالث یا امامِ خلق

بعد خدا و پیغمبر خدا ایک اور شہید بھی ہے اور وہ امام ہے اور بلا اسکے وجود کے قیامت قائم نہیں ہو سکتی جاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ" روزِ قیامت ہر نفس بارگاہِ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا کہ اسکے ساتھ اسکا ایک سائق (ہانکنے والا) اور ایک شہید ہوگا یہ شہید شہید باطنی ہے قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ پس یہ شہید غیر پیغمبر وخدا ہے اور "يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ" سے صاف ظاہر ہے۔ کہ شہید امام ہی ہے۔ کیونکہ حشر امام ہی کے ساتھ ہوگا اور یہ شہید ظاہری وخارجی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں من عندہ علم الکتاب (وہ شخص جسکو علم الکتاب حاصل ہے) سے مراد عبداللہ سلام یہودی ہے جو توراۃ کا عالم تھا۔ اور بعد میں اسلام لایا اور پیغمبر کی تصدیق کی۔ لیکن یہ غلط محض ہے۔ اور قصہ حضرت سلیمان میں تختِ بلقیس کا واقعہ اس کی نفی کرتا ہے:

مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ

"يَا اَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ یعنی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اے گروہ حاضرین تم میں سے کون تختِ بلقیس کو میرے پاس لا سکتا ہے۔ قبل اسکے کہ وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آئیں؟ عفریت جنی نے کہا کہ یا نبی اللہ میں اسکو لاتا ہوں۔ قبل اسکے کہ آپ اپنے اجلاس کو برخاست کریں یعنی صبح سے ظہر تک اور میں اسکی قوت رکھتا ہوں اور اسکا ذمہ دار ہوں۔ پھر اس شخص نے (وزیر جناب سلیمان آصف برخیا) کہا۔ جسکو کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا کہ یا نبی اللہ میں اسکو چشم زدن سے

پیشتر لا سکتا ہوں۔ اور جب حضرت سلیمان نے فوراً اسکو وہاں کھڑا دیکھا تو فرمایا یہ میرے پروردگار کا فضل و احسان ہے (الخ)؛

اس سے ظاہر ہے کہ جسکو تھوڑا سا علم کتاب حاصل تھا۔ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو ایکماہ کی سافت سے لے آیا۔ پس جس کو علم الکتاب حاصل ہو اُسکے کمالات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے عبداللہ سلام یہودی کو یہ قدرت کہاں حاصل؟ نیز عبداللہ سلام مدینہ میں ایمان لایا ہوا اور یہ سورہ سورہ مکیہ ہے۔ جو اسکے ایمان لانے سے پہلے نازل ہوئی ہے لہذا مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ کا مصداق وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تمام کتاب کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا پھر کس طرح سے عبداللہ سلام مثل حضرت موسیٰ ہو گیا اور اسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ اسکو تمام تورات کا علم حاصل تھا اور مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ سے وہ ہی مراد ہے یہ غلط محض ہے علم الکتاب میں کتاب پر جو الف لام ہے یا تو عہد کا ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ اس سے ایک کتاب مخصوص معہود مراد ہے یعنی قرآن یا جنسی ہے اور جنس کتب مراد ہے اور مقصود پیغمبر کا یہ ہے کہ جس کو کل قرآن یا تمام کتب کا علم نہیں وہ مجھکو نہیں پہچان سکتا۔ اور جس کو کل کتب کا علم ہے۔ وہ ہی میری نبوت کی سچی شہادت دینے والا اور تصدیق کرنے والا ہے؛

پس بعد پیغمبر تمام کتب کا علم سوائے نفس پیغمبر اور کسی کو نہیں ہو سکتا اور وہ علی ابن ابیطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ پس علیؑ ہی دلیلِ نبوّت ہے اگر وہ تصدیق نہ کرتے۔ تو کوئی تصدیق نہ کرتا۔ کیونکہ وہ جناب حضرت ابراہیمؑ کی اس ذریت میں سے ہیں جس کے واسطے اُنھوں نے اس طرح دعا کی تھی۔

اُمتِ مُسلمہ

اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاہِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی جس وقت حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ تیار کر رہے تھے۔ تو اُنھوں نے اسطرح دُعا کی

اے ہمارے پروردگار ہماری خدمت کو قبول فرما تحقیق کہ تو ہر ایک بات کو سنتا ہے اور ہر شے کا عالم ہے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ یعنی اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا۔ اور منقاد و مطیع مطلق قرار دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو ہماری طرح کا مسلمان بنا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم نے یہ دعا کی تھی۔ آپ مسلمان تھے۔ پیغمبر تھے۔ خلیل تھے۔ امام تھے۔ لہذا حضرت ابراہیم جس اسلام کی اپنے اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کے لیۓ التماس کر رہے ہیں۔ وہ فضیلت اسلام ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ پروردگار جس طرح سے تو نے ہمکو کامل الایمان وکامل الیقین پیدا کیا ہے اسی طرح ہمکو یہ بھی توفیق دے۔ کہ ہم سے اعمال بھی ویسے ہی صادر ہوں اعتقاد کے موافق ہمیں عامل بھی بنا اور توفیق دے کہ ہر حال میں تیرے مطیع ومنقاد مطلق رہیں۔ پھر اسی اسلام کی خواہش اپنی اولاد میں سے ایک خاص امت کیلیۓ کی ہے کیونکہ لفظ جعل مکرر نہیں لایا گیا ہے جو تکرار معانی کرے بلکہ وَاجْعَلْنَا بصیغۂ متکلم مع الغیر فرمایا ہے اور جو لام اختصاص اپنے لیۓ استعمال کیا ہے وہی اپنی اس ذریت کے لیۓ استعمال کیا ہے غرض جو اپنے لیۓ مانگا ہے وہی اپنی اولاد میں سے ایک گروہ خاص کے لیۓ مانگا ہے اور یہ ثابت ہے کہ اسلام پیغمبر اسلام بلاواسطہ ہوتا ہے۔ خدا اور اسکے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ جبرئیل بھی۔ جیسا کہ خدا حضرت ابراہیم کی بابت خبر دیتا ہے إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ یعنی جب اسکے پروردگار نے اس سے فرمایا کہ اسلام لا تو اس نے کہا میں اسلام لایا۔ اور میں پروردگار عالمین کا مطیع ومنقاد ہوں۔ بخلاف دیگر مسلمانوں کے کہ ان کا اسلام اسلام بالواسطہ ہوتا ہے۔ یعنی پیغمبر یا امام یا کسی عالم کے ہاتھ پر اسلام لاتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اس ذریت خاص کے لیۓ اسلام نبوتی واسلام بلاواسطہ کی خواہش کی ہے۔ بلکہ اس پر عامل ہونے کی اور

اس کو فعلیت میں لانے کی پھر اس ذریت کے بارے میں فرماتے ہیں رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ پروردگارا ان میں انہیں میں سے ایک شخص کو مبعوث برسالت فرما تاکہ وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔

یہ ثابت و محقق ہے کہ ذریت حضرت ابراہیم اولاد حضرت اسمٰعیل میں صرف پیغمبر آخر الزمان صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مبعوث برسالت ہوئے ہیں۔ پس یہ امت مسلمہ جس کے لئے دعا کی گئی ہے وہ ہی جس میں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ والہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور خود پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کا ایک فرد ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ قبل از بعثت پیغمبر خدا چاہیے۔ کہ یہ امت موجود ہو جس میں پیغمبر مبعوث ہو اور یہ بھی معلوم ہے کہ پیغمبر قبیلہ بنی ہاشم سے مبعوث ہوا ہے۔ لہذا امت مسلمہ باسلام بلا واسطہ بنی ہاشم میں موجود تھی اور یہ سوائے حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اسلام فطری پر باقی تھے۔ اور صغیر سنی ہی میں پیغمبر پر ایمان لائے اور نبوت کی تصدیق کی اور کوئی نہیں ہو سکتا یعنی جس وقت پیغمبر خدا مبعوث برسالت ہوئے حضرت علی موجود تھے۔ پس امت مسلمہ رسولؐ و نفس رسولؐ ہوئے اور انہیں سے جناب رسولؐ خدا مبعوث ہوئے۔ اور نفس رسولؐ نے ان کی تصدیق کی اور شہادت دی اور وہی شہید اور امام امت ہوئے۔ اور امت کا لفظ ایک شخص پر بولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے کَانَ اِبْرٰهِیْمُ اُمَّةً قَانِتًا یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم سولہ سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے اور اس وقت بتوں کو توڑا جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے وَ اٰتَیْنٰهُ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ یعنی ہمنے اسکو پہلے ہی سے رشد و ہدایت عطا کی۔ اور اسکو ہم جانتے ہیں۔ پس یہ بھی عہد طفولیت ہی سے امت مسلمہ تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر المومنین نے فرمایا ہے اَنَا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ یعنی میں ہی پہلا شخص ہوں جو پیغمبر پر ایمان لایا یعنی اسلام تو پہلے ہی سے حاصل تھا پیغمبر پر ایمان سب سے پہلے لائے اور اسکی تصدیق فرمائی اور حضرتؐ کا پیغمبر پر ایمان لانا وہ ہی معنی رکھتا ہے جو حضر

لوطؑ کے حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کے ہیں فَاٰمَنَ لَہٗ یعنی لوطؑ نے انکی تصدیق کی اور شہادت دی اسی طرح جناب امیرؑ مصدقِ حضرت ختمی مرتبت ہیں یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ پہلے مومن نہ تھے اس وقت ایمان لائے تھے۔ اور اسلام نبوتی منزہ ہوتا ہے۔ شرکِ ذاتی۔ شرک صفاتی شرک افعالی اور شرکِ عبادتی سے۔ چنانچہ قول جناب یوسفؑ سے ظاہر ہے وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآئِیٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ مَا کَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ۔

یعنی میں اپنے آبا و اجداد ابراہیمؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ کی ملت کا پیرو ہوں۔ اور ہم اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے۔ کسی بات میں اسکا شریک قرار نہیں دیتے اور کسی جزوی شرک کے بھی قائل و عامل نہیں ہوتے۔

پس جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو مسلم باسلام نبوتی و بلا واسطہ ہیں ہر ایک قسم کے شرک سے مبرا اور منزہ ہیں انہی کی شان ہے لَمْ یُشْرِکْ بِاللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ اَبَدًا پس وہ ہی بعد پیغمبر شہید امت ہیں ؛

(نکتہ) حضرت ابراہیمؑ مسلمین میں سے ہیں۔ اور مسلمان باسلام نبوتی اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ والہ وسلم اوّل المسلمین۔ پس ان بزرگواروں سے جو ذریت ہوگی وہ کیسی ہوگی بلاشک و شبہ مصداقِ آیہ مجیدہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہوگی یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ان کا نور خود بخود روشن و درخشاں ہے ان کے فضائل و کمالات علوم و معارف بلا تحصیل و اکتساب تعلیم ان سے ظاہر ہوتے ہیں اگر چاہتے ہو کہ اسکا امتحان کرو تو تھوڑی دیر کے واسطے میدان کربلا کا تصور کرو و ظہور در بر در نورانیت فرزند پیغمبر خدا ذریت ابراہیم کا تماشا دیکھو۔ یہ ہے مسلمان باسلام نبوتی و مطیع و منقادِ مطلق پروردگار عالم کہ جس قدر مصائب و شدائد زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ نورانیت زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے اور رنگت چہرۂ اقدس سرخ۔ راہِ خدا میں گھر کو لٹا رہا ہے۔ دوست احباب، عزیز و اقربا، شیر خوار بچے تک ظلم و ستم سے بھوکے پیاسے نہایت بیکسی کے عالم میں سامنے ذبح کیے جاتے ہیں۔ مگر نہ چہرہ پر حزن و ملال اور نہ لب پر

حرف شکایت۔ بکمال طیب خاطر اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اسلام کی خاطر قربان کرتا ہے
مگر سوائے رِضَا بِقَضَائِہٖ وَتَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ زبان مبارک سے کچھ نہیں فرماتا۔ اسکی راہ میں
صابر و شاکر ہے۔ وہ صبر دکھا رہا ہے۔ کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں۔ اور امام زمان عجل اللہ
ظہورہ فرماتے ہیں لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِکَ مَلٰٓئِکَۃُ السَّمَآءِ یعنی اے جد بزرگوار
آج آپ نے ایسا صبر دکھایا ہے۔ کہ ملائکہ آسمان آپکا صبر دیکھ کر تعجب کر رہی ہیں۔ لَا حَوْلَ وَ
لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

موعظۂ چہارم

۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۱ ہجری

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ۔ سابقًا بیان کیا گیا ہے کہ نظام و سلسلۂ عالم میں
ایک منتظم کا وجود ضروری ہے۔ اور طبیعین و اہلِ حکمت کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ نظام عالم کے
لئے ایک بادشاہ با اختیار کا وجود ضروری ہے جو نزاعات و مشاجرات کو رفع کرے۔ اگرچہ
لوگوں کے دل اس سے متنفر ہی کیوں نہوں؛

جسم و رزق جسمانی جسم انسان روح کے لئے بمنزلہ مقدمہ ہے اور مقدمہ ذی المقدمہ
سے اخس و ادنےٰ ہوتا ہے۔ لیکن وجود و ترکیب فعلی میں مقدم
ہوتا ہے اگرچہ ذی المقدمہ من حیث الایجاد مقدم ہے اور وہی علتِ غائیہ۔ مثلاً مکان در
اصل کسی انسان کی رہائش کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس کا وجود بالذات مقصود نہیں۔ مگر
اُسکے واسطے اینٹ، گارا، چونا، لکڑی، تختے وغیرہ پہلے تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مکمل
ہو کر رہائش انسان کے قابل ہو جائے۔ اور مسلم ہے کہ جزو اخیر شئے علت تامہ ہوتا ہے اور وہ

رہائش و سکونت مکان ہی وہی مقصود بالذات ہی نہ ترتیب و ترکیب اسباب مکانیہ - اسی طرح سے ترکیب و ترتیب اجزائے مادیۂ انسانیہ، نطفہ، علقہ، و مضغہ و عظام، و لحم نسبت بہ نفس انسان مقصود از خلق نہیں ہیں - بلکہ مقصود و علت تامہ جزو اخیر ہے - جو مقام ثم انشانا ہ خلقا اخر ہے اور اس خلقت سے بھی نیز اصل مقصود تربیت و تکمیل نفس انسانی ہے لیکن اسکے کمال پر پہنچنے کے لئے حفاظت جسم بھی ضروری ہے اور مقدم - حفاظت و بقائے جسم کے سارے اسباب خدا ہی کی طرف سے مہیا ہوتے ہیں - اور وہی انجام دیتا ہی اور یہ اُسکا تفضل و انعام و احسان ہے اور اول اسی انعام و احسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے فلینظر الانسان الی طعامہٖ یعنی چاہیے کہ انسان اول اپنے کھانے کی طرف نظر کرے - اور اسکی پیدائش میں بدقت تمام غور و فکر کرے - تاکہ اپنے خالق کو پہچانے - کہ کس طرح اُس نے اسکو ہمارے لئے بہم پہنچایا ہے اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (عبس) یعنی ہمنے اول پانی برسایا اور پھر زمین کو شق کیا - اور اُس سے غلے، انگور تنا اور سایہ دار درخت - زیتون - کھجوریں - اور گنجان باغ اور میوے - چراگاہیں اور سبزہ زار اُگائے - اور پیدا کئے جو تمہارا اور تمہارے چارپایوں کا رزق ہیں واقعاً یہ تمام پروردگار عالم و عالمیان کے انعامات و تفضلات ہیں - اگر وہ ایسا نہ کرے - تو ہم ایک دانہ اور ایک تنکا گھاس کا پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے - اگرچہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اور منکرین موثر حقیقی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو خود انسان کرتا ہے کیونکہ اول وہی زمین میں ہل چلاتا ہے - پھر بیج بوتا ہے، پھر پانی دیتا ہے - لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا - کہ یہ خیال غلط ہے - کیونکہ اگر انسان تمام کام کرے - اور خداوند عالم نہ چاہے تو ایک دانہ بھی نہ اُگے گا انسان زمین میں ہل چلاتا ہے - اور بیج بکھیرتا ہے - لیکن اس دانے

کو زمین سے اُگاتا کون ہے؟ پھر اسکو سرسبز کون کرتا ہے؟ پھر خوشہ کون لگاتا ہے؟ اور پختہ کون کرتا ہے؟ اور ہر قسم کی آفاتِ ارضی و سماوی سے حفاظت کون کرتا ہے؟ کیا انسان ان میں سے کسی چیز پر قادر ہے؟ ہرگز نہیں یہ سب اسی کی قدرت کاملہ کا اثر ہے۔ اسی واسطے دوسرے مقام پر بتصریح اس زراعت کے متعلق فرماتا ہے "اَفَرَأَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ" تم اسکی بابت کیا خیال کرتے ہو۔ کہ تم جو یہ کھیتی کرتے ہو در اصل تم اسکی زراعت کرتے ہو۔ یا ہم زراعت کرنیوالے ہیں "لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ" اگر ہم چاہیں تو اسکو خشک در یزہ ریزہ کردیں۔ اور ایک دانہ بھی پیدا نہو پس تم متعجب وحیران کھڑے رہ جاؤ "اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ" تم دیکھتے ہو کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو۔ تم نے اسکو "مزن" سے نازل کیا ہے یا ہم اسکے نازل کرنے والے ہیں:۔

(نکتہ) یہاں خداوند عالم نے لفظِ سحاب (بادل) نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ (مزن) استعمال کیا ہے۔ کیونکہ مزن اور سحاب دو چیزیں ہیں۔ پانی کا تجزیہ وتحلیل کرنے سے ثابت ہے کہ پانی دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جنکو فلاسفہ جدید اپنی اصطلاح میں آکسیجن وہیڈروجن کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں ہمیشہ مدارج معلومہ حرارت میں بحالت گیس یعنی حالت ہوائی میں موجود رہتے ہیں۔ اور یہ دونو جزو ایسے ذرات واجزاء خورد پر مشتمل ہیں۔ کہ کسی طریق سے اُن کا تجزیہ وتقسیم نہیں ہوسکتی۔ اور صورتِ ترکیبی میں نو جزو آب خالص میں ایک حصہ ہیڈروجن اور آٹھ حصے آکسیجن ہوتی ہے $\frac{1}{9}$ و $\frac{8}{9}$ کی نسبت ہے پس ایک جزو مفروض آب یعنی جزوِ لا یتجزی بھی چاہیے۔ کہ اجزائے لا یتجزائے آکسیجن وہیڈروجن سے مرکب ہو۔ اور اُن کے اوزان کی یہی نسبت موجودہ آب خالص میں بصورت ترکیبی پائی جائے اور علماء محققین دلائل وبراہین سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک (ہر مولیقون) آب یعنی ہر ذرہ آب میں ایک اتوم آکسیجن اور دو اتوم ہیڈروجن ہے اور

الوم جزو لاتیجزی ہے۔ بہر حال ان اجزار و ذرات کی صورت مرکبہ بہ ہیئت مذکورہ مزن کہلاتی ہے۔ جو ہمیشہ وارائے آب ہو۔ اور کبھی فضا و خلار اس سے خالی نہیں ہمیشہ اس سے پُر ہے اور صورت مرکبہ اجزائے آب سحاب کہلاتی ہے۔ کبھی تو اس طریق پر اور کبھی بہ طریق دیگر او صورت اجزہ ورائے آب نہیں ہے صرف کشش ہوائی ہوتی ہے اور کبھی لسان شرع میں اسکو ظل سے تعبیر کیا جاتا ہے ومن فوقہ سحابٌ ظلمات بعضہا فَوْقَ بَعْضٍ غرض سحاب صورت انجمادی کو جبکہ ایک دوسرے کو کھینچتا ہوا ہوا میں چلتا ہے کہتے ہیں۔ اسلئے مزن ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے بخلاف سحاب کے ؛

نزول و ہبوط بھی دو چیزیں ہیں۔ لبطور قہر و غلبہ پستی کی طرف آنے کو ہبوط کہتے ہیں جیسے کہ خدا فرماتا ہے وَاِنَّ مِنْہَا لَمَا یَہْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ یعنی اور بعض پتھر وہ ہیں جو خوف خدا سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اور جب وقت انسان کی طرف منسوب ہو۔ تو لبطور استخفاف ہوتا ہے۔ جیسے اِہْبِطُوا مِصْرًا شہر میں اتر جاؤ اور نزول و انزال مطلق انحطاط از علو کی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

لیکن یہ امر کہ مورد استعمال دونوں (ہبوط و نزول کا) حقیقۃً اجسام ہیں یا حقائق کسی دوسرے موقع پر بیان ہوگا۔ نیز انزال و تنزیل کا فرق فَلْیَنْتَظِرُوْا

نزولِ آہن وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور ہم نے نازل کیا ہے لوہے کو اس میں خوف ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع ہیں یہاں خداوند عالم نے لوہے کی بابت یہ فرمایا ہے کہ وہ نازل کیا گیا ہے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ لوہا زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔ پھر یہاں نزول کس طرح صادق آیا ؟

اس کا جواب یہ ہو کہ نزول مواد صلبیہ آہن در اصل ہوا سے ہے۔ اور اسی مزن سے نازل ہوتا ہے۔ اور قوتِ برقیہ بھی اسی سے یجاتی ہے۔ یہی ہوائے مواد مزنیہ زمین میں ذریعہ مسامات داخل ہوتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ بقوت قابضہ زمین صورت انجمادی پیدا کرتی

جاتی ہے اور جب حرارت چھٹے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ تو لوہا بن جاتا ہے۔ غرض تمام اجسام میں تثاقل و تدافع (دباؤ) اور تجاذب (کشش) موجود ہے۔ کوئی جسم اس سے خالی نہیں چونکہ ہوا بھی جسم ہے۔ وہ بھی اس میں شریک ہے۔ دوسرے اجزائے مادیہ کے دباؤ اور قوتِ جاذبہ زمین کے سبب زمین میں داخل ہوتی ہے۔ اور زمین میں (محقن) بند اور محبوس ہو جاتی ہے اور چونکہ تمام مکوناتِ ارضیہ مثل معدنیات کے اجزائے مادیہ ہوا میں موجود ہیں۔ وہ بعض اجزائے ارضیہ سے مختلط ہوتے ہیں۔ اور زمین کی قوتِ انجذاب سے اس میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ زمین میں بہ نسبت دوسرے اجسامِ لطیفہ کے قوتِ انجذاب زیادہ ہے لہٰذا اس طرح اجزائے مادۂ ہوائیہ و ارضیہ سے لوہا وغیرہ معدنیات پیدا ہوتی ہیں اور اکثر مادہ اُن کا ہوا میں ہوتا ہے۔ اسی واسطے اللہ نے آہن کو نزول سے نسبت دی ہے کہ ہم نے آہن کو نازل کیا ہے۔ زمین و مغارات و کہوف کو دیکھنے سے ایک قاعدۂ کلیہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ تمام اجسام میں مرکز کی طرف منجذب ہونے کا میلان پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جو چیز بھی زمین سے جدا ہوتی ہے وہ خلاء اور فضا میں واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ زمین کی طرف منجذب ہوتی ہے اور زمین میں آجاتی ہے۔ جو اجسام زمین سے دُور پھینکے جاتے ہیں۔ وہ جلد اسکی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اسی میں کو ثقل و جذب ارضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس زمین کی خاصیت یہ ہے کہ تمام اجزائے مادیہ کو جن سے وہ مرکب ہوا اپنے مرکز کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور نیز ان تمام اجسام کو جو سطح زمین پر ہیں یا اُس سے دُور ہیں۔ اور تجربے سے ثابت ہے کہ یہ قوتِ جذب موافقِ عکسِ مربع مافات ہوتی ہے۔ اس صورت میں کرۂ ارض ان تمام جزئیات کا نام ہے۔ جو بقوتِ جذبِ مرکزی ایک دوسری سے منضم ہیں (جیسا کہ اپنے مقام پر محقق ہے)؛

یہ بھی معلوم ہے کہ جو پانی آسمان سے زمین پر گرتا ہے۔ دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک قسم تو وہ ہی جو سطح زمین پر بہتا ہے۔ یا چشموں اور چھوٹی چھوٹی ندی نالوں کی صورت میں اطراف زمین

جاری ہوتا ہے اور چونکہ وہ عمق طبقاتِ ارض میں زیادہ گہرائی تک نہیں پہنچتا ہے اس لئے اس میں اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور وہ آبِ شیریں ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے۔ جو بعض مقامات میں جمع ہو جاتا ہے اور اعماق زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے گرم اور تیز چشمونکی صورت میں اُبلتا ہے۔ جو جواہرِ معدنیہ سے پُر ہوتے اور یہ بھی معلوم ہے کہ طبقاتِ ارضی جن پر پانی کا گذر ہوتا ہے۔ مُختلفۃُ الطبیعۃ ہوتے ہیں اور نیز اعماق زمین جہاں تک پانی جذب ہو کر پہنچتا ہے مختلف ہوتے ہیں پس اسی واسطے ان کی ترکیب مختلف ہوتی ہے اور درجاتِ حرارت بھی مختلف ہوتے ہیں اور وہ اعماق ارض میں بانواعِ مختلفہ متفاوتہ منقسم ہوتا ہے۔ پس کبھی اس سے چشمے۔ نہریں اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ کنوئیں اُبلتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کا درجہ حرارت اس طبقہ زمین کے درجہ حرارت کے موافق ہوتا ہے جہاں یہ چشمے پائے جاتے ہیں اور بعض اور بھی چشمے ہوتے ہیں۔ جن کا پانی ان مواد سے بھرا ہوتا ہے جو اس زمین میں نہیں پائے جاتے جہاں وہ چشمے نکلے ہیں۔ اور اُن کا درجہ حرارت مُختلفۃُ الارتفاع ہوتا ہے۔ اور وہ ہی ینابیع معدنیہ وینابیع حارہ ہیں جو مختلف اعماقِ زمین واغوارِ ارضی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان مواد معدنیہ کے اجزائے اصلیہ سب ہوائے مزنی سے بذریعہ بارش نازل ہوتے ہیں اور نسبت انزال بطرف آہن ودیگر معدنیات بالکل صحیح ہے (والتفصیل فی مقامہ)

خلقتِ آتش

پھر آگ کی پیدائش کی نسبت خداوند عالم نے اپنے انعام واکرام کا ذکر فرمایا ہے اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ آگ جو تم روشن کرتے ہو اسکا درخت تمنے پیدا کیا ہے یا ہم اسکے پیدا کرنے والے ہیں۔ دو درخت خدا نے ایسے پیدا کئے ہیں جن سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان کی سبز شاخوں کو لیکر رگڑا جائے تو آگ روشن ہو جاتی ہے۔ بخلاف اور درختوں یا جسموں کے کہ اُن سے آگ بالکل نہیں نکلتی۔ البتہ حرارت ہر دو جسموں کے آپس میں

رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے ان درختوں کو عربی میں مرخ وعفار کہتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ بھی درختوں سے پیدا ہوا ہے۔ یہی اشجار حوادث وطوفانات سے زمین میں دب گئے ہیں۔ اور زمین کی حرارت اور اسکی قوت قابضہ سے یہ صورت موجودہ اختیار کی جیسا کہ اب کانوں سے کھودا جاتا ہے۔ کیفیت اسکی یہ ہے۔ کہ بعض وادیوں اور پست زمینوں میں جہاں پانی گھرا رہتا ہے۔ اور جمع ہوجاتا ہے۔ رسوبات (درد، تہ نشین) نباتات مختلفہ پیدا ہوجاتی ہے جن کے تحلل سے ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قابل احتراق ہو اور یہ رسوبات حالات مخصوصہ میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور کوئی شک نہیں۔ کہ وہ رسوبات جن سے کوئلہ بنتا ہے۔ تراکم وتزاحم نباتات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ علم جیالوجی کے جاننے والے اس پر اتفاق رکھتے ہیں (والتفصیل فی مقامہ) اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ یعنی ہم نے ان درختوں کو مقوین کے لئے موجب عبرت وسرمایہ دولت بنایا ہے۔ مقوین آہن نکالنے۔ کوئلہ کھودنے والے اور قوت بہم پہنچانے والوں کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مشین بنانے والوں اور آہن گروں کی تمام قوتیں زیادہ اسی کوئلے پر موقوف ہیں اور یہی مشین والوں کے لئے دولت ونعمت ہے

قَالَ مُصَنِّفُ كَاشِفِ الْأَسْرَارِ النُّورَانِيَّةِ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ اِعْلَمْ أَنَّهُ يَتَكَوَّنُ عَلَى سَطْحِ الْأَرَاضِي الْغَاذِيَةِ يَوْمِيًّا فِي تَجَاوِيفِ مِنْهَا وَفِي الْأَوْدِيَةِ ذَاتِ الْاِنْحِدَارِ الْقَلِيلِ وَالْأَمَاكِنِ الْمُنْخَفِضَةِ ذَاتِ الْمُسْتَنْقَعَاتِ رُسُوبَاتٌ مِنْ نَبَاتَاتٍ مَتَى تَحَلَّلَتْ تَحْصُلُ مِنْهَا جِسْمٌ قَابِلُ الْاِحْتِرَاقِ وَلَا تَتَكَوَّنُ هٰذِهِ الرُّسُوبَاتُ إِلَّا فِي أَحْوَالٍ مَخْصُوصَةٍ فَلَا يَتَكَوَّنُ فِي الْمِيَاهِ الْجَارِيَةِ وَلَا فِي الْبِرَكِ الْعَمِيقَةِ وَلَا فِي الْمَحَالِّ الَّتِي يَجِفُّ مَاءُهَا فِي بَعْضِ الْأَحْيَانِ وَإِنَّمَا تَتَكَوَّنُ فِي الْمَحَالِّ الَّتِي تَبْقَى فِيهَا الْمِيَاهُ الرَّاكِدَةُ عَلَى الدَّوَامِ وَفِي عُمْقٍ قَلِيلِ الْغَوْرِ وَهٰذَا الْجِسْمُ يُسَمَّى عِنْدَهُمْ بِالتُّورْبِ وَتَكَوُّنُهُ يَنْشَأُ خُصُوصًا عَنْ تَرَاكُمِ النَّبَاتَاتِ الْخَلَوِيَّةِ الْمَغْمُورَةِ فِي الْمَاءِ عَلَى الدَّوَامِ وَهِيَ

رزقِ رُوحانی

غرض رزق کی دو قسمیں ہیں - ایک رزقِ جسمانی جس کا مختصر ذکر ہوا - دوسرا رزقِ روحانی - اور وہ دین ہے - اور دین نہیں ہے مگر قرآن پس رزقِ روحانی قرآن ہے - چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ بعد رزق جسمانی فرماتا ہے "اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ" کیا تم اس حدیث (قرآن) کے ساتھ منافقت کرتے ہو - اور اپنے اس رزقِ روحانی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو - کہ اسکی تکذیب کرتے ہو بظاہر اسکے قائل ہو اور عمل اسپر کرتے نہیں - یہ رزقِ روحانی کس سے حاصل کرنا چاہیئے؟ ہر کس و ناکس سے یا اُن لوگوں سے جن کے پاس یہ خزانہ ہے؟ طعام یعنی رزقِ جسمانی کی نسبت تو خدا یہ حکم دیتا ہے - کہ اہلِ کتاب سے لینا چاہیئے نہ کہ مشرکین سے اور وہ بھی ضرورت میں ورنہ تو مومن مسلمان سے لینے کا حکم ہے کیونکہ مشرکین وغیرہ سے لینے اور خرید و فروخت

تکاثر بسرعة کانواع النباتات المائية فھی التی تتکون منھا العجينة الاصلية للرسوبات ای المادة التی تحيط بجميع النباتات المائية (الخ) یعنی اس زمین کی سطح پر جو روز بروز نئی غذا حاصل کرتی رہتی ہے اور قبیل الانحدار وادیوں اور ان پست زمینوں میں جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں - کچھ نباتاتی رسوبات پیدا ہو جاتی ہیں کہ جب وہ تحلیل ہو جاتی ہیں تو ان سے ایک جسم بن جاتا ہے جو جلنے کے قابل ہوتا ہے اور رسوبات خاص خاص حالات میں پیدا ہوتی ہیں اس لئے آبِ جاری اور گہری جھیلوں اور تالابوں اور ان مقاموں میں جہاں کا پانی کبھی کبھی خشک ہو جایا کرتا ہے - نہیں پیدا ہوتیں - بلکہ صرف ان پست زمینوں میں یہ رسوبات بنتی ہیں جہاں پانی ہمیشہ ٹھیرا رہتا ہے اور اسکی گہرائی زیادہ نہیں ہوتی - اور اس جسم کو اصطلاح حکما میں "تورب" کہتے ہیں اور یہ خصوصیت سے خلاء و فضا کی ان نباتات کے تہ بتہ جمع ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں اور وہ نباتاتِ مائیہ کی طرح بسرعت بڑھتی رہیں - یہی وہ نباتات ہیں جن سے ان رسوبات کا اصل خمیر یعنی وہ مادہ تیار ہوتا ہے جو تمام نباتات آبی کو محیط ہو اور سب میں پایا جاتا ہے - کبھی کبھی ان ہی موادمیں زمین کے اوپر کی نباتات بھی زمین میں گل کر شامل ہو جاتی ہیں اور اس مادہ کے تکوّن میں مساعد ہوتی ہیں کبھی انقلاب زمانہ سے جنگل کے جنگل اس طرح زمین میں دفن ہو جاتے ہیں اور اُن سے ایسے مواد پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ مواد ہمارے زمانے کی نباتات سے منسوب ہیں اور ان کو "تاریخی درخت" کہتے

کرنے میں اُنکی ایک قسم کی اعانت و امداد ہوتی ہے اور خدا فرماتا ہے "تعَاوَنُوا عَلَی البِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الاِثْمِ وَالعُدْوَانِ" نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کرو - اور گناہ و ظلم و جور میں کسی کی اعانت و امداد نہ کرو اور ظاہر ہے کہ مشرکین سے خریدنے میں اعانت اثم ہے - پس جبکہ رزق جسمانی کی نسبت یہ حکم و احتیاط ہے - تو رزق روحانی کس طرح ہو سکتا ہے - کہ ہر کس و ناکس سے لیا جائے - کیا ان مورخین سے لیا جائے جن میں سے اکثر یہودی اور منافقین بھی ہیں ؟

قرآن اور کتاب کا فرق

قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے - قرآن قرأت سے ماخوذ ہے اور معنی مقروؔ ہے - یعنی وہ الفاظ جو زبان حق ترجمان خاتم پیغمبراںؐ سے نکلے اور کتاب شئے وجودی ہے - ہر ایک شئے ایک کلمہ وجودیہ ہے - اور کوئی چیز کتاب سے خالی نہیں - لیکن جس جسم کا تاکد زیادہ ہے - ہیں کتابت زیادہ

ہیں اور انہیں میں شاہ بلوط کی قسم کے بہت سے درخت شامل ہیں اور اسی طرح لسان العصافیر (جو مشہور و معروف بیڑا تاتی دوا ہے) اور ایسی پست زمینوں اور وادیوں میں جہاں یہ توربے پیدا ہوتے ہیں دودھ والے جانوروں کے اجزا بھی پائے جاتے ہیں جیسے گائے کی ہڈیاں اور بارہ سنگے کے سینگ وغیرہ (اور یہ سب ارضی انخفاضات اور طوفانوں کا نتیجہ ہیں)

وَلَاشَكَّ اِنَّ الرُّسُوبَاتِ الفَحْمِيَّةِ الَّتِي تُوجَدُ فِي بَاطِنِ الاَرَاضِي تَكَوَّنَتْ مِنْ نَبَاتَاتٍ تَرَاكَمَتْ عَلٰى بَعْضِهَا كَالتُّوَرُبِ وَدَلِيلُ ذَالِكَ البَقَايَا الَّتِي تَنكَشِفُ فِيهِ وَفِي التُّوَرُبِ بِالمِنظَارِ العَظِيمِ وَكَذَا السُّوقُ وَالاَوْرَاقُ العَدِيدَةُ الَّتِي تُوجَدُ فِي المَوَادِّ الطِّينِيَّةِ الَّتِي تُصَاحِبُهَا وَقَدِ اتَّفَقَتْ اٰرَاءُ الجِيُولُوجِيُّونَ عَلٰى هٰذِهِ المَسْئَلَةِ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَمْ يَتَّفِقُوا عَلٰى كَيْفِيَّةِ التَّرَاكُمِ" بلاشک وشبہ وہ رسوبات جن سے پتھر کا کوئلہ بنتا ہے اور زمین کے اندر پائی جاتی ہیں وہ نباتات متراکمہ ہی سے بنتی ہیں جس طرح کہ تورب بنتا ہے (اور بلاشبہ پتھر کے کوئلہ کی اصل یہی نباتات ہیں) اور اسکی دلیل یہ ہے کہ بڑی بڑی خوردبینوں سے ان رسوبات فحمیہ اور تورب میں - نباتات کے اجزا منکشف ہوتے ہیں اور اسی طرح ایسی زمینوں میں درختوں کے تنے - اور نیز اُن کے پتے وغیرہ پائے جاتے ہیں اور تمام تر والوجسٹ اس پر متفق ہیں البتہ اس میں

ہے پس صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت جو سب سے اتم و اکمل ہے۔ کتابت بھی اسکی سب سے اتم و اکمل ہے اور وہی کتاب جامع اور حاوی جمیع کتب اور در اصل کتاب وہی ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ پس کتاب سے مراد کتاب وجودی یعنی صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے لہذا رزق روحانی اس سے لینا چاہیے "اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ" یعنی یہ قرآن کریم کتاب مکنون میں ہے۔ اور وہ صحیفہ وجودیہ حضرت رسالتمآب ہے "لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" سوائے مطہرین کے اور کوئی اس صحیفہ وجودیہ کو مس نہیں کر سکتا اور بعد پیغمبر اس شخص سے رزق روحانی حاصل کرنا چاہیے جو مثل پیغمبر ہو فَاسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" مفسرین کہتے ہیں کہ اہل الذکر یہودی ہیں ان سے علم قرآن حاصل کرنا چاہیے (نعوذ باللہ من ذالک الاعتقاد) یہی وجہ ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں پر تقسیم ہو گئے ہیں کہ قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا حالانکہ آیہ مجیدہ "بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" (بلکہ وہ قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جنکو علم فطرۃً عطا گیا ہے) دال ہے کہ امت محمدیہ میں غیر پیغمبر کچھ لوگ ہیں۔ جن کے وجود میں قرآن ودیعت ہے۔

معنی مس قرآن و امام مبین

"لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" میں یمسہ کی ضمیر یا تو قرآن کی طرف راجع ہے یا کتاب کی طرف۔ لیکن بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ قرآن صورت مقروٴ ہے اور وہ قابل مس (چھونا) نہیں اور اگر کتابت قرآن مراد لیجائے۔ تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قرآن اسوقت مکتوب نہ تھا۔ جو قابل مس ہوتا۔ پس کتاب سے مراد صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت ہے۔ اور وہی کتاب لاریب فیہ ہے جس میں قرآن ودیعت کیا ہے اور مس سے مراد مس باطنی ہے نہ مس ظاہری اور اس سے مقصود قرآن کا لینا

اختلاف ہے کہ یہ نباتات کس طرح اکھٹے اور تہ بتہ جمع ہو جاتے ہیں (اور اس تحقیق سے واضح ہے کہ پتھر کا کوئلہ جو ایک آتشی مادہ اور جسم ہے اور جو نوع انسان کے لئے ایک نہایت زبردست قوت و طاقت ہے سبز درختوں سے بنتا اور پیدا ہوتا ہے) وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا وَاللّٰهُ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ"

اور اسکا حاصل کرنا ہے۔ پس وجودِ اقدسِ نبوی سے اسکو نہیں لے سکتے اور نہیں حاصل کر سکتے مگر وہ لوگ جو مطہر ہیں یعنی مطہرِ طہارتِ باطنیہ یعنی معصوم ہیں اور آیہ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا" ثابت ہے کہ مطہر یہ تطہیر الٰہی غیر اہل بیتِ رسالت اور کوئی نہیں ؛

پس وجودِ اقدسِ نبوی سے کوئی شخص سوائے امام معصوم مس باطنی نہیں کر سکتا اور انہیں کو اتصال باطنی بلکہ اتحاد باطنی پیغمبر سے حاصل ہے کہ اصل ان کی ایک ہی ہے پس قرآن انہیں کے وجود میں ہے اسی واسطے توصیف امام مبین میں خداوند عالم فرماتا ہے "وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ" ہر ایک چیز کو ہم نے وجود امام مبین میں احصا کر دیا ہے ؛

(نکتہ) یہاں خدا نے احصا فرمایا ہے نہ عَدَّ وتعدَّد کیونکہ احصا اور عدد میں فرق ہے اور احصا احاطہ بر اعداد ہے "وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا" یعنی مقصود یہ ہے کہ وجودِ امام ظرف ہی ہر ایک شے کا اور کل اشیا مظروف اسی واسطے فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ فرمایا ہے نہ کہ لِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ اسی کو احصا کا مفہوم مقتضی ہے۔ کیونکہ احصا سے ہر ایک شے موجود رہتی ہے۔ اس لئے کہ لغت میں احصا ہر شے کے مقابل ایک کنکر یا سنگریزہ رکھے جانے کو کہتے ہیں بخلاف عدد کے کہ شمار کرتے چلے جاؤ۔ دوسرا آیا تو پہلا چلا گیا۔ پس وجودِ امام مبین خزینۂ موجودات و مادہ کائنات ہے مفسرین (امام مبین سے) لوح محفوظ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ غلط محض ہے کیونکہ لفظ امام لوح محفوظ کے لئے قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔ اگر کہیں ہوتا تو اسکا ذکر ہوتا۔

"اِنَّ الْقُرْاٰنَ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا" قرآن میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں کئی کئی جگہ پر استعمال ہوئے ہیں اگر لوح محفوظ کو امام کہا جاتا تو وہ بھی قرآن میں موجود ہوتا "وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" اسکا دعوے ہے اور

صحیح ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل میں امام مبین حضرت شعیب و حضرت صالح دو پیغمبروں کو فرمایا ہے نہ کہ لوح محفوظ کو اِنَّھُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ" تحقیق کہ وہ دونوں امام مبین ہیں۔

مسِ کتابتِ قرآن

آیہ" لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ" سے ثابت کرتے ہیں کہ کتابت قرآن کو بلا طہارت یعنی وضو و غسل مس کرنا جائز نہیں ہے لیکن ظاہر آیت اسپر دال نہیں کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب سے مراد وجود حضرتِ نبوی ہے۔ اور مس سے مراد باطنی مس البتہ مستنبط ہو سکتا ہے اس طرح پر کہ ہر شے کے چار وجود ہوتے ہیں۔ وجود لفظی جیسے لفظ زید جبکہ زبان سے ادا کریں دوم مکتوبی یعنی بصورت مکتوبی زید۔ سوم وجود ذہنی یعنی زید کا وہ تصور جو کسی متصور کے ذہن میں ہوتا ہے اور وہ مطابق ہوتا ہے وجود خارجی کے۔ چہارم وجود حقیقی جو در اصل زید ہی یعنی اک شخص خاص جو اس نام سے موسوم ہے اور وجود لفظی وجود خارجی پر دلالت کرتا ہے اور اسکو مفید ہوتا ہے کیونکہ اس سے اسکو ایک قسم کی نسبت و تعلق ہی مثلاً جب کہیں کہ زید کو بلا لاؤ تو اس شخص خاص کو بلا لائیں گے نہ اس آواز کو۔ اِسی طرح جب حکم لکھتے ہیں کہ زید پر یہ دعوے ڈگری کیا گیا۔ تو اس شخص سے ڈگری وصول کی جاتی ہے۔ نہ کہ حرفوں یعنی (ز۔ ی۔ د) سے وعلیٰ ہذا القیاس۔ غرض حکم وجود لفظی و کتبی پر وجود حقیقی خارجی جاری ہوتا ہے۔ پس اسی طرح سے قرآن شریف کے بھی چار وجود ہیں ملفوظی مکتوبی ذہنی۔ اور حقیقی۔ اور اصل قرآن وہ ہے۔ جو قلب نبی پر نازل ہوا ہے اور وہ ہی وجود حقیقی ہے نہ وجود ملفوظی و مکتوبی و ذہنی۔ ہاں باقیوں کو اس سے ایک قسم کی نسبت و تعلق اتحادی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس حقیقت قرآن کو سوائے مطہرون کے اور کوئی مس نہیں کر سکتا یعنی مس باطنی۔

پس چونکہ اس وجود مکتوبی (جو قابل مس ہے) کو بھی اس وجود حقیقی سے ایک قسم کا اتحاد ہے۔ لہذا بلا طہارت ظاہری مس کرنا جائز نہیں ہوگا

بہر حال یہ حقیقت قرآن وجود نبی میں ہے اور اس سے امام کو اتحاد نفسی ہے پس وہ بھی وجود امام کے ساتھ متحد ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خدا نے فرمایا ہے "لَن یَّفتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الحَوضَ"

(حاشیہ صفحہ ۴۴) لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا المُطَهَّرُونَ (الصافی) لَا یَطَّلِعُ عَلَی اللَّوحِ اِلَّا المُطَهَّرُونَ مِنَ الکُدُورَاتِ الجِسمَانِیَّةِ اَو لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا المُطَهَّرُونَ مِنَ الاَحدَاثِ الخ فَیَکُونُ نَفیًا بِمَعنَی نَهیٍ۔ وَفِی التَّهذِیبِ عَنِ الکَاظِمِ المُصحَفُ لَا تَمَسَّہٗ عَلٰی غَیرِ طُهرٍ وَلَا تَمَسَّہٗ خَطَّہٗ (خیطہ) وَلَا تُعَلِّقُہٗ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُولُ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا المُطَهَّرُونَ (وفی الاحتجاج) لَمَّا استُخلِفَ عُمَرُ سَاَلَ عَلِیًّا اَن یَّدفَعَ اِلَیهِمُ القُراٰنَ فَیُحَرِّفُوہُ بَینَهُم فَقَالَ یَا اَبَا الحَسَنِ اِن جِئتَ بِالقُراٰنِ الَّذِی جِئتَ بِہٖ اِلٰی اَبِی بَکرٍ حَتّٰی نَجتَمِعَ عَلَیہِ فَقَالَ هَیهَاتَ لَیسَ اِلٰی ذٰلِکَ سَبِیلٌ اِنَّمَا جِئتُ بِہٖ اِلٰی اَبِی بَکرٍ لِتَقُومَ الحُجَّةُ عَلَیکُم وَلَا تَقُولُوا یَومَ القِیَامَةِ اِنَّا کُنَّا عَن هٰذَا غَافِلِینَ اَو تَقُولُوا مَا جِئتَنَا بِہٖ فَاِنَّ القُراٰنَ الَّذِی عِندِی لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا المُطَهَّرُونَ وَالاَوصِیَاءُ مِن وُلدِی فَقَالَ عُمَرُ فَهَل وَقتٌ لِاِظهَارِہٖ مَعلُومٌ قَالَ نَعَم اِذَا قَامَ القَائِمُ مِن وُلدِی یُظهِرُہٗ فَیَحمِلُ النَّاسَ عَلَیہِ فَتَجرِی السُّنَّةُ بِہٖ ؛

اَقُولُ وَفِی التَّحقِیقِ لَا مُنَافَاةَ بَینَ المَعنَیَینِ لِجَوَازِ الجَمعِ بَینَهُمَا وَاِرَادَةِ کُلِّ وَاحِدٍ مِنهُمَا اَو یَکُونُ اَحَدُهُمَا تَفسِیرًا وَالاٰخَرُ تَاوِیلًا (انتہی)

صاحب صافی "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا المُطَهَّرُونَ" کے ذیل میں تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم لوح محفوظ میں ہے اور لوح محفوظ پر سوائے ان مطہرین کے کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا جو کدورات جسمانیہ سے پاک ہیں اور وہ ظلمانی نہیں بلکہ نورانی نفوس ہیں اور وہاں سے علم ان نفوس قدسیہ کے سوا اور کوئی نہیں لے سکتا یا یہ کہ اسکو نہیں چھو سکتے مگر وہ لوگ جو حدث سے پاک ہوں (یا وضو اور با غسل ہوں) اور اس صورت میں یہ نفی بمعنی نہی ہو گی یعنی حکم ہے کہ بلا طہارت اسکو مس نہ کریں (پہلی صورت میں ضمیر غائب لوح کی طرف راجع ہوئی اور دوسری صورت میں قرآن کی طرف) اور کتاب التہذیب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن کو بلا طہارت نہ چھوؤ اور نہ جنابت کی حالت میں اور نہ اسکو لٹکاؤ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ اسکو سوائے مطہرین اور کوئی مس نہیں کر سکتا اور احتجاج

یعنی وجود امام و کتاب اللہ ایک دوسرے سے تا روزِ جزا جدا نہوں گے اور تعریف کتاب میں فرمایا ہے "حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ" یعنی ایک حبل ممدود ہے زمین سے آسمان تک اسی سے ظاہر ہے

یہ ہے کہ عمر کو جب خلیفہ بنایا گیا تو اس نے علی سے سوال کیا کہ وہ اپنا جمع کیا ہوا قرآن دیدیں تاکہ وہ اپنے درمیان اسکو رد و بدل کریں تو کہا کہ اے ابوالحسن اگر آپ وہ قرآن جو ابوبکر کے پاس لائے تھے لے آتے تو بہتر ہوتا تاکہ ہم سب ایک ہی قرآن پر جمع ہو جاتے آپ نے فرمایا ہیہات اب تو اسکی کوئی سبیل نہیں ہو سکتی - میں اسکو ابوبکر کے پاس اسلئے لایا تھا کہ تم پر حجت تمام ہو جائے اور روز قیامت یہ نہ کہو کہ ہمیں اسکی خبر نہ تھی "یا یہ کہو کہ اے علی تم ہمارے پاس یہ قرآن لائے نہیں کیونکہ وہ قرآن جو میرے پاس ہے سوائے مطہر اور میری اولاد کے آئمہ کے اور کوئی نہیں چھو سکتا - اس وقت عمر بن الخطاب نے کہا کہ کیا اس کے اظہار کے لئے کوئی وقت معین ہے - فرمایا - ہاں - جب میری اولاد میں سے امام قائم ظہور کرے گا تو اسکو ظاہر کرے گا اور لوگوں کو اسی کا پابند کرے گا اور یہی سنت جاری ہو گی - میں کہتا ہوں (صاحب صافی) کہ ان دونو معنوں میں کوئی منافات نہیں ہے - کیونکہ دونو معنی مراد لئے جا سکتے ہیں یعنی اس کا علم لوح محفوظ سے سوائے مطہرین کے کوئی حاصل نہیں کر سکتا اور اسکو بلا طہارت کے کوئی نہیں چھو سکتا یا یہ کہا جائے کہ ایک معنی اسکے تفسیر ہیں اور دوسرے اسکی تاویل ہیں - ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی (اور قرآن کی یہی شان ہے کہ اسکا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور باطن کا باطن سات بطنوں تک) یہ ایک دقیق اور طولانی بحث ہے کہ لوح محفوظ کی حقیقت کیا ہے اور وہ کہاں ہے وہ عالم جسمانی سے ہے جیسے کہ ہماری تختیاں ہوتی ہیں یا عالم نفسانی سے جیسے کہ ہمارے نفس میں ہماری معلومات ملکات قائمہ راسخہ ہوتے ہیں یا عالم روحانی سے ہے - پہلی صورت میں قرآن کا لوح محفوظ میں ہونا اور معنی میں ہوگا اور دوسری صورت میں اور معنی اور تیسری صورت میں اور معنی - اور پہلی صورت میں کعبہ یا بیت المقدس یا بیت المعمور یا اور کسی آسمان پر آسمان کو جسم جانتے ہوئے ایک بہت بڑا سائن بورڈ ہوگا اور یہ سب کچھ عالم جسمانی میں ہوگا اور عالم جسمانی اور زمین و آسمان سے پہلے نہ اس لوح محفوظ کا کہیں وجود ہوگا اور نہ اس لوح محفوظ میں قرآن کریم کا اور جب یہ مسلم ہوا کہ قرآن پاک کا وجود زمین و آسمان کے وجود سے مقدم ہے - حامل قرآن جوہر اول و اکمل ہے اور تعلیم قرآن بحامل قرآن خلقت انسان سے اقدم ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" تو عقل کو تفکر کرتے ہوئے حیرت طاری ہو گی اور جب اسکے ساتھ کُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ

کہ اس کتاب سے قرآن کا وجود مکتوبی بین الدفتین مراد نہیں ہے اور مقصود پیغمبر یہ ہے،
کہ میں اس کتاب اللہ کو اپنے ہمراہ نہیں لیجاتا اس کو یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔
پس وہ کتاب وجود امام میں موجود ہے۔ اور وجود امام برائے قیامت ضروری ہے تاکہ امومنین

والطیبین شامل کیا جائے اور نیز اس مسئلہ کو گویا بہ نبوت و رسالت جتنی بھی قرآن پاک ہی تو اور حیرت بڑھے گی اور ماننا پڑے گا کہ وہ لوح محفوظ جس میں یہ قرآن کریم قبل خلقت زمین و آسمان تھا وہ کوئی جسمانی لوح نہیں ہوسکتی ہے۔ وہ لوح بلا شک و شبہ اس عالم روحانی و نورانی کی ہے اور اسی سنخ سے ہوگی اور اگر عالم جسمانی میں کوئی جسمانی لوح ثابت کی جائے گی تو وہ من حیث النزول و بہ نشأت عوالم تیسرے درجہ و مرتبہ پر ہوگی، مرتبہ اول و دوم میں اسکی یہ حقیقت نہ ہوگی۔ لیکن ہم اس بحث کو یہیں چھوڑ کر دوسری صورت سے لا یمسّہ الّا المطہرون پر روشنی ڈالتے ہیں کہ محققین حکماء کے نزدیک وجودات اربعہ (وجود حقیقی، ذہنی، لفظی، کتبی) میں سے وجود لفظی اور کتبی حقیقتاً وجود نہیں بلکہ اسکو وجود کی طرف ایک نسبت رکھنے کی وجہ سے مجازاً وجود کہا گیا ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے اسپر احکام مرتب ہوتے ہیں اور یہ بدیہی ہے۔ کون کہتا ہے کہ لفظ انسان کی آواز جو میرے منہ سے نکلی ہے یہی انسان کی حقیقت واقعیہ خارجیہ ہے یا جو صورت لکھی ہے یہی اسکی حقیقت ہے اور وجود ذہنی اگرچہ وجود کہلاتا ہے اور اسپر وجود کا اطلاق ہوتا ہے لیکن نظر تحقیق میں یہ بھی حقیقی وجود نہیں ہے بلکہ وجود حقیقی کا عکس اور ظل ہے کون ذی عقل کہہ سکتا ہے کہ انسان کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہی اسکی حقیقت خارجیہ ہے یہ اسکی صورت ذہنی ہے نہ وجود خارجی حقیقی وہ تو جسم اور روح کا مجموعہ اعضاء و جوارح کا چلتا پھرتا، ہنستا، بولتا ایک پتلا ہے جو سوز ہنو لا میں نہیں سما سکتا پس قرآن کا وجود حقیقی وجود کتبی نہیں ہوسکتا خواہ آسمانی تختے پر لکھا ہوا ہو یا کسی زمین کے پتھر پر یا کاغذ کے صفحات پر اور نہ وہ آواز حقیقی وجود ہے جو ہمارے منہ سے نکلی ہے۔ نہ صورت ذہنی جو الفاظ قرآنی کے پڑھنے یا سننے سے کسی عالم کے ذہن میں آتی ہے۔ وہ حقیقی وجود ہے خواہ کسی عالم میں ہو اور کسی ذہن میں ہو اور اس لئے قطعاً قرآن کا وجود حقیقی اس وجود کے غیر ہوگا جو لوح محفوظ پر نقش ہوگا۔ اور یقیناً وہ لوح محفوظ کے وجود سے مقدم ہوگا اور ان وجودات کو اس سے نسبت اور ربط ہوگا اور جب یہ مسلم ہوا کہ اسکے وجود کتبی کو چھونا ممنوع ہے اور اسی طرح بحالت جنابت جو حالت نجاست خاصہ ہے۔ اسکی تلاوت درست نہیں ہے مکروہ ہے اور بعض سور کی حرام ہے تو یقیناً اسکے الفاظ اور نقوش سے اسکے معانی اصلیہ کا کسی نجس اور ناپاک دماغ و ذہن میں آنا

کو جزا دی جائے - "یوم ندعوا کل اُناس بامامھم"۔

سوالُ جوابُ طالبُ از اہل علم

وجود پیغمبرؐ افضل ہے وجود قرآن سے لیکن حروف ونقوش قرآن کو بلا وضو مس کرنا ناجائز ہے مگر پیغمبر نے کبھی حکم نہیں دیا کہ مجھکو بلا وضو مس نہ کرو - اور جس وقت مجھ سے مصافحہ کرو تو پہلے وضو کر لیا کرو بلکہ اعراب بے وضو و بے غسل آتے تھے - اور حضرت سے مصافحہ

منتفی ہوگا اور منہی عنہ اور وجود حقیقی پر غیر طاہرین کے لئے اطلاع پانا قطعاً محال ہوگا اور اس وجود حقیقی اور ظلی کے لحاظ سے بلاشک وشبہہ مس سے مراد مس معنوی و باطنی ہوگی نہ ہاتھ سے چھونا - اور اگر وہ وجود حقیقی کا مس غیر طاہر کے لئے جائز یا ممکن ہو تو پھر ان وجودات کا مس جو در اصل وجود ہی نہیں ہے کیونکر منتفی یا منہی عنہ ہوگا اول وہاں منتفی ہے تو پھر یہاں اس نسبت کے لحاظ سے منہی عنہ ہوا تاکہ اصل منسوب الیہ کی حرمت ہر منسوب میں باقی رہے بنا بریں آیہ مبارکہ کے یہی معنی ہوں گے کہ اس قرآن پاک کی حقیقت واقعیہ پر غیر مطہر اطلاع نہیں پاسکتا اور اسکی معانی صحیحہ کسی ناپاک دماغ اور ذہن میں نہیں آسکتے اور اسکے نقوش وخطوط کو غیر مطہر نہیں چھو سکتا اور اس کے سوا عزائم کی تلاوت غیر طاہر (جنب وغیرہ) نہیں کر سکتا - اور عام سور کا پڑھنا مکروہ ہے - اور سات آیات کا استثنا سہولت کے لئے اور تخفیف تکلیف کے لئے ہے "وَلَمْ يُكَلِّفِ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" اور یہ بھی اسلئے کہ وجود لفظی بظاہر ابعد وجودات ہے - اور اس کتاب عظیم اور قرآن کریم کی حقیقت اور لوح محفوظ اور کتاب مکنون کی حقیقت - حقیقتِ روحانیہ محمدیہ سے کسی عالم اور کسی نشاۃ میں جدا نہیں ہوسکتی اور اسلئے قلب محمدی کے لوح محفوظ قرآنی ہونے میں کسی مسلمان کو شبہہ نہیں ہوسکتا اور قلب محمدی سے قرآن لینے اور اسپر اطلاع پانے کے لئے بلاشک وشبہہ طہارت واقعی کی ضرورت ہے اور وہ مطہرین جو اس پر مطلع ہیں نفس محمدی ہیں اور وہ علیؑ و بارہ امام از اولاد علی ہیں "بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم ایک مکمل کتاب لکھ سکتے ہیں - لیکن یہ حاشیہ اس کو مقتضی نہیں ہے یہاں اسی قدر بیان کافی ہے اور ہماری اکثر کتب میں اسکا مختصراً ذکر موجود ہے حسبنا کتاب اللہ میں بھی اشارہ ہے اس لئے بالفعل ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اور تفصیل کی جائے العاقل تکفیہ الاشارہ ؛

کرتے تھے۔ پس کس واسطے حضرت نے حروف قرآنی کو بلا وضو مس کرنے کو حرام قرار دیا اور اپنے جسم اقدس کے لئے ایسا نہ فرمایا؟

آیۃ اللہ و حجۃ اللہ

اثنائے وعظ میں ایک صاحب نے سرکارِ علامہ دام ظلہ کو آیۃ اللہ کہا۔ اس پر سرکارِ علامہ نے فرمایا۔ ایسے الفاظ بلا تکلف استعمال کرنے درست نہیں لفظ آیۃ اللہ مخصوص ہے پیغمبر و امام و اولیاء اللہ کے لئے کہ خدا فرماتا ہے انا "جعلنھا و ابنھا ایۃ للعلمین" ہم نے اس (مریم) کو اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو تمام عوالم کے لئے ایک آیت قرار دیا ہے پس جو حضرات لفظ آیت اللہ کو کسی عالم یا مولوی وغیرہ کے واسطے استعمال کرتے ہیں اگر آیتِ خاص مراد لیتے ہیں۔ جو وجود پیغمبر یا امامؑ ہے۔ تو اس معنی میں دوسرے کے لئے استعمال کفر ہے اور اگر مطلق آیت مراد ہے۔ تو پھر اسکا استعمال کسی عالم یا مجتہد کے لئے نہ تو باعثِ فخر ہے۔ اور نہ اسکی تعظیم و تکریم پر دال اس واسطے کہ اس معنی میں تو ہر ایک شے ہر ایک وجود آیتِ خدا ہے حتیٰ کہ وجود سگ بھی ایک آیت خدا ہے۔ وہ بھی اپنے خالق و صانع پر دلالت کرتا ہے کہ اسکا پیدا کرنے والا بھی کوئی ہے۔ وہ ہی اسکو زندہ رکھتا ہے اور پرورش کرتا ہے بلکہ ذرہ ذرہ خدا کے وجود اور اسکی توحید اسکی قدرت و حکمت کی آیت و نشانی ہے اسی طرح سے لفظ حجۃ اللہ بھی ہر کس و ناکس کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔ البتہ عالم حقیقی و اقعی کے لئے متاخرین نے اسکو جائز جانا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اسحٰق بن یعقوب نے حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ سے دریافت کیا کہ ہم زمانۂ غیبت میں کیا کریں۔ تحریر فرمایا کہ ہمارے راویانِ اخبار سے دریافت کرو جو ہمارے احکام کے عارف ہوں اور حلال و حرام پر نظر رکھتے ہوں۔ کیونکہ وہ ہماری طرف سے حجۃ ہیں لوگوں پر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ حجت ایسے علماء کے واسطے استعمال کر سکتے ہیں۔ جو حرام و حلال سے پورے طور پر واقف ہوں۔ اور اخبار اہل بیت کے راوی۔ نہ کہ ظن و قیاس و رائے پر عمل کرنے والے اور وہ بھی با منا فت یعنی حجۃ الاسلام وغیرہ نہ حجت مطلق یا حجۃ اللہ

کہ یہ خاص ہے امام علیہ السلام کے لیے بعض متاخرین نے لفظ آیت اللہ کو بھی ایسے اشخاص کامل الایمان و کامل العلم کے واسطے جائز جانا ہے۔ مگر آیت اللہ فی العالمین بجز پیغمبر یا امام کے اور کسی کے واسطے کسی وقت اور کسی کے نزدیک جائز نہیں تبارک اللہ نزل الفرقان علے عبدہ لیکون للعالمین نذیرا سے ثابت ہے کہ حجۃ اللہ فی العالمین و آیۃ اللہ فی العالمین امام اور پیغمبر ہی ہے۔ غرض ایسے الفاظ کے استعمال میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے ؛ مؤلف

صفاتِ مشترکہ نبی و امام

آیہ مجیدہ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا

(اسی طرح ہمنے تم کو اُمتِ وسط بنایا ہے کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہو) میں اُمتِ وسط سے مراد امام ہے نہ کہ تمام امت۔ دوسری آیت اس پر بالصراحت دال ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ہ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا وَّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ اس آیت میں بارہ دلیلیں وجودِ امام پر موجود ہیں۔ اس آیت میں خطاب ذریت حضرت ابراہیم کی اس امت مسلمہ سے ہے جس کی حضرت نے دعا کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ (الخ) اور سابق میں ثابت کیا گیا کہ وہ امتِ مسلمہ پیغمبر و نفسِ پیغمبر یعنی علیؑ ہے۔ جو مسلمان باسلام نبوتی تھے۔ بالفطرۃ اور ایک آن واحد کے واسطے شرک نہیں کیا۔ اسی واسطے حضرت علیؑ کو مسلمان کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں حضرت کسی بت کے سامنے نہیں جھکے اور اسی واسطے اس آیت میں لفظ امنوا آیا ہے اسلموا نہیں کیونکہ مسلم پہلے ہی تھے۔ انہیں کو حضرت ابراہیم نے مسلمان و اُمتِ مسلمہ کہا ہے اور یہی شہید علی الناس ہیں۔ شہدا علی الناس عام

اور تمام امتِ محمدی کبھی نہیں ہو سکتی (بعض مفسرین لاہور نے لکھا ہے کہ امتِ مسلمہ سے مراد کفار اولادِ حضرت ابراہیم ہیں۔ جو حضرتِ رسولؐ کے ہاتھ پر ایمان لائے) پس ہر زمانے میں ایک ایسے شہید کا وجود ضروری ہے کہ وہ امام ہے لازم ہے کہ تا قیام قیامت امام موجود رہے اور آیۂ ذیل اسکی شاہد ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس امامت کو اپنی ذریت میں ہمیشہ کے لئے قایم کیا ہے۔ جس کی بابت خدا خبر دیتا ہے "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ" (یعنی اسکو آپنے کلمۂ باقیہ قرار دیا) آیت مذکورہ کے بارہ براہین میں سے یہاں ایک برہان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے "وجاهدوا فی الله حق جهاده هو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج" یعنی جہاد کرو راہِ خدا میں حقِ جہاد کہ خدا نے تمہیں اسی کام کے واسطے انتخاب کیا ہے۔ اور چن لیا ہے اور یہ حقِ جہادِ راہِ خدا حضرت ابراہیم کا کام تھا۔ کہ اول اول یہ جہاد انہی نے کیا۔ کہ بتوں کو توڑا اور خانۂ خدا سے باہر کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حکم تھا کہ تم خانۂ خدا کو پاک کرو "وطهر بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع السجود" میرے گھر کو طواف کرنے والوں۔ عبادت گزاروں اور راکعین ساجدین کے لئے پاک کرو۔

حضرت علی علیہ السلام نے بھی یہ کام کیا۔ وقت نزول آیۂ بعد از بعثت وقبل از ہجرت جبکہ حضرت ختمی مرتبت شعبِ ابی طالب میں محصور تھے حضرت علی مرتضےٰ کو لیکر کعبہ میں آئے اور بتوں کو توڑا (بعد فتح مکہ دوبارہ توڑے گئے حضرت فرماتے ہیں کہ اسکے بعد ہم دور دراز پوشیدہ رہے۔ ابوجہل نے جب بتوں کو دیکھا تو کہا یہ کام سوائے سرخ آنکھوں والے (حضرت علیؑ) کے اور کسی کا نہیں ہے یہ ملت ابراہیمی ہے جسکی امتِ مسلمہ متبع رہی۔ افسوس ہے کہ لوگ ملت کے معنی بھی نہیں جانتے۔ اور سنت و ملت میں فرق نہیں کر سکتے۔

"ملت" کیش ہے۔ اور سنت چند مرتبہ عمل کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے غرض حق جہاد فی سبیل اللہ پیغمبر یا امام ہی ادا کر سکتا ہے اور یہی اسکا خاص فرض ہے پس آیۂ مجیدہ میں جَاهِدُوا فِي اللهِ کے مصداق آئمہ ہی ہیں

جو امتِ مسلمہ ذریتِ ابراہیم ہیں ؎

فرقِ شاہد وشہید بعبارتِ دیگر

شہد دو معنی میں استعمال ہوتا ہے اول بمعنی حضور۔ دوم بمعنی علم، اور اسی سے شاہد ہے اور جب بمعنی حضور ہوتا ہے۔ وہ مفعول بہ کی طرف متعدی ہوتا ہے کقولہ تعالےٰ "اشہد واخلقہم لیشہدوا منافع لھم"۔ "والذین لا یشہدون الزور وما اشہدتہم خلق السمٰوٰت والارض ولاخلق انفسہم" اور نہیں حاضر کیا میں نے ان کو زمین وآسمان کی خلقت کے وقت اور نہ خود ان کے نفسونکی خلقت کے وقت اور اسی سے شہید ہے فالشَّاھِدُ لشَیٔ مَن حضَرَ عندَہٗ صُورَۃُ ذٰلِکَ الشَّیٔ۔ وَالشَّہِیدُ ھُوَ القوَّۃُ الَّتِی بِھَا یَقَعُ الشُّھُودُ وَالحُضُورُ سَوَاءٌ کَانَتْ مفارقۃ اوجسمانیۃ" یعنی شاہد کسی شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شے کی صورت موجود ہو اور شہید وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے شہود و حضور واقع ہوتا ہے۔ خواہ وہ مجرد ہو یا مادی۔ پس بعد معلوم ہونے معنی شہید جاننا چاہیے کہ شہید کبھی تو ذاتِ شے میں داخل اور اس کا مفہوم ہوتا ہے یعنی وجود میں ذاتِ سے مباین نہیں ہوتا کقولہ تعالےٰ وجائت کل نفس معھا سائق وشہید" کیونکہ سائق سے مراد قوتِ علیہ محرکہ ہے۔

اور شہید سے مراد قوتِ مدرکہ علمیہ ہے اور ہر ایک نفس میں یہ دونوں قوتیں موجود ہیں۔ لیکن بلحاظ نقص وکمال۔ شرافت وخست۔ علو و دنائت مراتب مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ اور کبھی شہید مباین از ذاتِ شے ہوتا ہے مثل انبیاء علیہم السلام بلحاظ اپنی امتوں کے اور آئمہ بالقیاس اپنے اتباع واشیاع کے کیونکہ وہ بمنزلہ قوت ادراکیہ ہیں اذ لاعلم ولا شہادۃ للتابع بماھو تابع الاعلم الامام وشہادتہ یعنی تابع کے لئے بحیثیت تابع ہونے کے نہ علم ہے نہ شہادت الاعلم وشہادت امام پس ہر ایک نبی وامام اپنی قوم پر شہید ہے۔ اور آنحضرت صلعم چونکہ امام الائمہ ومرکز دائرۂ نبوت ہیں تمام انبیاء وآئمہ پر شہید ہیں اس لئے سب آپ کے مقتدی اور آپ کے

قدم بقدم چلنے والے اور اپنے مقامات و مدارج میں آنحضرتؐ کے تابع اور وہ سب کے سب روز قیامت آپکے لوائے حمد کے نیچے ہونگے۔ اور اسی پر یہ آیت شاہد ہے "کیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید و جئنا بک علیٰ ہولاء شہیدا" کیونکر ہو گا اسدن جبکہ ہم ہر ایک امت کے شہید کو لائیں گے اور تجھ کو تمام شہید دہنر شہید قرار دیں گے۔ فافہم۔

غرض شاہد کے لیے حضور ضروری نہیں ہے۔ برخلاف شہید کے کہ وہ احاطہ و حضور رکھتا ہے اور حضور و غیاب جسمانی۔ خواب و بیداری۔ قرب و بعد اسکے لئے مساوی ہے۔ وہ ہر وقت ہر شے پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور یہ مخصوص ہے خدا و نبیؐ و امام کے لیے۔ چنانچہ حدیث بخاری اسکی خبر دیتی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا "تنام عینی ولاینام قلبی" میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ منقول ہے کہ حضرت خواب سے بیدار ہو کر بلا وضو ہی نمازیں پڑھ لیتے تھے تو ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے دریافت کیا آپ نے یہ جواب دیا کہ ہماری آنکھ سوتی ہے مگر قلب بیدار رہتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے "نحن معاشر الانبیاء تنام العین ولاینام القلب" ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور قلب بیدار رہتے ہیں یعنی ہماری طرح سے وہ سوتے ہیں بے خبر و غافل نہیں ہوتے۔ اگر اسی طرح غافل ہو جائیں تو شہید علی الناس کس طرح رہیں گے۔ پس خواہ اسجگہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ مگر اسکو دیکھتے ہیں پہاڑ درخت وغیرہ ان کی نظروں کے حاجب و مانع نہیں ہوتے اور شاہد کے واسطے حضور اور شہود ضروری ہے۔ اسی واسطے برادران یوسف نے وقت شہادت سرقہ ماشہدنا الا بما علمنا کہا کہ ہم نے وہی شہادت دی ہے۔ جس کا ہمیں علم ہے ماراٴینا نہیں کہا کہ ہم نے وہی بیان کیا ہے جو دیکھا ہے کیونکہ وہ شہید نہ تھے اور احاطہ نہ رکھتے تھے بہرحال ہر زمانہ میں وجود امام ضروری ہے جو شہید علی الناس ہوتا ہے اور وہ ذریت ابراہیمیہ و اولاد پیغمبر سے ہوگا۔ اگر اور کوئی شخص اس خاندان کے سوا دعوے امامت کرے تو جھوٹا ہے ؛

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ عن الباقر علیہ السلام قال نحن

ایک عالم بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ ایام محرم میں شہید شہید نہیں ہے کیونکہ ان ایام میں تمام توجہ شہید زمان عجل اللہ ظہورہ کرب و بلا کی طرف منعطف ہو کیونکہ جب ہم لوگ ان واقعات ہائلہ

الْأُمَّةُ الْوُسْطُ وَنَحْنُ شُهَدَاءُ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ وَحُجَّتُهُ فِي أَرْضِهِ وَعَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِيَّانَا عَنَى بِقَوْلِهِ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَرَسُولُ اللهِ شَاهِدٌ عَلَيْنَا وَنَحْنُ شُهَدَاءُ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ وَحُجَّتُهُ فِي أَرْضِهِ نَحْنُ الَّذِينَ قَالَ اللهُ فِيهِمْ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (فِي الْكَافِي) عَنِ الصَّادِقِ فِي قَوْلِهِ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا نَزَلَتْ فِي أُمَّةِ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً فِي كُلِّ قَرْنٍ مِنْهُمْ إِمَامٌ مِنَّا شَاهِدٌ عَلَيْهِمْ وَمُحَمَّدٌ شَاهِدٌ عَلَيْنَا۔

أَيْضًا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا الْآيَةَ عَنِ الصَّادِقِ نَحْنُ الْأُمَّةُ الْوُسْطَى وَنَحْنُ شُهَدَاءُ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ وَحُجَجُهُ فِي أَرْضِهِ قُلْتُ (راوی) قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ إِيَّانَا عَنَى خَاصَّةً فَرَسُولُ اللهِ الشَّهِيدُ عَلَيْنَا بِمَا بَلَّغَنَا عَنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَحْنُ الشُّهَدَاءُ عَلَى النَّاسِ فَمَنْ صَدَّقَ صَدَّقْنَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كَذَّبَ كَذَّبْنَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(آیہ مجیدہ) وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الخ) کے تحت میں حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم ہی امت وسط اور خدا کی طرف سے اسکی مخلوقات پر شہید اور اسکی زمین میں اسکی حجت ہیں۔ اور جناب امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے مراد ہم ہی ہیں پس رسول اللہ ہم پر شہید ہیں اور ہم خدا کی طرف سے اسکی خلقت پر شہید ہیں اور اسکی حجت ہیں ہماری شان میں خدا نے فرمایا ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ الخ

کافی میں صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے کیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ آیت خصوصیت سے امت محمدؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ ان میں ہم میں سے ایک نہ ایک امام ہر قرن میں موجود ہے جو ان پر شہید ہے اور محمدؐ رسول اللہ ہم آلؑ پر شہید ہیں اور اسیطرح

کو یہاں پر سن کر مضطرب و بیقرار ہو جاتے ہیں تو امام زمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ان واقعات کو عیاناً دیکھتے ہیں ان کے لئے کوئی حاجب و مانع نہیں تمام منظر اُن کے پیش نظر

آیہ مذکورالصدر وکذالک جعلناکم امۃ وسطا الآیہ کی ذیل میں فرمایا ہے کہ ہم ہی امت وسطیٰ ہیں ہم ہی خدا کی طرف سے اسکی مخلوق پر شہید ہیں اور اسکی زمین پر اسکی حجت ہیں راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا ملۃ ابیکم ابراہیم (الآیہ) سے کیا مراد ہے فرمایا اس سے خاص ہم ہی مراد ہیں یعنی ہم ہی امت مسلمہ ہیں۔ ہمارا ہی نام ہمارے جد ابراہیمؑ نے مسلم رکھا ہے۔ اور ہمارا ہی اس قرآن اور پہلی کتب میں ذکر ہے۔ ہم ہی شہید علی الخلق ہیں پس رسول تبلیغ رسالت میں ہم پر شہید ہیں اور ہم لوگوں پر شہید ہیں پس جو سچا ہے ہم اسکی روز قیامت تصدیق کریں گے اور جو جھوٹا ہے روز قیامت اسکی تکذیب کریں گے اور اسی طرح آیہ مبارکہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون (الخ) (یعنی عمل کرو کہ خدا تمہارے اعمال کو ہمیشہ دیکھتا ہے اور اسکا رسول اور مومنین دیکھتے ہیں) کے ذیل میں حضرت صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں اس آیہ مجیدہ میں والمؤمنون سے خدا نے ہمیں مراد لیا ہے اور رسول اللہ کی طرح ہم بندوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ نیز اسی جناب سے حضرت کاظم علیہ السلام کی ولادت کے ذکر میں خصائص ولادت امام برحق کے ذیل میں مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّخْلُقَ الْاِمَامَ مِنَ الْاِمَامِ بَعَثَ مَلَکًا فَاَخَذَ شَرْبَۃً مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ وَدَفَعَھَا اِلَی الْاِمَامِ فَشَرِبَھَا۔ فَیَمْکُثُ فِی الرَّحِمِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا لَا یَسْمَعُ الْکَلَامَ ثُمَّ یَسْمَعُ الْکَلَامَ بَعْدَ ذَالِکَ فَاِذَا وَضَعَتْہُ اُمُّہٗ بَعَثَ اللّٰہُ الْمَلَکَ الَّذِیْ اَخَذَ الشَّرْبَۃَ فَکَتَبَ عَلٰی عَضُدِہِ الْاَیْمَنِ تَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ فَاِذَا قَامَ بِھٰذَا الْاَمْرِ رَفَعَ اللّٰہُ لَہٗ فِیْ کُلِّ بَلْدَۃٍ مَنَارًا یَنْظُرُ بِہٖ اِلٰی اَعْمَالِ الْعِبَادِ۔

اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا ہے کہ امام کو امام سے خلق کرے تو ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ تحت عرش سے ایک گھونٹ (پانی) کا لیتا ہے۔ امام کو دیتا ہے۔ اس سے امام بنتا ہے اور جب وہ رحم میں جاتا ہے تو چالیس دن تک کچھ نہیں سنتا جب چالیس دن تمام ہو جاتے ہیں تو وہ آواز سننے لگتا ہے اور جب

ہے ان کی کیا حالت ہو گی۔ بلاشبہ آج کل انکی تمام توجہ اپنے جد بزرگوار کی طرف متوجہ ہے
کہ خود حضرت زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں "اٰہ اٰہ یا جدّاہ ولئن اخّرتنی الدھور وعاقنی

وضع حمل ہوتا ہے تو وہی فرشتہ پھر بھیجا جاتا ہے اور اس بچے کے داہنے شانہ پر لکھتا ہے "تمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً لا مبدّل لکلماتہ" یعنی کلمۃ اللہ صدق و عدل کے ساتھ درجہ تمام کو پہنچا اور کلمات اللہ کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اور جب وہ امام ناطق و ظاہر ہوتا ہے تو ہر شہر میں ایک منارہ نور اسکے لئے بلند کیا جاتا ہے جس میں وہ اعمال عباد کو دیکھتا ہے۔ یہ روایت یونس بن ظبیان سے ہے اور روایت ابو بصیر میں یوں ہے کہ جب وہ چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو حیوان نام فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور وہ داہنے شانہ پر لکھتا ہے "تمت کلمۃ ربک الاٰیۃ" اور جس وقت متولد ہوتا ہے تو سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اور ہاتھ زمین پر ٹیک دیتا ہے پس ایک منادی زیر عرش سے من جانب اللہ اس امام اور اسکے والد ماجد کا نام لیکر ندا دیتا ہے ثابت و مستقیم رہو کہ ایک امر عظیم کے لئے میں نے تجھے خلق کیا ہے تو میری برگزیدہ مخلوق ہے میرا راز دار میرے علم کا خزانہ میری وحی کا امین اور میری زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ تیرے اور تیرے دوستوں کے لئے میں نے اپنی رحمت کو واجب کر دیا ہے اور اپنی جنت کو بخشدیا ہے اور اپنے قرب کو حلال کر دیا ہے مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں تیرے دشمنوں کو سخت عذاب کروں گا۔ اگرچہ دنیا میں انکو وسعت رزق کیوں نہ دوں جب یہ آواز ختم ہوتی ہے تو امام جواب دیتا ہے اور کہتا ہے "شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ"۔ جب وہ یہ کہتا ہے تو اللہ علم اولین و آخرین اسکو عنایت فرما دیتا ہے اور اس وقت سے شب قدر میں زیارت روح القدس کا مستحق ہو جاتا ہے "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ" یونس بن ظبیان کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے "رُفِعَ لَہٗ عَمُوْدٌ مِّنْ نُّوْرٍ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یَرٰی مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" یعنی اسکے لئے ما بین زمین و آسمان ایک عمود نور نصب کیا جاتا ہے جس سے مغرب سے مشرق تک تمام اشیاء کو دیکھتا ہے اور ابن مسکان کی روایت میں "رُفِعَ لَہٗ مَنَارٌ یُبْصِرُ بِہٖ اَعْمَالَ الْعِبَادِ" ایک روایت میں ہے "یُجْعَلُ لَہٗ مِصْبَاحٌ مِّنْ نُّوْرٍ وَعُرِفَ بِہِ الضَّمِیْرُ وَیَرٰی بِہٖ سَآئِرَ الْاَعْمَالِ" اس مضمون کی روایات بکثرت ہیں جو معنوی حیثیت سے حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں

عن نصرتک المقدور ولمااکن لمن حاربک محاربا ولمن نصب لک العداوۃ مناصبا فلا ندبنک صباحا ومساحا ولابکین لک بدل الدموع دما (الخ)" اے جد بزرگوار اگرچہ زمانہ نے مجھے تاخیر میں ڈالا اور امر مقدر آپ کی نصرت سے اس وقت مجھے عائق اور مانع ہوا۔ اور میں آپ کے دشمنوں سے جدال وقتال نہ کر سکا اور آپ کے قاتلوں اور مخالفوں سے مقابلہ نہ کر سکا (لیکن) اے جد بزرگوار اب میں صبح وشام آپ پر باآواز بلند گریہ وبکا کرتا ہوں اور اب میں آپ کے لئے اشکوں کی عوض خون روتا ہوں وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

موعظہ پنجم

۶ر محرم الحرام سنہ ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

تفاوت انواع موجودات اور اس کی علت

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ محسوس ومشاہد ہے کہ انواع

اور اگرچہ بعض بعض الفاظ میں اختلاف ہے۔ لیکن معنی ایک ہیں۔ اور ان آیات شہادت کے ساتھ ان روایات کو ملانے سے واضح ہے کہ امام شہید ہے اور امام اعمال عباد کو دیکھتا ہے اور اس صورت میں شہید کے معنی حاضر وناظر ہی ہوئے اور اسکی مزید تصریح مواعظ کے ضمن میں آئندہ بھی آئے گی۔ ناظرین کی خاطر ہم نے پہلے چند اقوال معصومین درج کردئے ہیں تاکہ موجب بصیرت ہوں بعض اہم شبہات کا جواب ہم کتاب کشف الاسرار میں لکھ چکے ہیں۔ اہل تحقیق وہاں سے مطالعہ فرمائیں۔ یہاں حاشیہ میں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اور شہید کی شان سمجھنے کے لئے اسی قدر اشارات کافی ہیں واللہ اعلم باسرار اولیائہ ۔

موجودات مختلف درجات رکھتی ہیں خواہ جماد ہو یا نبات وحیوان - نباتات میں بشمار مختلف درجہ ہیں - بعض ایسی ہیں - جو ایک دو روز ہی میں خشک ہو جاتی ہیں - اور بعض ایک یا دو ماہ بعد، بعض اپنے موسم تک باقی رہتی ہیں - اور پھر خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہیں - اور بعض کئی کئی برس تک باقی رہتی ہیں - یہانتک کہ بعض درخت ایسے بھی پائے جاتے ہیں - جو ہزاروں برس قائم وباقی رہتے ہیں - بعض درخت ایسے ہیں کہ باوجود جسیم ہونے کے بھی سخت سردی و برف وغیرہ کی برداشت نہیں کر سکتے - اور بعض باوجود نہایت نازک بیل ہونے کے موسم سرما میں اسی طرح باقی رہتے ہیں پس اگر ان چیزوں کو دیکھ کر بظاہر حکم کیا جائے - تو غلط ہوگا - عقل ظاہر بین ان میں کبھی صحیح حکم نہیں کر سکتی - کدو کی بیل نہایت نازک ہوتی ہے - کہ ذرا ملنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور خراب ہو جاتی ہے اس نازک بیل میں ایک ایک کدو بیس بیس سیر کا لگتا ہے - اور ایسا سخت ومضبوط ہوتا ہے کہ بعض اوقات چاقو سے نہیں کٹتا ، اگر کدو کو توڑ کر اور بیل سے علیحدہ کر کے ایسے شخص کو دکھلایا جائے - جو اس سے واقف نہیں ہے اور کہا جائے کہ یہ پھل اس نازک بیل سے پیدا ہوا ہے اور نکلا ہے تو وہ اسکے ظاہر پر نظر کر کے یہی کہیگا کہ بالکل غلط ہے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا - اور اسکو کبھی یقین نہ آئے گا - کہ یہ کدو اس نازک بیل سے نکلا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ ظاہر پر نظر کر کے حکم کر رہا ہے لیکن جو شخص اسکی حقیقت سے واقف ہے اسکو ذرا بھی شبہہ نہ ہو گا - غرض حسب ظاہر حکم کرنا غلطی ہے - موجودات عالم کی قوتوں اور ان کی بقا ونشو ونما کا یہ فرق ظاہری جسامت ومادیت پر موقوف نہیں ہے - بلکہ باطنی قوت پر موقوف ہے جس میں وہ قوت زیادہ ہے - زیادہ دیر باقی رہتا ہے اور سردی اور گرمی وہوا کے صدمات کو برداشت کرتا ہے - اور جس میں قوت کم ہے وہ کم باقی رہتا ہے اور صدمات ارضی وسماوی کو برداشت نہیں کر سکتا - بہر حال نقص وکمال باطنی کا نتیجہ واثر ہے نہ کہ ظاہری جسامت وغیرہ کا ؀

(**حکایت**) دو طالب علم عراق عرب سے تحصیل علوم کر کے اپنے وطن بخارا کو واپس جا رہے تھے

ایک اُن میں کمسن، لاغر اور قصیر القامت تھا - اور لباس بھی معمولی پہنے ہوئے تھا دوسرا کبیر السن - طویل القامت - اور جسیم تھا - اور جبہ، عبا، قبا، عمامہ، کفش وغیرہ سے آراستہ - دونوں میں گفتگو ہونے لگی - بڑے نے کہا تم اتنے دنوں عراق میں رہے مگر کچھ نہ کیا - وطن پہنچو گے - تو تمہاری کچھ عزت نہ ہوگی لوگ جب میری عبا قبا - جبہ و دستار اور ڈاڑھی اور اس جسم کو دیکھیں گے میری عزت و توقیر و تعظیم کرینگے - اور بڑا عالم سمجھیں گے اور تمہیں کوئی پوچھیگا بھی نہیں چھوٹے نے ایک حکایت بیان کی کہ جناب عالی ایک درخت مدت سے ایک جنگل میں کھڑا تھا، اُس کے نیچے سے ایک بیل اُگی اور تین ماہ کے عرصہ میں درخت کی چوٹی سے بلند ہو گئی - اور درخت سے کہنے لگی - کہ میں تین ماہ میں اتنی بڑھی اور تو اتنی مدت سے یہاں کھڑا ہے مگر کچھ ترقی نہیں کی - درخت نے جواب دیا جب ہوا چلیگی اور برف پڑے گی - ترقی معلوم ہو جائے گی - سو جناب عالی جب آپ سے کوئی علمی سوال کیا جائے گا - اس وقت آپ کی قلعی کھل جائے گی - بزرگی بعقل است نہ بسال نہ بہ لباس :-

بہر حال اسی طرح سے انسان بھی بیشمار مختلف درجے رکھتے ہیں اور ہر ایک اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف و متفاوت ہوتے ہیں بعض باعتبار جسامت بہت لاغر ہوتے ہیں - مگر قوت و طاقت میں جسیموں سے زیادہ - بعض معمولی حادثے کی برداشت نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں - کہ خواہ ان پر کتنے ہی مصائب نازل ہوں مضطرب نہیں ہوتے وعلیٰ ہذا القیاس :-

تحمل انبیاء علیہم السلام

انبیاء اگرچہ صورت بشری میں ہوتے ہیں مگر مصائب و شدائد میں سب سے زیادہ متحمل دیکھئے حضرت ابراہیم سولہ برس کے سن میں نمرود کے مقابلہ پر آتے ہیں - جو خدائی کا دعوے کرتا ہے - بتوں کو توڑتے ہیں - ذرا خائف اور ہراساں نہیں ہوتے نہ بھاگتے ہیں نہ چھپتے ہیں - بلکہ کمال استقلال سے قوم کو جواب دیتے ہیں

فَاسْئَلُوھُمْ اِنْ کَانُوا یَنْطِقُوْنَ یعنی اگر بت کلام کر سکتے ہیں تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کو کس نے توڑ کر فنا کر دیا ہے بعض نافہم اس مقام سے حضرت ابراہیم پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت نے نعوذ باللہ جھوٹ کہا۔ بلکہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے تمام عمر میں تین دفعہ جھوٹ کہا ہے۔ مگر یہ غلط فہمی ہے یہ جھوٹ نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا استدلال و احتجاج ہے اسکات خصم کے لئے۔ چنانچہ وہ ایسے لاجواب وساکت ہوئے کہ اسکا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ اور سخت شرمندہ ہوئے (والتفصیل فی مقامہ)

نیز بکمال قوت قلب نمرود سے مباحثہ کیا۔ اول دلیل جدلی سے اسکو ملزم کیا اور پھر برہان واقعی سے "فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" وہ کافر حیران ولاجواب رہ گیا اسی واسطے خدا فرماتا ہے "لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ" انبیاء میرے پاس کچھ خوف نہیں کرتے اور کسی سے نہیں ڈرتے

رفع اشتباہ بعض آیات سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض انبیاء سے خوف ظاہر ہوا ہے جیساکہ حضرت موسےٰ فرماتے ہیں ففررت منکم لما خفتکم یعنی میں نے تم سے ڈر کر تم سے فرار کیا۔ لہذا اس آیت اور پہلی آیت میں بظاہر منافات معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت موسیٰ جیسے نبی فرعونیوں سے ڈرے کیوں؟ جواب یہ ہے کہ اول تو یہ خوف آیات الہی سے تھا نہ کہ فرعونیوں سے دوم یہ کہ قبل بعثت تھا یعنی جبکہ آپ کو اظہار نبوت اور مقابلہ کی اجازت نہ ملی تھی اور یہی وجہ حضرت ختمی مرتبت اور جناب ولایت مآب کے بت توڑنے کے بعد شعب ابی طالب میں پوشیدہ رہنے کی ہے نہ کہ ابوجہل یا دیگر مشرکین مکہ کے خوف سے چھپے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب ابوجہل نے بتوں کو ٹوٹے ہوئے دیکھا تو حضرت ابو طالب سے کہا کہ یہ کام سوائے تمہارے بیٹے سرخ چشم علیؑ کے اور کیکا نہیں

نوٹ: حضرت عقیل بن طالب نہایت تند مزاج تھے ایکمرتبہ انکی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ انکی والدہ دوا ڈالنا چاہتیں تو نہ ڈلواتے۔ ہر چند کوشش کرتیں۔ مگر نہ مانتے اور کہتے کہ اول علی کی آنکھ میں ڈالو تو میں ڈالونگا۔ مبادا میری آنکھ پھوڑ دو۔ مجبوراً آپ اول علی کی آنکھ میں بلا ضرورت دوا ڈالتیں۔ اسوجہ سے انکی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور احمر العین کہلانے لگے تھے۔

تو اس وقت حضرتؑ نے اقرار کیا ہے۔ کہ ہاں میں نے توڑے اور میں اسپر مامور تھا۔ اور یہاں
تو خوف کا ذکر بھی نہیں ہے حضرتؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم مشرکین سے ڈرے بلکہ یہ فرمایا ہے
کہ ہم دونوں پوشیدہ رہے و اختفینا لیلتین۔

قاعدہ کلیہ پیغمبر اور امام ہر وقت تابع حکم الٰہی ہے۔ بلا اُسکے حکم کے کچھ نہیں کر سکتا۔
پس بعض وقت اسکو جدال و قتال کا حکم ہوتا ہے۔ اور بعض وقت اس
پر مامور نہیں ہوتا جس وقت مقابلہ و قتال پر مامور ہوتا ہے۔ اُس وقت اگر سارا عالم اُسکے
مقابلہ پر آجائے کبھی خوف نہ کرے گا۔ ہرگز نہ بھاگے گا۔ اگر بھاگے تو نبی اور امام نہیں اور
جس وقت مقابلہ و قتال پر مامور نہیں۔ اس وقت اسکے لئے ضروری ہے کہ اپنی حفاظت کرے
یا تو اپنے کو چھپلے یا کوئی معجزہ ظاہر کرکے دشمن کو رد کرے اور دشمن کو ضرر پہنچائے جیسا کہ بعض
اوقات حضرتؐ ختمی مرتبت سے ظاہر ہوا کہ دشمن قتل کے ارادہ سے آیا ہے اور ہاتھ اُٹھایا
ہے تو ہاتھ خشک ہو گیا مگر ہر وقت پیغمبر و امام آیات و معجزات ظاہر کرنے پر بھی مامور نہیں۔
اگر آیۂ استیصال ظاہر کرے کہ سب کے سب فنا ہو جائیں۔ تو تبلیغ کس کو کرے گا اور حجت خدا
کس طرح تمام ہو گی۔ ہدایت معطل رہ جائے گی ایسے وقت میں آیۂ استیصال ظاہر
نہیں کرتا بلکہ اپنی حفاظت کرتا ہے۔ اور اگر وہ طلب بھی کریں تو فرماتا ہے قَدْ جَاءَکُمْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (آل عمران
ع ۱۹) یعنی مجھ سے پہلے اور رسول معجزات کو لے کر آئے۔ اور وہی معجزہ دکھایا
جب تم مانگتے تھے۔ اگر تم سچے ہو۔ تو پھر تمنے انکو کیوں قتل کر دیا۔ اور ایمان کیوں نہ لائے
پس حضرت موسیٰؑ کو اپنی حفاظت کا خیال مامور نہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ اور یہی معنی خوف
انبیاء کے ہیں:۔

فضائل و مقامات صبر شدائد و ابتلاآت میں پیغمبر یا امام نے کبھی خوف نہیں کیا
اور بھاگے نہیں بلکہ اُسکے دفع کے لئے دعا بھی نہیں کی۔

مگر بعض انبیاء سے ایسا ظاہر ہوا ہے کہ انھوں نے رفع شدائد کے واسطے دعا کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء بھی مساوی درجہ نہیں رکھتے۔ مقامات متفاوتہ رکھتے ہیں تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ انبیاء میں بھی خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضرت ایوبؑ نے لسانِ مفہومی میں زبان حال سے اس کی خواہش کی اور فرمایا رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اور لفظ ضر ضاد کے پیش کے ساتھ یعنی تکلیف باطنی ہے نہ ضر یعنی نقصان مال وغیرہ اور جو قصہ کرم وغیرہ حضرت ایوبؑ کی نسبت مشہور ہے۔ وہ غلط ہے بلکہ آپ کا یہ فرمانا تکلیف باطنی کی وجہ سے تھا۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ شیطان لعین نے آپکی زوجہ کے پاس آکر یہ کہا تھا۔ کہ اگر ایوب مجھے ایک دفعہ تعظیم دیتا تو اسکی ساری تکالیف رفع ہو جاتیں۔ چونکہ ناموس کا معاملہ تھا۔ حضرت ایوبؑ کو شیطان کا اپنی زوجہ کے پاس آنا اور نبیؑ کو اپنی طرف دعوت کرنا نہایت گراں گذرا۔ اسپر عرض کیا رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین اب یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا ہے اور انبیاء اولوالعزم کا صبر غیر اولوالعزم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حکم ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو اصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لھم یعنی اے پیغمبر مثل انبیاء اولوالعزم صبر کرو اور ان کے لئے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو اور فرمایا ولا تکن کصاحب الحوت اور مثل یونس بن متی ہو۔ کہ انھوں نے طلب عذاب میں جلدی کی۔ اور انبیاء اولوالعزم کا سا صبر نہ کیا۔ غرض صابر تو تمام انبیاء ہوتے ہیں لیکن حسب تفاوت نبوت درجات مختلفہ رکھتے ہیں۔ مگر اس صفت سے متصف سب ہوتے ہیں سورۂ انبیاء میں بعد ذکر انبیاء سب کے حق میں فرماتا ہے واسمعیل وادریس وذا الکفل کل من الصابرین وادخلناھم فی رحمتنا انھم من الصلحین ایسے ہی مدح حضرت اسمٰعیل میں دوسری جگہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ صابر تھے کہ اپنے پدر بزرگوار کے استفسار کے جواب میں فرمایا ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین اور آیہ مجیدہ وجعلنا ھم

ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا" میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو امام اسی وجہ سے بنایا گیا کہ وہ صابر ثابت ہوئے اور سورہ "والعصر" میں فرماتا ہے کہ تمام انسان خسارے ہیں ہیں سوائے ان لوگوں کو جو ایک دوسرے کو وصیت بالصبر کرتے ہیں۔ ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر خاصۂ نبوت و امامت ہے۔ اور امام کی شناخت صبر سے ہوتی ؛

نکتۂ بلیغہ ۔ ان آیات میں جن میں صبر انبیاء کا ذکر ہے ۔ خواہ ان کی زبانی یا خود خداوند عالم نے ان کی مدح کے موقع پر فرمایا ہے لفظ (من) موجود ہے یعنی من الصّابرین ہے کہ وہ صابرین میں سے تھے اور اسی طرح جہاں کہیں صالحین کا ذکر ہے وہاں بھی یہی حال ہے کہ من الصّالحین ہے اسی طرح مسلمین کا حال ہے کہ وہاں بھی من المسلمین ۔ چنانچہ حضرت نوح کا قول وانا من المسلمین یعنی میں مسلمین میں سے ہوں ۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر اول وصالح اول و مسلم اول کوئی اور موجود ہیں کہ جن میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں ۔ پس دیکھنا چاہیے کہ صابر اول و صالح اول کون ہے ؟

بعض کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم اول مسلم ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت نوح اُن سے پہلے ہیں وہ فرماتے ہیں انا من المسلمین پس حضرت نوح سے پہلے وہ مسلمین موجود ہیں لہذا اول المسلمین حضرت ابراہیم نہیں بلکہ اول المسلمین وہ ہے جو فرماتا ہے اُمرتُ لان اکون اوّل المسلمین یعنی اول المسلمین سوائے ذات بابرکات حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور کوئی نہیں ہے وہی جناب فرماتے ہیں انا اول المسلمین پس وہ ہی اول صابرین و صالحین ہیں ؛

معنی صبر معنی صبر "کف النفس عمّا لا ینبغی" ہے یعنی نفس سے وہ باتیں صادر و ظاہر نہ ہوں جو مناسب نہیں ہیں اور یہ غلط ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ صبر کے یہ معنی ہیں کہ انسان مصائب و شدائد و بلیات میں چُپ چاپ خاموش بیٹھا رہے ۔ کچھ نہ کرے کیونکہ نصوص آیات اسکی نفی کرتی ہیں ۔ دیکھو قصہ حضرت یعقوب جس وقت بن یامین کو حضرت

یوسف نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور برادران یوسف نے حضرت یعقوبؑ سے یہ حال بیان کیا تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا فصبرٌ جمیلٌ یعنی میرا صبر صبرِ جمیل ہے۔ یا میں صبرِ جمیل کرتا ہوں اور ان کے پشت پھیرتے ہی فرمایا یا اسفٰی علٰی یُوسُفَ ہائے افسوس یوسف پر۔ (یا) حرف ندا ہے اور اسفٰی میں الف حرف ندبہ ہے اور ندبہ باآوازِ بلند رونے اور فریاد کرنے کو کہتے ہیں لہذا یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ باآوازِ بلند روئے اور پھر اسکو صبرِ جمیل فرماتے ہیں پس معلوم ہوا کہ رونا خلافِ صبر نہیں بلکہ رونا اور اپنے حزن و ملال کو اپنے پروردگار کے سامنے عرض کرنا عین صبر ہے نہیں بلکہ صبرِ جمیل ہے چنانچہ اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کا یہ قول ہے قَالُوا تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْتَکُوْنَ مِنَ الْھَالِکِیْنَ قَالَ اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اس رونے پر اُن کے بیٹوں نے کہا کہ تم برابر یوسفؑ کو یاد کئے جاؤ گے یہاں تک کہ عشق میں گھل کر لاغر قریب ہلاکت یا ہلاک ہو جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنی پریشانی اور اپنے حزن و ملال کی اپنے اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں۔ اور میں من اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ پس رونا اور اپنے خدا سے اپنی تکالیف کا ذکر کرنا بے صبری نہیں ہے بلکہ عین صبر ہے۔ نہیں بلکہ صبرِ جمیل ہے۔

اسی طرح حضرت ایوبؑ کا رونا مشہور ہے مگر حضرتؑ کو قرآن میں صابر کہا گیا ہے لہذا اگر رونا خلافِ صبر ہوتا۔ یا برا کام ہوتا۔ تو انبیاء سے ہرگز صادر نہ ہوتا۔ کیونکہ انکا ہر فعل فعلِ خیر ہوتا ہے نہ کہ شر اِنَّھُمْ یُسَارِعُوْنَ اِلَی الْخَیْرَاتِ پس بحکم فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ ہم کو چاہیے کہ رونے میں انبیاء علیہم السلام کی تقلید کریں اور خوب روئیں فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا۔

معنی بے صبری	بے صبری در اصل یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ خدا پر اعتراض کرے کہ تو نے ایسا کیوں کیا یا تو نے برا

کیا یا مجھ پر ظلم کیا یا سوائے خدا کے کسی دوسرے سے شکایت کرے **یعنی فعل کو فاعل پر اعتراض کرنیکا نام بیصبری ہے** حضرت موسیٰ و حضرت خضر کے قصہ سے پوری تصدیق ہوتی ہے قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا یعنی حضرت موسیٰ نے کہا کہ کیا اس شرط پر تمہارے ساتھ چلوں کہ تم مجھے وہ باتیں سکھا دو جو تمہیں من جانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا حضرت خضر نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے یعنی تمہارے وجود میں وہ قوت ہی نہیں ہے کہ تم صبر کر سکو وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا "اور تم کیونکر اسبات پر صبر کر سکتے ہو جسپر تمہارا علم احاطہ نہیں رکھتا؟" قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا کہا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہاری کسی امر میں مخالفت نہ کروں گا پس حضرت موسیٰ نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا تو حضرت خضر نے جواب دیا "أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا" کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا؟ کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت ہی نہیں رکھتے ہو پھر جب قتل غلام پر اعتراض کیا تو پھر حضرت خضر نے بھی فرمایا "أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا" اس سے معلوم ہوا کہ بے صبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا ہے اور نتیجہ ہے لاعلمی کا انسان کو جس بات کا علم نہیں۔ اس پر صبر نہیں کر سکتا رحسی مثال) جراح جس وقت فصد کھولتا ہے یا کسی عضو کو کاٹتا ہے۔ اگر وہ شخص عالم ہے اس بات کا کہ اس عمل سے اسکو کس قدر فائدے حاصل ہوں گے۔ اور کیسے کیسے مفید نتائج مرتب ہوں گے اور یہ معمولی سی تکلیف ہمیشہ کے آرام کا باعث ہو گی۔ تو وہ اس تکلیف پر صبر کرتا ہے اور خوشی سے عضو کٹوا دیتا ہے۔ بخلاف اسکے جو شخص اس سے ناواقف ہے۔ وہ صبر نہ کر سکیگا اور اسکو گوارا نہ کرے گا۔ پس بے صبری دلیل بے خبری ہے اور صبر موافق مقدار علم ہوتا ہے۔ جس کا صبر زیادہ ہے اسکا علم بھی زیادہ ہو گا۔ یا یوں کہئے کہ جس قدر جس کا علم وسیع ہو گا اسی قدر اسکا صبر وسیع ہوتا ہے۔ غرض صبر مراحل علم سے ہے۔ اور صابر

مطلق خدا ہے اور صبر اسکا ذاتی - فرعون اس کے مقابلہ میں دعوے خدائی کرتا ہے اور خدا اسکو چارسو سال تک مہلت دیتا ہے اور انتقام نہیں لیتا اور مظہر اس صبر مطلق کا ذاتِ مقدس محمدی ہے - جس قدر بلیات پڑتی ہیں بخوشی تحمل کرتے ہیں قوم سے جس قدر ایذا پہنچتے ہیں اسکی شکایت نہیں کرتے بلکہ اسکے لیے یہی دعا کرتے ہیں رَبِّ اھْدِ قَوْمِی اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (یعنی اے میرے پروردگار میری قوم کو ہدایت دے کہ میری قدر کریں کہ یہ جاہل ہیں مجھے نہیں پہچانتے) کیونکہ آپ بعثت کے فوائد وعواقب کو خوب جانتے تھے - لہذا باوجود گوناگوں مصائب وشدائد کے قوم کے حق میں دعا کرتے تھے نہ کہ بد دعا - جنگ احد میں حضرتؐ کے دندان مبارک شکستہ ہوتے ہیں مگر آپ شکایت نہیں کرتے - کیونکہ اُن کا احاطہ علمی نہایت وسیع ہے غرض بے صبری نتیجہ بے علمی ہے - اور اس میں حسب مراتب علمیہ کمی وبیشی ہوتی ہے ۰

صبر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ

اولاد جزو انسان ہوتی ہے - اسکی مفارقت وجدائی نہایت شاق گذرتی ہے - اسکی تکالیفیں سخت دردانگیز ہوتی ہیں کون انسان ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو سامنے ذبح ہوتے دیکھ سکے - چہ جائے کہ بطیب خاطر ذبح کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے - یہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا کلیجہ تھا واقعا جو کام اُنھوں نے کیا کسی سے نہیں ہوسکتا - ایک ایسے بیٹے کے ذبح کے لئے تیار ہوگئے جو پیغمبر برگزیدہ خدا تھے - کیونکہ اس کے انجام سے واقف تھے - اور چونکہ حضرت اسمٰعیلؑ بھی پیغمبر تھے اور علم احاطی رکھتے تھے - باپ کے استفسار پر انکار نہیں کیا اور نہ اعتراض کیا فوراً ذبح کے لئے آمادہ ہوگئے اور فرمایا یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ ؂

صبر ابراہیمؑ کربلا

لیکن جو صبر ان ایام میں فرزند پیغمبرؐ نے کیا ہے وہ نہ کسی نبی سے ہوسکا اور نہ وصی نبی سے وہ مظہر صبر محمدی ہے - اگر تمام پیغمبروں کے صبر جمع کرکے صبر حسینیؑ سے موازنہ کیا جائے تو صبر حسینیؑ بدرجہا راجح ہوگا - حضرت نوحؑ جیسا پیغمبر اولوالعزم قوم کے ظلم سے تنگ آکر یہ دعا کرتا ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا

گر ابراہیمی قربانی کو حسینؑ ہی روز عاشورا فعلیت میں لائے۔ یعنی مقصود یہ تھا۔ کہ جو امر اُسوقت فعلیت میں نہ آسکا اُسے میں بجالاتا ہوں۔ واقعًا امام حسینؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہیں زیادہ کر دکھایا۔ اس بات میں مورخین کو اختلاف ہے کہ خاندان بنی ہاشم میں روز عاشورا پہلا شہید کون ہے؟ لیکن فرمائش امام زمان عجل اللہ فرجہ سے ظاہر ہے کہ اول مقتول علی اکبر فرزند سبط پیغمبرؐ ہیں۔ سب سے پہلے اپنے ہی لخت جگر کو قربان کیا تاکہ دوسروں کے لئے حجت و دستور العمل ہو۔ حضرت ابراہیمؑ اول جناب اسمٰعیل سے استفسار کرتے ہیں کہ مجھکو خدا کا حکم اس طرح سے پہنچا ہے کہ میں تمہیں ذبح کروں تمہاری اس میں کیا رائے ہے؟ مگر حسینؑ مظلوم کے صبر کو دیکھئے کہ وہ استفسار نہیں فرماتے مشورہ نہیں لیتے بلکہ اول ہی فرماتے ہیں یا بُنَیَّ تَقَدَّمْ میرے فرزند میدان جنگ میں شہید ہونے کے لئے جاؤ۔

حضرت علی اکبر فورًا حکم سنتے ہی چل دیتے ہیں۔ اسوقت حسینؑ ان کی آمادگی دیکھ کر فرماتے ہیں اِلَیَّ اِلَیَّ اے فرزند میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ۔ حضرت علی اکبرؑ واپس آئے تو حضرت نے صندوق اسباب و تبرکات نبوت طلب فرمایا اس میں سے زرہ ذو الفضول نکال کر خود پہنی اور جو خود پہنے ہوئے تھے اتار کر شہزادہ علی اکبرؑ کو پہنا دی اور عمامۂ سحاب اپنے سر مبارک پر رکھا اور عمامۂ سیاہ جو سر اقدس پر تھا علی اکبرؑ کے سر پر رکھ دیا۔ اسی طرح شمشیر جناب امیرؑ نکال کر آپنے لگائی اور اپنی تلوار علی اکبرؑ کی کمر سے باندھی اور اسپ سابح جسکو عقاب بھی کہتے تھے منگایا اور علی اکبرؑ کو اس پر سوار کیا۔ اسوقت تمام عورتیں قطار باندھے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھیں جب تمام ہتھیار زیب تن فرما چکے اور علی اکبرؑ جانے لگے اس وقت حسینؑ مظلوم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ یعنی درجات و مقامات حضرت علی اکبرؑ بیان فرماتے ہیں کہ بعد درجہ امامت میری ذریت میں سے یہ جوان سب سے افضل ہے اور پھر فرمایا اللّٰھم اشھد علٰی ھٰؤلاءِ القوم فانہ قد برز الیھم غلامٌ اشبہ الناس خلقًا و خُلقًا

وَمُنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَكُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّكَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْهِهٖ یعنی اے پروردگار اس قوم پر گواہ رہیو کہ اب تیری راہ میں قربان ہونے کے لئے وہ شاہزادہ چلا ہے۔ جو خلق اور خُلق رفتار وگفتار میں تیرے رسول سے مشابہ ہے اور جب ہم تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اسکی صورتِ زیبا دیکھ لیا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ کو کہاں حاصل تھی بہت فرق ہے ذبیح منیٰ اور ذبیح کربلا میں حضرت ابراہیمؑ اپنی اس **فعل خاص کی وجہ سے فتیٰ کے لفظ** سے متصف وملقب ہوئے کیونکہ فتیٰ (جوانمرد) اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو راہ خدا میں اپنے جان ومال عزت وناموس سب سے گذر جائے اور سب کچھ قربان کردے۔ کسی چیز کی پروا نہ کرے ؁

اصحابِ کہف کو اسی لفظ سے یاد کیا گیا ہے کَانُوْا فِتْیَۃً اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ یعنی وہ چند جوانمرد تھے۔ جو اپنے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ اُن سے کیا فتوت (جوانمردی) ظاہر ہوئی تھی۔ صرف یہ کہ اپنا مال و دولت۔ جاہ وحشم چھوڑ کر چلے گئے اور دین سے منہ نہ موڑا مگر حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام آیۂ قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں اَمْ حَسِبْتُمْ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ اصحاب کہف ہماری آیات عجیبہ سے ہیں اور مطلب حضرت کا یہ ہے کہ میرا حال اصحاب کہف سے کہیں عجیب تر ہے۔ جو کام اصحاب کہف نے کیا ہے۔ وہ تو میرے اصحاب سے ظاہر ہوا ہی بلکہ اس سے زیادہ میرا معاملہ تو ان سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہے اُن کو یہ یقین نہ تھا کہ انکے بعد ان کے اہل وعیال لوٹے جائیں گے۔ یا اسیری کی بلا میں مبتلا ہوں گے اور در بدر پھرائے جائیں گے۔ ان کا جوان بیٹا اُن کے سامنے سنانِ ظلم کا شکار نہ ہوا تھا اُن کے سامنے عباس جیسے برابر کے بھائی کے شانے نہ کاٹے گئے تھے۔ اُن کے ہاتھوں پر چھ مہینہ کا بچہ تیر ظلم وستم کا نشانہ نہ ہوا تھا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ مصائبِ ابراہیم کربلا کا۔ اگر تنہا مصیبت ہو تو اسکا موازنہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جب بیشمار مصیبتیں ایک بار

وارد ہوں - اس وقت یہ اندازہ مشکل ہے کہ کون سی مصیبت سب سے بڑی ہے - سب سے بڑی وہ مصیبت ہے جو صابر کامل کو مضطرب کر دے - اگرچہ بعض اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر کی مصیبت حضرت ابی الفضل العباس کی مصیبت سے بڑھی ہوئی تھی - کہ ان کی شہادت پر پردگیان عصمت وطہارت خیمے سے باہر نکل پڑیں تھیں - مگر امام مظلوم کو عباس کی شہادت زیادہ ناگوار گزری اور سخت اثر کیا - مورخین نے باتفاق ایک لفظ لکھا ہے وہ یہ ہے "سَقَطَ کَالصَّقْرِ الْمُنْقَضِّ" یعنی جس وقت امام مظلوم ہم شکل پیغمبر کی لاش پر پہنچے ہیں تو اس طرح سے بے اختیار ہو کر لاش پر گرے - جس طرح شکاری پرند اپنے شکار پر گرتا ہے :

مگر جس وقت حضرت عباس کے لاشے پر پہنچے ہیں - تو وہاں بھی اسی طرح سے مضطربانہ گرے مگر ایک زیادتی فرمائی یعنی بھائی کی لاش کو دیکھ کر فرمایا اَلْآنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِی وَقَلَّتْ حِیْلَتِی یعنی میرے قوت بازو کے شانے کٹ جانے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور روح حیات جاتی رہی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

موعظہ ششم

۷ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یوم ندعوا کل اناس بامامهم

مسلمانوں کی حالت

اخبارات چند روز سے ایک مضمون خاص (عزاداری وگریہ بکا حرام و بدعت ہے) کو شائع کر رہے ہیں - افسوس ہے - اہل اسلام کی حالت پر - اگر ایک چیز نہ ہوتی - تو یہ اختلاف وافتراق پیدا نہ ہوتا یعنی اگر آرا شخصیہ کو دین میں دخل نہ ہوتا - تو یہ صورت نظر نہ آتی شخصی رائیں جزو دین ہو گئی ہیں - کہ

اس وقت اُنکا جدا کرنا ممکن ہے عام قاعدہ یہ تھا - کہ عالم جو بات کہتے تھے - جاہل اُسکی تقلید و پیروی کرتے تھے - مگر یہاں جاہل بھی دین میں دخل دیتے ہیں - اور اسکے ایسے عادی ہو گئے ہیں - کہ اگر کسی عالم سے دریافت کریں اور بحث کریں - اور پھر مغلوب و مجاب ہو جائیں تب بھی قبول نہیں کرتے اپنی ہی رائے کی پیروی کرتے ہیں حق تو یہ تھا کہ اپنی آرار کو قرآن کے موافق و مطابق کریں - مگر یہاں قصہ بالعکس ہے چاہتے ہیں کہ قرآن کو اپنی رائے کے موافق کریں اگر قرآن اُنکی رائے کے خلاف ہوتا ہے - تو اس سے صاف اعراض کرتے ہیں - جب یہ صورت ہو تو پھر اتفاق کیونکر ہو سکتا ہے :

اگر ایک چیز بھی مسلمانوں میں ما بہ الاشتراک ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا - اگر تمام اہل اسلام قرآن کی پیروی کرتے - تو ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوتا - اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتے جس وقت سے نئی روشنی پھیلی ہے - حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہزار دلیلیں پیش کرو - اگر ان کی رائے کے خلاف ہیں تو ہرگز قبول نہ کریں گے ہیچ رت ہیں یا سکوت کریں یا اٰخِرُالدَّوَاءِ اَلْکَیُّ (آخری علاج داغ ہی) پر عمل کریں :

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں اسلام ما بہ الاشتراک موجود ہے - تو کہا جائے گا کہ پھر ایک دوسرے کی تکفیر کیوں کی جاتی ہے ؟ یہ صحیح ہے کہ اسلام ما بہ الاشتراک ہے لیکن مسلمان قانون اسلامی کی پیروی نہیں کرتے - اگر قانون اسلام کی پیروی کرتے - تو یہ حالت نہ ہوتی اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتا - مسلمان زبانی تو بہت کہتے ہیں کہ قرآن ہماری کتاب ہے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں - لیکن عمل میں اتفاق نہیں صرف زبانی ہی جمع خرچ ہے :

اسلام کوئی قانون رکھتا ہے یا نہیں ؟ اگر رکھتا ہے تو وہ قانون کامل ہے یا ناقص اگر کہا جائے - کہ اسلام میں کوئی قانون ہی نہیں - اور قرآن قانون سے معرا ہے تو بالکل جھوٹ ہے اس واسطے کہ قرآن کا دعوےٰ یہ ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ اس کتاب میں کسی

شے کی کمی نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ قانون تو ہے مگر قانون ناقص ہے (جیسا کہ بعض ناعاقبت اندیش عالم نما جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ کہ قرآن کی اب ترمیم ہونی چاہیئے اس وقت کے لئے اس کے قوانین کافی نہیں۔ یہ صرف جہال عرب کے واسطے تھے (معاذ اللہ) تو محض غلط اور کذب صریح ہے کیونکہ قرآن خبر دیتا ہے کہ دین ہر اعتبار سے کامل کر دیا گیا ہے جیسا کہ آیۂ مجیدہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج میں نے تمہارے دین کو کامل و اکمل کر دیا) صاف دلالت کرتی ہے لہذا مجبوراً تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ قانونِ قرآن کامل ہے تو پھر یہ اختلاف کیسا! اسکا کوئی جواب نہیں دے سکتا سوائے اسکے کہ کہا جائے کہ خود رائی نے اہل اسلام کو متفرق کیا ہے۔ جب تک اہل اسلام دیانت اسلامی میں رائے زنی سے باز نہ آئیں گے۔ اتفاق ممکن نہیں۔ جو شخص باوجود قانونِ کامل موجود ہونے کے اپنی رائے کو دخل دیتا ہے مشرک ہے ؎

حضرت امیر المومنین امام المتقین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں تَرِدُ عَلٰی اَحَدِهِمُ الْقَضِیَّةُ فِیْ حُکْمٍ مِّنَ الْاَحْکَامِ فَیَحْکُمُ فِیْهَا بِرَاْیِهٖ ثُمَّ تَرِدُ تِلْكَ الْقَضِیَّةُ بِعَیْنِهَا عَلٰی غَیْرِهٖ فَیَحْکُمُ فِیْهَا بِخِلَافِهٖ ثُمَّ یَجْتَمِعُ الْقُضَاةُ بِذٰلِكَ عِنْدَ الْاِمَامِ الَّذِیْ اسْتَقْضَاهُمْ فَیُصَوِّبُ اٰرَاءَهُمْ جَمِیْعًا وَاِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ وَنَبِیُّهُمْ وَاحِدٌ وَکِتَابُهُمْ وَاحِدٌ فَاَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِیْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰی اِتْمَامِهٖ اَمْ کَانُوْا شُرَکَاءَ لَهٗ فَلَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا وَعَلَیْهِ اَنْ یَّرْضٰی؟ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ دِیْنًا تَامًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صلی اللہ علیہ و آلہ عَنْ تَبْلِیْغِهٖ وَاَدَائِهٖ؟ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ یَقُوْلُ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ وَقَالَ فِیْهِ تِبْیَانٌ لِّکُلِّ شَیْءٍ وَذَکَرَ اَنَّ الْکِتَابَ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَاَنَّهٗ لَا اخْتِلَافَ فِیْهِ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا وَاِنَّ الْقُرْاٰنَ ظَاهِرُهٗ اَنِیْقٌ وَبَاطِنُهٗ عَمِیْقٌ لَا تَفْنٰی عَجَائِبُهٗ وَلَا تَنْکَشِفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِهٖ۔ یعنی جب احکام دین میں سے کوئی مسئلہ اور کوئی قضیہ ان عام علماء اسلام کے سامنے پیش ہوتا ہے تو ایک عالم اپنی رائے سے ایک حکم دیتا ہے دوسرا بعینہ اسی مسئلہ میں بالکل خلاف حکم دیتا ہے اور

قرآن فہمی

یہ تو ثابت ہوا کہ قرآن قانونِ مکمل ہے۔ لیکن کیا ہر شخص قرآن کو سمجھ سکتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے تو یہ قول بالبداہت باطل ہے۔

کیونکہ قرآن بزبان عربی نازل ہوا ہے جو شخص عربی نہیں جانتا وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ بغیر علوم عربیہ صرف و نحو معانی و بیان کی تحصیل کے قرآن نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک عربی داں قرآن کو سمجھتا ہے تو بھی غلط و ظاہر البطلان ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو یہ اختلاف کہاں سے آیا۔ علامہ زمخشری علم نحو میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور امام فخر الدین رازی منطق و فلسفہ میں۔ لیکن رازی نے جو تفسیر لکھی ہے وہ زمخشری کی تفسیر کا رد ہے۔

اور تیسرا اسکے خلاف اور چوتھا اسکے خلاف وعلی ہذا القیاس۔ پھر یہ سارے مفتی اور قاضی اپنے اس پیشوا اور بادشاہ وقت کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں۔ جس نے انکو اپنی طرف سے قاضی و مفتی بنایا ہے۔ وہ ان سب کی آراء متناقضہ کی تصویب کرتا ہے اور سبکو درست قرار دیتا ہے ایک مسئلہ اسلامی اور نہیں اتنی مختلف رائیں۔ حالانکہ انکا معبود ایک ہی۔ نبی ایک کتاب ایک تو کیا اللہ تعالےٰ نے انکو اختلاف کا حکم دیا ہے اور یہ اسکی اطاعت و فرمانبرداری میں ایسا کرتے ہیں؟ یا اللہ نے اس اختلاف سے انکو منع کیا ہے؟ اور یہ اسکی نافرمانی کرتے ہیں؟ یا اللہ نے دین کو ناقص نازل کیا ہے اور ان سب ملاؤں سے اسکی تکمیل میں اعانت چاہی ہے کہ یہ ملا اس کمی کو پورا کر دیں؟ یا یہ مفتی اسکے شریک ہیں اور انکو یہ حق حاصل ہے کہ یہ فتوے دیں اور جو دل میں آئے کہیں اور اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ ان کے ان فتووں سے راضی ہو اور انکو پسند کرے یا اللہ تعالیٰ نے تو دین کامل و تمام نازل فرمایا تھا مگر رسولؐ نے تبلیغ میں تقصیر کی اور درست نہ پہنچایا؟ حالانکہ خدا فرماتا ہے ہم نے کتاب میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی اور اسمیں ہر شے کا بیان موجود ہے اور اسمیں کچھ اختلاف نہیں ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ اگر یہ منزل من اللہ نہ ہوتا تو اسمیں بہت اختلاف پاتے اور بیشک قرآن کا ظاہر انیق اور باطن عمیق ہے اسکے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اور ظلمات جہالت و ضلالت اسکی روشنی سے دور ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں اور احکام دین میں قیاس پر عمل کرتے ہیں وہ گویا یا تو شریک خدا ہیں یا اسکے ناقص دین کے مکمل کرنے والے اسکے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دینے والے اپنی غلطی کو خطاء اجتہادی کے پردے میں چھپا کر اسکی مخلوق کو دھوکا دینے والے اور اپنی ضلالت سے رسول اللہ کو بھی مجتہد اور رائے میں غلطی کرنے والا بتلانے والے ہیں اور ایسے علماء عامہ کے طرز عمل سے دنیائے اسلام میں اختلاف کا طوفان اٹھا ہے اور اٹھتا جا رہا ہے اعاذنا اللہ من ذالک (مؤلف)

پس معلوم ہوا کہ اگر فہم قرآن عربیت پر موقوف ہو تو مفسرین میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا کہ ایک تفسیر دوسرے کی رد اور اسکے بالکل برخلاف ہو پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب حادی علوم عربیہ بھی قرآن کو نہیں سمجھتے تو پھر ایسی کتاب جس میں حذف و ضمار، ایجاز، ابہام، اجمال، اطلاق، عموم، خصوص، ناسخ، منسوخ ہے پیغمبرؐ کس کے واسطے لایا؟ شاید اپنے ہی واسطے لایا ہے اور حق یہ ہی ہے کہ قرآن پیغمبرؐ کے واسطے نازل ہوا ہے اور وہی اس کا مبین و مفسر ہے جیسا کہ خدا خبر دیتا ہے "وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ایضا لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" اور آیات متشابہات کے باب میں فرمایا ہے "لا یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون امنا" آیات متشابہات کی تاویل سوائے اللہ اور راسخون فی العلم پیغمبرؐ اور وہ نفوس جو مثل پیغمبرؐ ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ اول مبین و مفسر قرآن پیغمبرؐ ہے۔

علت نزول قرآن رفع اختلاف ہے

"وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ" (الخ) یعنی اے پیغمبرؐ نہیں نازل کیا ہمنے قرآن کو مگر اس لئے کہ تو تمام اختلافات کو رفع اور بیان کردے اور رفع اختلاف اہل ایمان کے لئے رحمت و ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں کوئی اختلاف نہ تھا ہر ایک اختلاف کو حضرتؐ قرآن سے رفع فرما دیتے تھے۔ اگر کبھی بلا آیت تلاوت فرمائے جواب دیدیتے تھے۔ تو لوگ دریافت کرتے تھے کہ حضرت آپ یہ خدا کی طرف سے فرماتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے۔ حضرتؐ اسکے جواب میں ایک آیت تلاوت فرما دیتے تھے غرض ہر ایک اختلاف کو قرآن سے رفع فرماتے اور ہر ایک کا جواب قرآن سے دیتے تھے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ قرآن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے تو گویا پیغمبرؐ نے تبلیغ رسالت میں کوتاہی کی۔ کیونکہ قرآن رفع اختلاف کے واسطے اترا ہے نہ کہ اختلاف کے واسطے اور پیغمبرؐ بھی اختلاف مٹانے کے واسطے آیا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنے کے لئے یہاں سے

وہ خیال بھی باطل ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اختلاف امت محمدی رحمت ہے۔ اور اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اختلاف کسی وقت میں رحمت نہیں ہو سکتا آیت رفع اختلاف کو رحمت ثابت کرتی ہے نہ کہ اختلاف کو۔ اور جو حدیث خلاف نص آیت قرانی ہو۔ کبھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس حدیث کو اسی معنی میں صحیح مانا جائے تو گویا پیغمبرؐ نے خلاف فیصلہ قرآنی کیا اور یہ خلاف شان نبوت ہے۔ لہذا حدیث اگر صحیح مانی جائے تو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے ہاں اگر اختلاف سے آمدورفت امت شہروں میں مراد لی جائے۔ تو ایک صورت صحت نکل سکتی ہے۔

لیکن پیغمبرؐ ایک زمانہ خاص تک ظاہر رہا۔ اب اس وقت موجود نہیں ہم کیا کریں؟ ضروری ہے کہ بعد پیغمبرؐ مبین و مفسر قرآن موجود ہو۔ جو ان اختلافات کو رفع کرے اور اسکے سینہ میں قرآن موجود ہو۔ بعد پیغمبران ماسبق کتب سابقہ کے محافظ پیغمبر اور اوصیاء پیغمبر ہی تھے۔ پس قرآن جو اکمل اور ناسخ کتب ہو اسکے لئے محافظ کیوں نہ موجود ہو۔ ضرور بعد پیغمبرؐ اسکے محافظ مثل پیغمبر موجود ہیں اور وہ وہی نفوس ہیں۔ جن کے سینوں میں قرآن موجود ہے "بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" (الخ) اور ان نفوس قدسیہ کی تعیین و تشخیص میں پیغمبرؐ نے جو حدیث بیان فرمائی ہے۔ تقریباً (۷۳) تہتر طریق سے وارد ہوئی ہے موالف و مخالف نے نقل کی ہے۔ کتب فریقین پر ہیں۔ حتی کہ علامہ ابن حجر مکی نے بھی تقریباً پندرہ طریق سے نقل کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَبَيْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَهُمَا لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ" یعنی میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ۔ دوسرے میری عترت یعنی اہل بیت جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھوگے۔ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ (قرآن و اہل بیت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہوں گے۔ جبتک لوگ حساب و کتاب سے فارغ نہوں۔ پس مبین قرآن و مفسر قرآن اہل بیت پیغمبرؐ ہیں۔ جو نہ قرآن

سے جدا ہیں نہ قرآن اُن سے جدا ہے اور وہی محافظِ قرآن ہیں۔ بعد پیغمبر علم قرآن اُن سے حاصل کرنا چاہیے۔ تمام اختلافات اہل بیتؑ کی پیروی و متابعت نہ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر اُن مبینین و مفسرین قرآن کی پیروی کی جاتی اور اُن سے علم قرآن حاصل کیا جاتا تو دنیا میں یہ فسادات و بے دینیاں ہرگز پیدا نہ ہوتیں۔

نوبت بہ اینجا رسید کہ اہل بیت سے تمسک اور انکی متابعت تو کجا ذکر اہل بیت کو حرام بتلایا جاتا ہے۔ معلوم نہیں اسکا مدرک و منشار کیا ہے؟ کوئی آیت اسپر دلالت کرتی ہے کہ ذکر اہل بیت نبوی حرام ہے یا حدیث؟

وہ ذریت ابراہیمؑ جس کے واسطے دعا کی تھی "وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" یہی اولاد پیغمبر ہے نہ کوئی دوسرا۔ التعجب ہی کہ ذریت ابراہیم جو مسلمان اسلام نبوتی ہے اس کا ذکر حرام بتلایا جاتا ہے۔ اور اتباع ملتِ ابراہیمی کا ادعا ہے۔

خدا قرآن میں اصحاب کہف کو ایسے کلمہ تعظیمی تکریمی سے ذکر کرتا ہے جس سے ایک برگزیدہ پیغمبر یعنی اپنے خلیل کو متصف کیا ہے یعنی لفظ "فتیٰ" سے "فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ" پھر اُس نے قرآن میں اُن کے کتے کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا حال بیان کیا ہے۔ کیونکہ اُسنے نیکوں کی متابعت اختیار کی تھی۔ ایک ثلث قرآن قصص و امثال سے پُر ہے نہ صرف انبیاء کے حالات۔ بلکہ مچھر۔ مکھی۔ چیونٹی تک کے قصص موجود ہیں۔ پس اگر کوئی شخص حالات و قصص انبیاء کو بیان کرے تو کیا اسکو کافر کہہ سکتے ہیں؟ یہ قصص و امثال جزو قرآن ہیں اور جزو دیانت اور ہم کو حکم ہے کہ ہر روز بقدر امکان قرآن کی تلاوت کریں یعنی اُن قصوں کو پڑھیں اور ذکر کریں "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" لہذا اگر کوئی کہے کہ ذکر اُن چیزوں کا حرام ہے تو قرآن پڑھنے سے منع کرتا ہے اور وہ کافر ہے۔ اور منکر قرآن۔ تعجب ہے کہ ذکر سگ وحش جزو دیانت ہو اور ذکر ذریت ابراہیم و اولاد رسول حرام سمجھا جائے یہ عجیب و غریب دینداری ہے اگر قصص کو فضول

قصص و حکایات سمجھ کر، اور امثال کو ناول خیال کر کے اور قصص کفار کو اس لئے کہ یہ قصص کفار ہیں۔ ترک کر دیا جائے۔ تو پھر قرآن کہاں رہیگا؟ کیونکہ قرآن انہیں باتوں سے پر ہے اور انہیں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذکرِ اولادِ پیغمبر حرام ہے انہوں نے قرآن کی متابعت کو چھوڑ دیا ہے۔ پس کس لئے پیغمبر روز قیامت اُن مسلمانوں کی شکایت نہ کرے گا "رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا" یعنی حضرت ختمی مرتبت روزِ قیامت بارگاہِ الٰہی میں شکایت کریں گے اور فرمائیں گے اے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اسپر عمل نہ کیا:

نظرِ عوام میں قصۂ عشق سے زیادہ شرمناک کوئی قصہ نہیں ہو سکتا اور قرآن میں عشقِ زلیخا کا قصہ موجود ہے۔ بلکہ خدا اسکو (احسن القصص) بہترین قصہ فرماتا ہے اور بہت سے فاجرین و فاسقین کے قصے قرآن میں مذکور ہیں کسی کا پڑھنا و ذکر کرنا حرام نہیں پھر ذریتِ رسُول کا ذکر کس طرح حرام ہوا؟ اول قصہ خواں خدا ہے۔ جس نے یہ تمام قصص حکایات و امثال ذکر فرمائے ہیں "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ" اور پھر پیغمبر کو انکی تلاوت کا حکم دیا ہی کہ اگر پیغمبر اُن قصص کو بیان نہ کرے۔ تو خلاف حکم خدا ہوگا۔ اور پیغمبر گنہگار ٹھیرے گا۔ اور ہم کو بھی یہ حکم ہے کہ ہم سے جسقدر ممکن ہو قرآن کی تلاوت کریں۔ یعنی یہ قصص و حکایات پڑھیں بیان کریں فَاقْصُصِ الْقَصَصَ خداوند عالم اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے "اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا" (الخ) ہم نے تمہاری طرف ذکر کو بھیجا ہے۔ جو رسُول ہے وہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ یعنی ذکر نام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے:

اور پھر فرماتا ہے "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہلِ ذکر سے دریافت کرو پس اہل الذکر آلِ محمد و اہل بیت پیغمبر ہیں۔ انہیں سے دریافت کرنے کا حکم ہے۔ مگر تعجب ہی اہل اسلام پر کہ انہیں اہل الذکر و اہل بیتِ نبوی و ذریتِ رسول کے ذکر کو

فاقصص

حرام کہتے ہیں پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سارے مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ انکا پیغمبر ہے مگر حسینؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شیعوں سے مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر پیغمبر سارے مسلمانوں کا ہے تو حسینؑ جو فرزند رسولؐ وجگر گوشۂ بتولؑ ہے۔ وہ بھی سارے مسلمانوں کا۔ ورنہ اگر حسینؑ شیعوں سے مخصوص ہے تو پیغمبر بھی شیعوں ہی سے مخصوص ہے۔ اور مسلمانوں کا پیغمبر نہیں ولنعم ما قیل،

یُصَلّٰی عَلَی الْمَبْعُوْثِ فِیْ اٰلِ ہَاشِمٍ
وَیُغْزٰی بَنُوْہٗ اِنَّ ذَا لَعَجِیْبٌ

ترجمہ پیغمبر بنی ہاشم پر تو درود بھیجتے ہیں اور اس کی اولاد سے لڑتے ہیں یہ نہایت عجیب بات ہے

ذکرِ گریہ وبکا

بعض محتاط مسلمان کہتے ہیں کہ ذکر حسینؑ تو ممنوع وحرام نہیں البتہ گریہ وبکا کرنا اچھا نہیں کیونکہ اول تو اس سے جسمانی نقصان پہنچتا ہے دوسرے رونا فطری فعل ہے۔ اس پر کسی قسم کا ثواب مترتب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ بنصوص آیات ثابت ہے کہ رونا مومنین وانبیاء کی صفات خاصہ سے ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ" کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔ اس آیت سے گریہ وبکا کا وجوب ثابت ہوتا ہے مگر مسلمان اس کو حرام کہتے ہیں یا للعجب!

ایضاً وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل) یعنی جب آیات الٰہی ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں اور ان کا خشوع وخضوع بڑھ جاتا ہے۔

ایضاً وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا "جب آیات پروردگار ان کو یاد لائی جاتی ہیں۔ تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جو بالصراحت دال ہیں کہ رونا صفات خاصہ مومنین سے ہے۔ بلکہ

خواص انبیاء سے ہے۔ پھر نہ معلوم حرام کیونکر ہو گیا۔ شان۔ انبیاء میں فرماتا ہے اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِیًّا (مریم) جب آیاتِ رحمٰن انپر تلاوت کیجاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں جھک جاتے ہیں حضرت ابراہیم کی مدح میں فرمایا ہے حَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ" یعنی ابراہیم بہت بڑے بردبار اور بہت آہ کرنے والے اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ پس رونا آہ آہ کرنا صفات انبیاء میں داخل ہے۔ اور ان کی مدح میں شامل۔ نہ یہ کہ حرام اور خلاف تہذیب۔ بلکہ نہ رونا صفاتِ مذمومہ سے ہے اور قساوتِ قلب کی نشانی ہے جو بہت ہی بُری صفت ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ)" یعنی بعد اسکے تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں پس وہ مثل پتھر کے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ کیونکہ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں۔ جو شق ہو جاتے ہیں اور اُن سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں ہے پس جو لوگ مظلوم کی مصیبت پر آبدیدہ نہیں ہوتے اور آیاتِ الٰہی کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے وہ پتھر سے بھی زیادہ قسی القلب ہیں اور ان لوگوں کی قساوتِ قلبی کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا جو رونا تو درکنار۔ دوسرے رونے والوں کو بھی منع کرتے ہیں ؏ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔ یہ کہنا کہ چونکہ رونا فعل فطری ہے اور فطریات پر ثواب وعقاب مترتب نہیں ہوتا اس لئے رونے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ بھی عدم تدبر قرآن اور دیانت اسلامی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر یہ قول صحیح ہو۔ تو چاہیے نفس دین موجب ثواب نہ ہو بلکہ بیدینی باعث ثواب ہو کیونکہ خدا دین کو بھی فطری فرماتا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ غرض اس قسم کی تحریریں و تقریریں در اصل قرآن پر ایراد و اعتراض ہیں ۔ اور انکار و مخالفتِ دیانتِ اسلام پر دال ؛

صبر و بے صبری

صبر کے معنی سکوت کے لیے جاتے ہیں یعنی جب کوئی مصیبت نازل ہو تو آدمی خاموش بیٹھا رہے ایک حرف زبان سے نہ نکالے اور اس پر آیہ ذیل سے استدلال بھی لاتے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ یعنی وقت مصیبت انا للہ و انا الیہ راجعون کہیں اور یہی اگر یہی آیت ان کے قول کو رد کرتی ہے کہ صبر کے معنی سکوت کے نہیں کیونکہ اس آیت میں خدا نے یہ نہیں فرمایا سکتوا یعنی وقت نزول مصیبت وہ خاموش ہو جاتے ہیں بلکہ فرمایا ہے قالوا یعنی کہتے ہیں اور بولتے ہیں ۔ ہاں اسکی تعیین فرما دی ہے کہ کیا کہتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون یعنی ہم خدا ہی کے واسطے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ۔ ہم خدا پر اعتراض نہیں کرتے ۔ ان ابتلاآت میں رضائے خدا پر راضی ہیں اور اسکی قضا و قدر پر خوش علاوہ ازیں گریہ حضرت یعقوبؑ اس پر دال ہے کہ باآواز بلند بطور ندبہ تھا پس کلام بھی ہے آواز بھی ۔ اور پھر صبر جمیل بھی کہلاتا ہے ۔ نیز جب برادران حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ پر بھی اعتراض کیا کہ تم اسقدر فراق یوسف میں کیوں روتے ہو؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ میں اپنے حزن و ملال کو اپنے پروردگار ہی سے بیان کرتا ہوں اور میں منجانب اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جن کا تمہیں علم نہیں یعنی ابتلاآت و مصائب و شدائد میں خدا کی طرف رجوع اور اپنے حزن و ملال کو بیان کرنا بے صبری نہیں بلکہ عین صبر اور اصل عبودیت ہی ۔ بلکہ حکم ہے کہ مصائب و شدائد میں ہم خدا ہی کو یاد کریں اور اپنی تکالیف کو اسی سے عرض کریں اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ

بے صبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا یا خدا کی شکایت دوسرے سے کرنا اور راضی برضا نہ رہنا ہے نہ کہ رونا اور اپنا حزن و ملال اپنے پروردگار کے سامنے بیان کرنا کما ذکرنا ہ سابقاً)

صبر حضرت یونسؑ

سابقاً عرض کیا گیا کہ بے صبری دلیل بے خبری ہے اور صبر نتیجہ علم جس کا علم وسیع ہے۔ اس کا صبر وسیع۔ اور جس کا علم کم ہے اسکا صبر بھی ناقص اور چونکہ انبیاء علیہم السلام علم میں درجات مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور اولوالعزم غیر اولوالعزم سے افضل ہیں اسی واسطے ان کا صبر بھی افضل ہے اور اُنہیں کی تاسی کا حکم پیغمبر کو ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو۔ نہ کہ غیر اولوالعزم کا سا اور مثل صاحب حوت یعنی یونسؑ بن متی نہ ہو۔ قصۂ حضرت یونسؑ یہ ہے کہ حضرت نے اپنی قوم سے تنگ آکر ان کے لئے بد دعا کی کہ خداوندا ان پر عذاب نازل کر۔ دعائے حضرت مستجاب ہوئی اور قوم یونسؑ کو صرف تین روز کی مہلت دی گئی حضرت کی قوم میں ایک عالم تھا۔ روبیل نام اور ایک عابد تھا تنوخا تنوخا چونکہ عابد تھا اور علم و معرفت کم رکھتا تھا۔ عذاب کا وعدہ سن کر قریہ سے باہر چلا گیا کہ مبادا ابیر بھی عذاب نازل ہو۔ روبیل چونکہ عالم تھا وہیں رہا۔ تین روز کے بعد عذاب نازل ہونا شروع ہوا۔ اول روز اُن کے رنگ زرد پڑ گئے دوسرے روز سیاہ ہو گئے۔ اور تیسرے روز ایک ابر سیاہ اپر اترنا شروع ہوا یہ لوگ گھبرائے اور روبیل کے پاس گئے کہ عذاب شروع ہو گیا کوئی نجات کی تدبیر بتلاؤ۔ ورنہ ہم تم کو بھی باہر نہ جانے دیں گے روبیل مجبور ہوئے۔ اور حکم دیا کہ اچھا تم توبہ کرو۔ جو کسی پر مظلمہ ہے وہ ادا کر دے اور بچے عورتوں سے الگ کئے جائیں۔ جوان علیحدہ ہوں اور بوڑھے علیحدہ۔ حیوانات سے اُن کے بچے علیحدہ کئے جائیں۔ وادی کوہ میں دربار الٰہی میں استغاثہ کرو ممکن ہے کہ وہ رحم فرمائے۔ غرض اس طرح سے باہر گئے۔ در آنحالیکہ عذاب اُن کے کندھوں تک آچکا تھا روبیل نے سر برہنہ قوم کے بیچ میں کھڑے ہو کر دعا شروع کی اور

فرمایا کہو ربنا ظلمنا انفسنا وکذبنا بنبیک وتبنا الیک من ذنوبنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین المعذبین فاقبل توبتنا وارحمنا یا ارحم الراحمین۔

یہاں تک کہ رحمت خداوند غفار جوش میں آئی اور عذاب ان سے مرتفع ہونے لگا بعد رفع عذاب وہ سب خوش وخرم اپنے گھروں کو واپس آئے۔ حضرت یونسؑ تین دن کے بعد واپس تشریف لائے کہ قوم کا حال دیکھیں فنا ہوگئے ہوں گے۔ لیکن آن کر دیکھا کہ سب صحیح وسالم خوش وخرم پھر رہے ہیں۔ حضرتؑ بہت ملول وغضبناک ہوئے کہ ان سے عذاب کیوں دفع ہوا؟ یہ اب میرا استہزا کریں گے اسی کی طرف اشارہ فرماکر خداوند عالم بیان فرماتا ہے "اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ" یہ تھی بے صبری مقابلہ صبر انبیاء اولوالعزم جو حضرت یونس سے ظاہر ہوئی۔ یہ دلیل کم علمی ہی مقابلہ انبیاء اولوالعزم وَلَاتَکُن کَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔

صبر حسینی صبر کامل صفت انبیاء اولوالعزم ہے۔ لیکن انھوں نے بھی وقت شدت مصائب وابتلاآت آخرکار خدا سے خواہش کی ہے کہ ان سے مصائب و شدائد رفع کئے جائیں۔ حضرت موسےٰؑ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عیسےٰ نے ایسا کیا ایلی ایلی لما شبقتنی حضرت ایوبؑ کا صبر مشہور ہے مگر آخرکار انھوں نے بھی رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین کہا۔ جس وقت نوبت ناموس تک پہنچی ہے، اسوقت حضرت ایوبؑ سے صبر نہیں ہوسکا یہ پیغمبر ہیں۔ مگر جب معاملہ ناموس تک پہنچتا ہے تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور رفع تکلیف کی دعا کرتے ہیں۔ مگر صبر ایوبؑ کربلا کو دیکھیے اور انبیاء اولوالعزم کے صبر سے اس کا موازنہ کیجئے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جب انسان پر آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ مصائب وشدائد وارد ہوتے ہیں تو وہ عادی ہوجاتا ہے اور پھر اسپر زیادہ گراں نہیں گذرتا۔ مگر جب تمام مصائب یکبارگی ٹوٹ پڑیں تو انسان تنگ آکر مرنا گوارا کرتا ہے اور انکا تحمل نہیں کرسکتا۔ جو شخص رات کو بادشاہ ہو مالک ومختار ہو اور

صبح کو ہر ایک شخص سے جدا ہو جائے فقیر و مفلس بے یار و مددگار رہ جائے اُسکے صدمہ و ملال کا اندازہ ممکن نہیں۔ حسینؑ مظلوم رات کو بادشاہ ہے۔ تمام یار و انصار، عزیز و اقربا پاس ہیں۔ اہل حرم محفوظ و مصئون صبح ہوتے ہی احباب و اصحاب جدا ہونے لگے ہیں۔ اور ظہر تک سوائے بنی ہاشم کوئی باقی نہیں رہتا مگر وقت عصر جب نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں نہ وہ عزیز ہیں نہ قریب سب خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں ؎

نہ مونس نہ رفیقے نہ کثرت الناسے

نہ قلسمے نہ علیؑ اکبرے نہ عباسے

مشاہدہ و محسوس ہے کہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں زیادہ نرم دل اور ضعیف ہوتی ہیں اور جلد مضطرب ہو جاتی۔ روز عاشورا تین مرتبہ حسینؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس عورتوں کا ہجوم ہوا۔ ایک مرتبہ بوقت صبح۔ دوم بوقت نماز ظہر۔ سوم بوقت عصر۔ مخدرات کرب و بلا حرم پیغمبر تھیں کسی کو ان کا حال معلوم نہ تھا کبھی گھر سے نہ نکلی تھیں۔ اسی واسطے آجتک اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی کے بیٹیاں تھیں۔

بعض کہتے ہیں دو تھیں بعض کہتے ہیں ایک تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جو وقت جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے شہادت پائی ہے تو ایک لڑکی برقع اوڑھے ہوئے دروازہ مسجد نبوی پر آئی۔ اور رو کر با آواز بلند چلائی یَا اَبَتَاہُ قَدْ مَاتَتْ اُمُّنَا اے جد بزرگوار ہماری والدہ نے انتقال فرمایا پس وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنینؑ کے دو بیٹیاں ہوتیں۔ تو دونوں اس وقت گھر سے نکل پڑتیں اور مسجد نبوی میں آتیں غرض یہ مخدرات عصمت و طہارت کبھی لشکر کے مقابل نہ ہوئی تھیں، کبھی میدان جنگ نہ دیکھا تھا گھر سے باہر نہ نکلی تھیں۔ روز عاشورا پہلا دن ہے کہ میدان جنگ میں ماں نے بیٹے کو اور بھائی نے بہن کو پھوپھی نے بھتیجے کو ذبح ہوتے دیکھا۔

جس وقت امام مظلوم نماز ظہر میں مشغول تھے۔ اور اسوقت حضرتؑ کے ساتھ

معدودے چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک دستہ فوج مخالف خیمہ گاہ اہل حرم کی طرف چلا۔ تمام عورتیں باہر نکل پڑیں۔ کہ کہیں پناہ لیں۔ مگر اسوقت اُنکا فریاد رس کون تھا۔ آواز چلانے لگیں یاجداہ یا محمداہ اتنے میں حضرت کی نماز ختم ہوگئی خیمہ عصمت کی طرف تشریف لائے تمام عورتیں حضرت کے گرد جمع ہوگئیں اور چاروں طرف سے احاطہ کرلیا اور کہنے لگیں حضرت ہمکو ہمارے جد بزرگوار کے روضہ پر پہنچا دیجئے چشم مبارک سے آنسو نکل پڑے مگر ایسے موقع پر بھی حسینؑ نے کبھی شکایت نہیں کی اور رفع تکالیف کی دعا نہیں فرمائی بلکہ جب مصائب کی نہایت شدت ہوئی تو حضرت خیمہ عبادتگاہ کی پشت پر تشریف لیجاتے اور ریش مبارک ہاتھ میں لیکر فرماتے رضاً بقضاء اللہ وتسلیماً لامرہ یعنی خداوندا تیری رضا پر راضی ہوں۔ اور تیرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے ؎

امام علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اے جد بزرگوار آپنے وہ صبر دکھایا ہے کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں۔ آپ کی بیکسی اس درجہ پر پہنچی کہ کوئی باقی نہ تھا کہ آپ کی خبر شہادت خیمہ گاہ تک پہنچا دے آپ کے ذوالجناح نے اس فرض کو ادا کیا ؎

قال الامام علیہ السلام قد عجبت من صبرک ملائکۃ السموات فاحدقوا بک من کل الجہات واثخنوک بالجراح وحالوا بینک وبین الرواح ولم یبق لک ناصر وانت محتسب صابر تذب عن نسوتک واولادک حتی نکسوک عن جوادک فھویت الی الارض جریحا وعلی التراب طریحا تطؤک الخیول بحوافرھا وتعلوک الطغاۃ ببواترھا قد رشح للموت جبینک واختلفت بالانقباض والانبساط شمالک ویمینک تدیر طرفا خفیا الی رحلک وبیتک وشغلت نفسک عن ولدک واھالیک واسرع فرسک شاردا الی خیامک قاصداً محمحماً باکیا فلما رأین النساء جوادک مخزیا ونظرن الی سرجک ملویا برزن من الخدور ناشرات الشعور لاطمات علی الخدود سافرات الوجوہ الخ اے جد بزرگوار آپ کے صبر سے ملائکہ آسمان نے تعجب کیا جبکہ

موعظہ ہشتم

۸ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔

شہید و رویتِ اعمال

بیانات سابقہ سے ثابت ہے کہ دیانت اسلامیہ ایک امام کو مقتضی ہے جو حاوی ہو تمام امور دینی و دنیاوی پر اور اسکو قرآن میں لفظ شہید سے موسوم کیا گیا ہو یعنی ہمیشہ شہید کا وجود ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سلسلہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اولاد پیغمبرؐ سے ہے۔ نیز اجمالاً شہید کے معنی بھی بیان کر دئے گئے ہیں۔ اگر شہید دوسرے مقامات پر اور معنوں میں استعمال ہو تو لبطور حمل مجاز ہوگا۔ اول شہید خدا ہے۔ پھر اسکا رسولؐ، پھر امام۔ اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم احاطی شہید کے لئے کافی ہے چونکہ

ان ملاعین نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور زخموں سے گھائل کر دیا اور ایک قطرہ پانی کا نہ دیا اور اس وقت آپ کا کوئی ناصر و مددگار باقی نہ رہا تھا اور آپ بامید ثواب صبر فرما رہے تھے۔ اور اپنے عیال اور اطفال سے دشمنوں کو رفع کر رہے تھے۔ تا اینکہ آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور آپ زین سے زمین کی طرف جھکے اور جلتی ریت پر گرے۔ دشمنوں کے گھوڑے آپ پر سے گذرتے اور پامال کرتے تھے اور دشمن ہر طرف سے تلواریں لیکر چڑھے چلے آتے تھے۔ پیشانی پر موت کا پسینہ آیا ہوا تھا۔ کبھی ایک پیر پھیلاتے تھے اور کبھی دوسرا اور حالت نزع میں اہل و عیال کی طرف سے مشغول تھے کہ آپ کا اسپ باوفا خیمہ گاہ کی طرف ہنہناتا اور روتا ہوا دوڑا کہ اہل حرم کو آپ کی سنانی پہنچائے۔ جب مخدرات عصمت نے آپ کے ذوالجناح کو اس ذلت و خواری کی حالت میں دیکھا اور زین الٹا ہوا پایا تو سر برہنہ خیمہ سے نکل پڑیں بال کھلے ہوئے تھے اور منہ پر طمانچے مارتی تھیں اور فریاد کرتی تھیں الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین ہ

چونکہ بعض آیات قرانی بعض دوسری آیات کی مفسر ہیں معنی شہید کی آیہ ذیل تفسیر کرتی ہے
قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (توبہ) یعنی عمل کرو پس تحقیق کہ خدا اور اسکا رسول اور مومنون
تمہارے عمل کو دیکھتے ہیں پھر تم عنقریب علم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے
پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا - اس آیت میں رویت خدا و رسول اور مومنون
کو سلسلہ وار ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے - لیکن رویت تینوں درجات میں یکساں نہیں - نحوین
کہتے ہیں - یہاں "س" استقبال کے واسطے ہے اور مراد یہ ہے کہ قیامت میں خدا اور رسول
اور مومنون اعمال کو دیکھیں گے لیکن یہ نہیں سمجھتے - کہ اگر (س) استقبال کے معنوں میں لیا
جائے - تو کفر محض ہے کیونکہ نفی رویت باری تعالی لازم آتی ہے کہ اس وقت خدا
ہمارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور ان سے بے خبر ہے اور یہ مطلقاً محال ہے اور کفر حق یہ ہے
کہ یہ الفاظ ہر ایک مقام پر یہی معنی نہیں دیتے بلکہ کلام خدا میں اکثر اس قسم کے الفاظ نیز الفاظ
ترجی و تمنی وغیرہ تاکید کے واسطے استعمال ہوتے ہیں یا بمعنی دوام و استمرار - اور یہ بات
قرائن سے معلوم ہوتی ہے - یہ صحیح ہے کہ سین و سوف استقبال کے لیے بھی آتے ہیں
جیسا کہ اسی آیت کے دوسرے جزو یعنی ستردون الی عالم الغیب والشہادۃ میں ہے
جس سے مراد قیامت ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے جزو اول "فسیری اللہ" میں
سین استقبال کے لئے نہیں ہے - اور یہ غلط ہے کہ اس رویت سے مراد رویت قیامت ہے
کیونکہ رویت قیامت کا ذکر آیت کے دوسرے جزو "ستردون" میں موجود ہے پس
ضرور اس رویت سے مراد رویت دنیا ہی ہے کہ یہاں ہمارے اعمال کو خدا اور رسول خدا اور
مومنون دیکھتے ہیں اور مومنون سے مراد وہی شہید یعنی امام ہیں ::

(**شبہ**) کلام حمید مجید میں لفظ شہید جہاں خدا کے واسطے استعمال ہوتا ہے تنہا ہے
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ - بہ تحقیق اللہ ہر شے پر شہید ہے رسول کا وہاں ذکر نہیں ہے

اور دوسری جگہ جہاں رسول اور آئمہ کے واسطے استعمال ہوا ہے وہاں خدا کا ذکر نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت خدا غیر شہادت رسول و امام ہے اور اس آیت میں رویت خدا و رسول و آئمہ کو ایک جگہ مساوی طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں رویت میں یکساں ہیں اور یہ اطلاق کہ رویت رسول بعینہٖ مثل رویت خدا ہے یا خدا اور رسول و امام آپس میں یکساں ہیں شرک ہوا اور منافی آیات دیگر ؛

جواب شبہ یہ ہے کہ اگر آیہ مذکورہ میں متعلق رویت یعنی عملکم تمام موضوعات کے آخر میں مذکور ہوتا ۔ تو بیشک سب کی رویت یکساں ہو سکتی ۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ عملکم بعد لفظ "اللہ" مذکور ہوا ہے ۔ جو متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمل سے بالذات صرف رویت خدا کو تعلق ہے اور اسی کی رویت حقیقی و اصلی ہے ۔ اور رسول خدا اور آئمہ ہدیٰ کی بالعرض و بالتبع من جانب اللہ ۔ لہٰذا رویت یکساں نہیں ؛

قاعدہ کلیہ جب کسی قضیہ میں موضوع متعدد ہوں ۔ اور محمول ایک جیسا کہ اس آیت میں موضوع تین ہیں ۔ خدا ، رسول ، امام اور محمول ایک یعنی رویتِ اعمال ، پس اگر محمول بعد موضوعِ اول مذکور ہو ۔ تو موضوع اول پر حمل حقیقی ہوگا ۔ اور باقیوں پر حمل بالعرض ۔ اور یہاں ایسا ہی ہے ۔ کہ عملکم بعد لفظ اللہ مذکور ہوا ہے اور باقی موضوعات بعد میں لہٰذا حمل رویتِ اعمال اللہ پر حقیقی ہے اور پیغمبر و امام پر عرضی لہٰذا سب رویت میں یکساں نہ ہوئے

ایراد بغرض جواب آیۂ ذیل میں چار موضوع ہیں اور ایک محمول انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان یعنی شراب

نوٹ :- سرکار علامہ نے اس مقام پر فرقہ شیخی و بابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مقابلہ میں ان کے رئیس اور بانیوں کو کفش پا اور فضلہ کے برابر بھی شمار نہیں کرتا ۔ سوائے حسد اور بغض اور کوئی وجہ نہیں ۔ جو مجھ پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے ؛ (مؤلف عفی اللہ عنہ)

جوا۔ انصاب اور ازلام (طریق جوا) پلید و شیطانی عمل ہیں۔ چونکہ رجس کو چاروں موضوع کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا چاہیے کہ چاروں چیزیں۔ شراب۔ جوا۔ انصاب۔ ازلام نجس و پلید ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے صرف شراب ہی نجس ہے نہ کہ جوا وغیرہ۔ ہاں حرام سب ہیں۔ علماء اسی آیت سے شراب کی نجاست پر استدلال لاتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس آیت کو دلیل قرار دیا جائے تو چاہیے کہ چاروں کا حکم یکساں ہو۔ صرف شراب ہی کیوں نجس سمجھی جائے۔ مدعیان اجتہاد اسکا جواب مدلل دیں:۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ اور تم کو برائی اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے۔ اور نیز کہ خدا پر افترا کرو۔ اور وہ باتیں کہو۔ جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بدی۔ فحش اور اپنی رائے سے حکم کرنا اور خلاف حکم خدا حکم لگانا عمل شیطان ہے اور ایسا شخص در باطن نجس و پلید:۔

قاعدۂ کلیہ معانی الفاظ میں نسبت و اضافت بالوضع ملحوظ ہے اور کسی لفظ کے معنی کرتے ہوئے اس کے منسوب مضاف الیہ کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیئے اس مضاف الیہ کے اعتبار سے لفظ کے معنی لیے جائیں مثلاً لفظ علم خدا کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اور پیغمبر کے لیے بھی اور عام لوگوں کے لیے بھی جیسے اَللّٰهُ عَالِمٌ، اَلنَّبِيُّ عَالِمٌ، پس کیا ہر جگہ لفظ علم آجانے سے یہ مطلب ہوگا کہ علم کے معنی تینوں جگہ یکساں ہیں ہرگز نہیں بلکہ علم خدا اور چیز ہے۔ اسکا علم حقیقی ذاتی ہے بخلاف پیغمبر کے وقس علی ذالک آیہ شریفہ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا میں لفظ صلوٰۃ خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ملائکہ کی طرف بھی اور ہم کو بھی صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے تو کیا صلوٰۃ کے معنی تینوں جگہ یکساں لیے جائیں گے؟ اور کیا خدا بھی ہماری طرح سے درود بھیجتا ہے اور ہمارے ساتھ اس عبادت میں شریک ہے

اور کہتا ہے اللھم صل علی محمد و آل محمد اگر ایسا ہے تو پھر خدا بھی کسی دوسرے خدا سے دعا کرتا ہے تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیرا لہذا صلواۃ کے معنی تینوں جگہ یکساں نہیں صلواۃ خدا سے نزول رحمت مراد ہے اور صلواۃ ملائکہ استغفار۔ اور صلواۃ انسان بمعنی طلب رحمت غرض نسبت و اضافت کو معنی الفاظ میں ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ جیسی ذات کی طرف لفظ منسوب ہو اسی کی شان کے موافق معنی لیئے جائیں۔ پس اسی طرح سے آیہ مذکورہ فسیری اللہ عملکم (الخ) میں رویت خدا و رویت رسولؐ اور رویت ائمہ یکساں نہیں خدا کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ رویت خدا ذاتی و حقیقی ہے اور رویت رسولؐ و آئمہ بالتبع و بالعرض من جانب اللہ عطیہ خدا ہے۔ کیونکہ تمام صفات پیغمبری عطیات الہیہ و منجانب اللہ ہیں نہ کہ حقیقی و بالذات پس اعمال عباد کے دیکھنے کی روحانی قوت بھی خدا نے اُن کو عطا کی ہے۔

حقیقت و فضیلت صلوات

خداوند عالم واجب الوجود، غنی بالذات و کریم بالذات ہے۔ جو چاہے دیدے، جس قدر چاہے دیدے۔ اُسکے خزانہ جود و سخا میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ عطا و کرم موافق مراتب و درجات شخصیہ ہوتا ہے۔ جس درجے کا جو شخص ہوتا ہے اسی درجہ کا اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایک ادنی درجہ کے آدمی مثلاً خاکروب پر مہربان ہو اور اسکو کچھ عطا کرے۔ تو اسکی حیثیت کے موافق کچھ رقم اُسے دیدے گا۔ اور اگر ایک عالم کامل مدبر و دانا شخص پر اسکا لطف و کرم ہو تو اسکو حکومت و عہدہ جاگیر و منصب عطا کرے گا کیونکہ اُس کے لئے وہی شایان ہے اگر ایک جاہل ادنے اشخص پر ایسا کرے تو لوگ اسکو سفیہ و احمق کہیں گے۔ کیونکہ اُس نے اسکو وہ چیز دی ہے کہ جس کی اُس میں قابلیت نہیں پس معلوم ہوا کہ قابلیت و استعداد عطا و کرم میں شرط ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہم ناقص و کم ظرف و کم استعداد جواد

مطلق وغنی مطلق وکریم بالذات کے جود وسخا کی قابلیت واستعداد بالذات نہیں رکھتے
ہم اسکی رحمتِ واسعہ کے بلا واسطہ قابل نہیں اس کے دریائے رحمت کے مقابلہ میں ہماری
مثال ایک ادنے کوزے کی ہے گنجایشِ بحر در سبو ممکن نیست - ہمارے ظرف کہاں اتنی
قابلیت رکھتے ہیں کہ جن میں رحمتِ الہیہ کی گنجائش ہو - لہذا رحمتِ واسعۂ الہیہ کے لئے
ایک محلِ قابل کی ضرورت ہے تاکہ اولاً بالذات اسپر نزول رحمت ہو - اور اُس سے
بالواسطہ ہم تک پہنچے اور وہ محل قابل ومتعد اول ما صدر از مصدر ہے جسکی شان میں ہے وَمَا
اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ پس محلِ نزولِ رحمتِ الہیہ اولا وبالذات وجودِ پیغمبر
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور چونکہ وہ بھی کریم ومظہر جواد مطلق سب پر فیاض ہے وہاں
بھی بخل نہیں اس لئے وہ ہم لئیموں اور بدبختوں کو پہنچاتا ہے پس ہم لئیم وبدبخت اس
ذاتِ کریم کے لئے مبدۂ فیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں - اور چونکہ وہ بخیل نہیں
وہاں سے ہمپر تقسیم ہوتی ہے :

مثال حسی

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بڑے شہروں میں پانی کے نل لگائے جاتے
ہیں - تو ایک مقام خاص پر پانی کے لئے ایک خزانہ بنایا جاتا ہے -
(واٹر ورکس) کہ اول حکام ومنتظم وہاں پانی پہنچاتے ہیں اور وہاں سے پھر بقدر ضرورت
وخواہش اہل شہر کو تقسیم ہوتا ہے اور جب اہل شہر کو زیادہ پانی کی ضرورت محسوس ہوتی
ہے تو وہ حکام وافسران سے درخواست کرتے ہیں - تو وہ اس خزانہ میں پانی کی
مقدار بڑھا دیتے ہیں اور پھر وہیں سے اہل شہر کو پہنچتا ہے - پس بلاشبہ اسی طرح سے
رحمتِ الہیہ کا خزانہ وجودِ اقدسِ نبوی ہے ہم جب محتاج رحمتِ خدا ہوتے ہیں تو مبدۂ
فیاض سے طلبِ رحمت کرتے ہیں کہ وہ اپنے خزانۂ معمور پر نزول رحمت زیادہ کرے تاکہ
وہاں سے ہمکو تقسیم ہو اور کہتے ہیں اللھم صل علی محمد وآل محمد یعنی محمد وآل محمد پر نزول
رحمت کو مزید فرما پس پیغمبر وآل پیغمبر خزانۂ رحمت الہی ہیں قَالَ الْمَجْلِسِیُ اِنَّہُمْ وَسَائِطُ فُیُوضٍ

اللہ تعالیٰ فی ھٰذِہِ النَّشاءَۃِ وَالنَّشاءَۃِ الاُخریٰ اِذ ھُمُ القابِلُونَ بِفیوضاتِ الرَّبّانِیَّۃِ وَالرَّحماتِ القُدسِیَّۃِ وَبِتَوَسُّطِہِم تَفیضُ الرَّحمۃُ علیٰ سائِرِ الخَلقِ وَھٰذِہِ الحِکمَۃُ فی لُزُومِ الصَّلوٰۃِ علیہِم وَالتَّوَسُّلِ بِہِم فی کُلِّ حاجَۃٍ لِاَنَّہ اِذا صُلّیَ علیہِم لا یُرَدُّ لِاَنَّ المَبدَءَ فَیّاضٌ وَالمَحَلُّ قابِلٌ وَبِبَرَکَتِہِم تَفیضُ علیٰ الدّاعِی بَل علیٰ جَمیعِ الخَلقِ" یعنی علامہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت ہی فیوض خدا کے وسائط ہیں کیونکہ فیوضات الٰہیہ اور رحمات قدسیہ کی وہی قابلیت رکھتے ہیں اور انہیں کے واسطے سے تمام موجودات پر فیضان رحمت ہوتا ہے اور یہی حکمت ہے ان پر درود لازم ہونے اور ہر ایک حاجت میں انہیں سے متوسل ہونے میں کیونکہ جب ان پر درود بھیجا جائے گا تو رد نہ ہوگا اس لئے کہ مبدء فیاض ہے اور محل قابل اور ان کی برکت دعا کرنے والے۔ بلکہ تمام مخلوقات پر فائض ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں کُلُّ فَیضٍ وَجُودٍ یُبتَدَاُ بِہِم صَلَواتُ اللہِ علیہِم ثُمَّ یَنقَسِمُ علیٰ سائِرِ المَوجُوداتِ ہر ایک فیض وجود کی اول انہیں سے ابتدا ہوتی ہے۔ اور پھر تمام موجودات پر منقسم ہوتا ہے فَفِی الصَّلوٰۃِ علیہِم استِجلابٌ لِلرَّحمَۃِ اِلیٰ مَعادِنِہا وَلِلفُیُوضِ اِلیٰ مُقَسِّمِہا لِیَنقَسِمَ علیٰ سائِرِ البَرایا پس انپر درود بھیجنے میں رحمت کو معادن رحمت اور فیوض کو مقسم فیوض کی طرف کھینچنا ہے کہ وہاں سے تمام مخلوقات پر تقسیم ہو۔ پس چاہئے کہ ہم ہمیشہ خزانہ رحمت میں طلب رحمت کریں ؛

شہید کی مزید تشریح

خدا بالذات شہید ہے۔ اور پیغمبر بالعرض۔ لیکن اس کے لئے بھی شہید ہونے کے لئے وجود عینی وحضور جسمانی ضروری نہیں بلکہ اس میں از طرف خدا ایک قوت نورانی ایسی ہوتی ہے جس سے تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور وہ نور ہے کیونکہ روح نبوتی نفس نور ہے۔ اور فوق جمیع انوار بلکہ مبدء انوار ہے وَلٰکِن جَعَلنٰہُ نُوراً اور جسم بھی آپ کا نورانی قَد جاءَکُم مِنَ اللہِ نُورٌ وَکِتابٌ مُبین پس وہ مجسم نور بلکہ نُورٌ عَلیٰ نُورٍ ہے اور وہ قوت نورانی جس سے ہم اشیاء کو

دیکھتے ہیں اسکے سارے جسم میں موجود ہے۔ اور اسکا سارا جسم حسِ جلیدیہ ہے تمام جسم میں وہ قوت موجود ہے جو آنکھ کے اندر پردہ جلیدیہ میں ہے۔ وہ تمام جسم سے جلیدیہ کا کام لیتا ہے بلکہ حسِ نورانی نبوی ہمارے پردہ جلیدیہ سے کہیں افضل و اکمل ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھ کے سامنے جب کوئی شئے حائل ہو جائے۔ تو وہ نہیں دیکھ سکتی۔ بخلاف پیغمبر کے کہ اسکو کوئی شے حائل و حاجب نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث بخاری و دیگر کتبِ احادیث و صحاح میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ وَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِي كَمَا أَرَاكُمْ مِنْ قُدَّامِي یعنی رکوع کرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں تمکو پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے۔ لوہے کو جب خوب صاف و شفاف کر لیتے ہیں تو اسمیں صورت نظر آنے لگتی ہے پس اس جسم اقدس کی کیا حالت ہوگی جسکو خدا نور کہتا ہے لقد جاءکم من اللہ نور تمہارے پاس یہ خدا کی طرف سے ایک نور آیا ہے اور جو خزانۂ قوتِ برقیۂ الٰہیہ ہو اسکو کوئی چیز حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ لباس اس کے لئے مانع و حاجب نہیں۔ بلکہ لباس حکم جسم میں ہو جاتا ہے بلکہ کفش پا بھی جس طرح آگ جب اکیسویں درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ تو اس وقت اسمیں جو چیز ڈالو۔ آگ بنجاتی ہے۔ اور مشتعل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نورانیتِ وجودِ اقدسِ نبوی ہر شئے پر غالب ہو جاتی ہے لوہے۔ لوہے کو اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو اس طرف سے اس طرف کی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کیونکہ ہر جسم میں تخلخل و مسامات موجود ہیں۔ پس جسم پیغمبر جو نور خدا ہے وہ کیوں نہ ہر شئے کو دیکھ سکے گا اور کیوں اسکا جسم مثل حسِ جلیدیہ نہ ہوگا جسکو خود خدا اپنے نور سے تشبیہ دیتا ہے اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَكَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

ذکر کتاب ہندی

ایک کتاب دیکھی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ شہادت میں امام بھی شانِ پیغمبر ہے وہ بھی پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح آگے سے اور اسکی توجیہ یہ کی ہے کہ شاید پیغمبر و امام کے سر کے پیچھے بھی ایک ایسی قوت ہوگی جیسی کہ آنکھ میں پردہ جلیدیہ میں ہوتی ہے اس قوت کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ گویا پیغمبر و امام کی تین آنکھیں ہوتی ہیں (معاذ اللہ) واقعاً جو شخص اپنے کو اولی الامر کہے وہ پیغمبر و امام کی ویسی ہی تعریف کرے گا۔ اور اپنا جیسا شخص جانے گا۔ وہ نورانیتِ پیغمبر و امام کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ اولی الامر کے بیان میں اصول کافی میں ایک باب مخصوص ہے اور اکیس سولہ آیہ قرآنی اسپر وال ہیں۔ پس جو شخص اپنے آپ کو اولی الامر کہے وہ مذہب شیعہ سے خارج ہی بس اگر ایسا آدمی اس شخص کو جو اُسکے خلاف حقیقی درجہ امامت و نبوت کو ثابت کرتا ہے اور شبہات و اعتراضات کو رد کرتا ہے۔ شیخی و بابی نہ کہے تو اور کیا کہیگا کیونکہ وہ تو امام کو اپنا جیسا ہی سمجھتا ہے بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وہ کیا جانے کہ امام وہ ہے جو اندھوں کو بینائی بخشتا ہے۔ بصیرت باطنی ہی نہیں بلکہ چشم ظاہری عطا کرتا ہے۔ دیکھو قصہ ابو بصیر یہ اندھے تھے صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نابینائی کی شکایت کی۔ فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ بینا ہو جائے۔ عرض کیا کہ ہاں۔ حضرت نے اسکی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا وہ بینا ہو گیا اور اسکی روشنی اس قدر بڑھ گئی کہ اطرافِ عالم و آسمان و ملائکہ کو دیکھنے لگا اور عرض کیا تمام عالم کو نورانی دیکھتا ہوں (اسی وجہ سے اسکو ابو بصیر کہتے ہیں) پھر امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا۔ تو چاہتا ہے کہ تجھکو درجاتِ عالیہ حاصل ہوں یا چاہتا ہے کہ اسی حالت پر رہے۔ عرض کیا۔ نہیں۔ حضرت نے پھر اسکی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا اور وہ ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا۔

نہ صرف ہاتھ پھیرنا بلکہ امام وہ ہے۔ کہ ایک قطرہ خون سے یہودی کو چشم بصیرت بخشتا ہے۔ مشہور روایت ہے کہ بعد قتل امام مظلوم ایک یہودی کہیں جارہا تھا ہمراہ اُسکے

نابینا لڑکی تھی - ایک درخت کے نیچے قیام کیا - ایک کبوتر خون میں تر درخت پر آن کر بیٹھا - اسکا قطرہ ٹپک کر اس لڑکی کی آنکھ پر گرا وہ فوراً بینا ہوگئی (الخ)

بہرحال امام مثل پیغمبر رویت اعمال میں مساوی ہے - اور اس کا دیکھنا کسی عضو خاص سے مخصوص نہیں - اور مومنون سے اس آیت میں آئمہ ہدیٰ مراد ہیں کیونکہ وہی شہید علی الناس ہیں خدا اپنے کو کریم کہتا ہے اپنے پیغمبر کو بھی کریم کہتا ہے اپنے کو رحیم فرماتا ہے پیغمبر کو بھی رحیم بیان کرتا ہے - اپنے کو رؤف کہتا ہے پیغمبر کو بھی رؤف سے خطاب کرتا ہے اور امام ان تمام صفات میں شریک پیغمبر ہے - اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ -

یعنی جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا - اور وہ مر گیا - وہ موت جاہلیت مشرک کافر یا منافق مرا۔

حدیث میں لم یعرف ہے لم یعلم نہیں ہے یعنی صرف جاننا کافی نہیں بلکہ معرفت (پہچاننا) ضروری ہے کہ وہ کون ہے اور اسکی صفات کیا ہیں ؟ کیونکہ معرفت امام ہی سے معرفت پیغمبر حاصل ہوتی ہے اور معرفت پیغمبر ہو جب معرفت خدا پس جس نے امام کو نہ پہچانا وہ کافر یا مشرک یا منافق ہے۔

فرق علم و معرفت علم اور معرفت میں فرق ہے فان المعرفۃ ادراک الشیٔ تفکر و تدبر لاثرہ وھو اخص من العلم یعنی کسی شے کے آثار میں تدبر و تفکر کر کے اسکو ادراک کرنا معرفت ہے اور وہ علم سے اخص ہے اور علم اس سے اعم - اور ضد معرفت انکار ہے اور ضد علم جہل پس یہ کہنا تو صحیح ہے کہ "فُلَانٌ یَعْرِفُ اللّٰہَ" فلاں شخص خدا کو پہچانتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فُلَانٌ یَعْلَمُ اللّٰہَ" فلاں شخص خدا کو جانتا ہے اور معرفت مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتی ہے کیونکہ انسان خدا کو اس کے آثار ہی سے پہچانتا ہے - نہ بذریعہ ذات خدا - کیونکہ تصور ذات باری تعالیٰ محال ہے

اور کہا جاتا ہے اَللّٰہُ یَعْلَمُ خدا جانتا ہے اور یوں نہیں کہہ سکتے کہ اللّٰہ یُعرف کذا خدا پہچانتا ہے فان المعرفۃ تستعمل فی العلم القاصر المتوصل بہ بتفکر یعنی معرفت اس علم قاصر کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ جو بذریعہ تفکر فی الآثار حاصل ہوتا ہے پس صرف یہ جاننا کہ لوگوں کے لئے ایک امام ہوتا ہے یا امام ہے۔ کافی نہیں بلکہ اسکے اوصاف و آثار کی معرفت ضروری ہے لان ادراک ذاتہ غیر مقدور والعلم ادراک الشی بحقیقتہ فافہم امام صفات پیغمبر میں شریک ہے وہ بھی مثل پیغمبر شہید ہے خواب و بیداری اسکے لئے مساوی ہے پیغمبر تمام عوالم پر مبعوث ہے اور سب کے لئے نذیر ہے اور مقام پیغمبر آیات ذیل سے ظاہر ہے اِذْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی سدرۃ المنتہیٰ انتہائے محل ترقی موجودات ہے۔ علماً و عملاً اس سے اوپر محض نور جلال و جمالِ الٰہی ہے۔ پیغمبرؐ اس مقام سے بھی اوپر گیا کہ جہاں جبرئیل کے پر جلتے ہیں کہ خود جبرئیل فرماتے ہیں۔ لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَۃً لَاحْتَرَقْتُ کہ اگر ایک انگلی برابر اوپر کا قصد کروں تو انوارِ جلال سے جل جاؤں (نور سے جلنا فرمایا ہے نہ کہ نار سے۔ مقام تدبر ہے)

انوارِ الٰہیہ سدرۃُ المنتہیٰ کو احاطہ کئے ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ نے تمام اشیاء کو وہاں پر علماً و عملاً و حقیقۃً چشم جسمانی سے دیکھا۔ اور آپ کی بصارت نے ذرا خیرگی نہ کی۔

آفتاب باوجودیکہ اس قدر بڑا ہے کہ زمین سے دو سو اٹھائیس گنا زیادہ ہے پھر بھی پھر تمام زمین کو روشن نہیں کر سکتا۔ زمین کا سایہ پڑتا ہے اور رات ہو جاتی ہے بلکہ ایک انڈے کو بھی چاروں طرف سے روشن نہیں کر سکتا۔ مگر نور محمدی تمام اشیاء پر محیط ہے یہ ہے وہ قوت جس سے رسولؐ اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور اسی طرح ہے امام علیہ السلام جو اسکا قائم مقام ہے۔ اور نور محمدی کی بابت خدا فرماتا ہے وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ نور محمدی کو خدا ایک دن بالفعل کامل کرے گا۔ اور وہ اسوقت ہو گا جسکی بابت فرماتا ہے۔

اشرقت الارض بنور ربھا نور رب الارض سے زمین روشن ہو جائیگی اور وہ زمانہ ظہور مہدیؑ ہے اس سے نور آفتاب و مہتاب بیکار ہو جائیں گے کیونکہ ان کے نور بھی اسی نور سے ہیں پس جب وہ خود جلوہ گر ہوگا ان کی ضرورت نہ رہے گی [1]

غرض امام مثل پیغمبر احاطۂ نورانیہ رکھتا ہے اور کوئی شے اسکو حائل و حاجب نہیں اور تمام ائمہ اس وصف میں یکساں ہیں۔ جس طرح سے بے تار کی تار برقی تمام آوازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ائمہ ہر آواز کو سنتے ہیں اور ہر شئے کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ مخزن قوت برق الٰہی ہیں اگر وہاں کمی یا خلل واقع ہو تو تمام عالم مختل ہو جائے جیسا کہ خزانہ قوت برقی میں اگر خلل پڑ جائے تو سب جگہ انقلاب پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام جس وقت پشت زین سے زمین پر گرے۔ عالم متزلزل ہو گیا۔ زمین و آسمان میں زلزلہ آگیا۔ اس موقع پر بیان نہیں کر سکتا کہ امام زمان جو شہید ہوئے اور تمام حالات کو دیکھتا ہے اسکی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ نہ معلوم سید الساجدین پر کیا گذری ہوگی جو خود کربلا میں موجود تھے۔ خود حضرت زینب خاتون صلوات اللہ علیہا جو تالی امام ہیں فرماتی ہیں کہ بعد غارت خیام اہل حرم شتروں پر سوار کر کے قتل گاہ میں لائے گئے جب قریب لاشہائے شہدا پہنچے۔ ہر ایک نے خواہ

---

[1] اشرقت الارض بنور ربھا" روی القمی عن الصادق فی ھذہ الآیۃ قال رب الارض امام الارض قلت واذا خرج یکون ماذا قال ان یستغنی الناس عن ضوء الشمس ونور القمر یجتزون بنور الامام وفی ارشاد المفید رح قال اذا قام قائمنا اشرقت الارض بنور ربھا واستغنی الناس عن ضوء الشمس وذھبت الظلمۃ یعنی امام حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں رب الارض۔ امام ارض ہے۔ راوی نے عرض کیا جب امامؑ خروج فرمائیں گے تو کیا حالت ہوگی ؟ فرمایا اُن کے نور سے زمین چمک اٹھیگی اور لوگ ضیائے آفتاب اور نور ماہتاب سے بے نیاز ہو جائینگے اور نور امام پر اکتفا کریں گے اور ارشاد مفیدؒ میں ہے کہ جب قائمؑ آل محمد کا ظہور ہوگا تو زمین نور سے روشن ہو جائیگی اور لوگ آفتاب کی روشنی سے بے نیاز ہو جائینگے اور ظلمت بالکل نابید ہو جائیگی اللھم عجل فرج محمدؐ و آل محمدؐ (بحار الانوار۔ الصافی)

مرد تھا یا عورت۔ بچہ تھا یا بڑا۔ لونڈی تھی یا غلام اپنے کو اونٹوں پر سے گرا دیا مگر سید سجادؑ جد نہ اتر سکے۔ یہ مقام غور ہے کہ امام کیوں پیادہ ہوئے کیا ان کو باپ سے محبت نہ تھی؟ کیا وہ نامہربان تھے؟ نہیں نہیں بلکہ وجہ یہ تھی کہ آپ کے پائے مبارک زنجیروں کے ساتھ پشتِ شتر سے بندھے ہوئے تھے۔ میں خود نہیں کہتا بلکہ امامِ زمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔ آہ آہ اس وقت کہ جس وقت آپ کے اہل حرم اسیر تھے۔ اور اُنکے پیر زنجیروں سے شکم شتر سے بندھے ہوئے تھے۔ غرض جس وقت قتل گاہ پہنچے اور ہر ایک نے بے اختیار اپنے کو اونٹ پر سے گرا دیا۔ سب لاشوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک دوسرے کو تسلی و تعزیت کرتے اور پرسہ دیتے تھے کہ اتنے میں حضرت زینبؑ نے دیکھا حضرت زین العابدینؑ موجود نہیں۔ نظر کی تو دیکھا کہ اونٹ ہی پر سوار ہیں "وھو یجود بنفسہ" قریب بہ ہلاکت ہیں جان پر کھیل رہے ہیں۔ مگر اتر نہیں سکتے۔ جناب زینبؑ نے یہ حالت دیکھ کر کہا اے برادر زادے تم تو حجتِ خدا ہو یہ کیا کر رہے ہو۔ کیوں جان پر کھیلتے ہو؟ فرمایا پھوپھی اماں۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ حجت خدا وہ ہے۔ جو خاک و خوں میں غلطاں بے سر زمین پر پڑا ہوا ہے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

موعظہ ہشتم

۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔

الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین ہر چند چاہتا ہوں

کہ مطلب پر پہنچوں مگر نہیں ہوسکتا۔ ایک امر بزرگ میرے قلب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو کچھ آج تک بیان کیا گیا ہے وہ صرف مقدمات تھے نتیجہ و مطلب آج اور کل ظاہر ہوگا۔ لیکن جب نتیجہ کی نوبت آتی ہے۔ تو تم لوگ اسکو نہیں لیتے ضائع کر دیتے ہو۔ یعنی تم لوگ روز عاشورا صورت عزاداری کو دوسری شکل میں تبدیل کر دیتے ہو۔ جس کا ایک حصہ اصل و حقیقت ہوتا ہے۔ اور باقی نو حصہ بے اصل و مخالف۔ غرض اس وجہ سے تم نتیجہ کو اخذ نہیں کر سکتے۔ ہمیں شبہہ نہیں کہ بعض باتیں ایسی ہیں جو بلحاظ تذکر جائز ہیں نہ بطور تعبد اور یہ ایام عشرہ محرم الحرام میں ہی منحصر نہیں بلکہ یہی قاعدہ دوسری جگہ بھی جاری و ساری ہے۔ لیکن لوگ ان باتوں کو جو بغرض تذکر (یاد) جائز رکھی گئی ہیں۔ بطور عبادت کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ بہت سی بدعت کی باتیں اُن میں شامل کر لیتے ہیں بلکہ اسکی صورت تماشے کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں اور وہ امور محض تماشہ بنجاتے ہیں جیساکہ مشاہد و محسوس ہے۔

بہترین شئے اعمالِ روزِ عاشورا میں ذوالجناح کا نکالنا ہے۔ نفس عمل اگر اغراض شخصیہ و دیگر مفاسد و مناکر سے خالی ہو۔ موجب تذکر ہے۔ کیونکہ اسکی ایک صورت اصلیہ واقعیۂ روز عاشورا موجود ہے۔ کہ خالی ذوالجناح خبر لے کر خیمہ گاہ میں حاضر ہوا تھا مگر جب اس کو بطور اسباب تماشہ نکالا جائے۔ مقصود اصلی سے خارج ہی۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض حضرات لباس فاخرہ پہنکر ذوالجناح کے ہمراہ جاتے ہیں۔ سگار سگرٹ مُنہ سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ فاحشہ عورتیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔ اور اور اغراض شخصیہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ باتیں بہت بری ہیں اور مخل و مضر غرض اصلی ہیں یہ عزاداری و سوگواری کا دن ہے نہ تماشے اور زینت کا۔ روز عاشورا تماشہ نہ تھا قیامتِ صغریٰ بپا تھی۔ کیا یہ تماشہ تھا کہ باپ بیٹوں کو خون میں نہایا ہوا دیکھ رہا تھا۔ مائیں اپنے جگر کے ٹکڑے پاش پاش دیکھ رہی تھیں۔ بہنیں بھائیوں کے ذبح ہونے کا نظارہ کر رہی تھیں۔ اگر ہم ذوالجناح لے کر غرض اصلی کے حاصل کرنے کے لئے جائیں تو بہتر ہے ورنہ

اگر سیر و تماشہ کی غرض سے جاتا ہے تو بہت بُرا ہے ۔ ہم کو ذوالجناح اس طرح نکالنا چاہیے کہ ہماری صورت ایسی ہونی چاہیے کہ جو بے خبر لوگ سیر و تماشے کی غرض سے آتے ہیں وہ بھی ہمکو دیکھ کر ایسے متاثر ہوں کہ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں ۔

ذوالجناح کا جواز قرآن سے

ذوالجناح وغیرہ کے بنانے اور نکالنے کا جواز قرآن سے ثابت ہے اور آیہ ذیل سپر ۲۲ یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات (سبا ۔ ۲۶) یعنی بنی جان حضرت سلیمانؑ کو محراب لئے عبادت انبیائے سابقین اور اُن کی تمثالیں بنا کر دیا کرتے تھے ۔ اور حضرت سلیمانؑ بغرض تذکر بنوایا کرتے تھے ۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ تذکر (یاد) کی غرض سے تمثالیں وغیرہ بنوانا جائز ہے اور فعل پیغمبر ہے لہذا ذوالجناح بنانا یا شبیہ روضہ امام حسینؑ وغیرہ بنانا جائز ہے ۔ مگر غرض وہی ہونی چاہیے ۔ جو پیغمبر یعنی حضرت سلیمانؑ کی تھی یعنی محض تذکر کی غرض سے بنائے جائیں نہ کہ عبادت کے واسطے ۔ مطلب صرف یہ ہو کہ ہماری یاد تازہ ہو ۔ اور ہماری ساری توجہ کربلا کی طرف منعطف ہو اور اس خونی منظر کی اصلی تصویر آنکھوں میں پھر جائے ۔ ان تمثالوں کو اگر کوئی صاحبِ اثر سمجھے کہ یہ بذاتہا ہمارے واسطے کچھ کر سکتی ہیں یا اثر رکھتی ہیں تو وہ مرتکبِ فعل حرام ہے اور گنہگار ۔ یہی وجہ بُت پرستوں کی مذمت کی ہے کہ وہ نفسِ تماثیل و تصاویر کو صاحبِ اثر جانتے تھے اور جانتے ہیں ۔ اوّل اوّل حضرت ادریسؑ کے شاگردوں نے بغرض تذکر انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اور پھر تمثالیں بنائیں ایک مدت کے بعد لوگوں نے اُن کو عبادت میں داخل کر لیا اور ان کی پرستش کرنے لگے حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ تک اسکا رواج ہو گیا تھا اسی واسطے حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں "ما هذه التماثيل التي انتم لها عاكفون" یعنی یہ تماثیل کیا چیز ہیں کہ تم جن کے گرد ہو رہے ہو ۔ تمام بت پرست ان بتوں کو خدا نہیں جانتے

تھے۔ بلکہ نفس تماثیل کو عنداللہ شفیع جانتے تھے اور کہتے تھے "ھٰولاءِ شفعائنا عند اللہ" یعنی یہ بت خدا کے پاس ہمارے شفیع ہیں لیکن چونکہ خود ساختہ پتھر قابل شفاعت نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان کو شرک کہا گیا کہ وہ ان کو مظاہر صفاتِ خدا جانتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ ان کو معبود بھی کہنے لگ گئے اور لفظ "اللہ" اُن پر بولا جانے لگا۔ غرض ان تماثیل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جائز یعنی جبکہ محض تذکر کے واسطے ہوں۔ دوسری ناجائز جبکہ اُن کو صاحبِ اثر دحقیقی شفیع سمجھا جائے۔

مسئلہ تعظیم

اب رہا یہ امر کہ جن چیزوں کو بغرض تذکر لیا جائے ان کی تعظیم بھی جائز ہے یا نہیں؟ ہاں صاحب خیر و برکت اشیاء کی تعظیم جائز ہے اور قرآن اسپر شاہد ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" بیشک کہ صفا و مروہ شعائر الہیہ سے ہیں "والبدن جعلنٰھا من شعائر اللہ" قربانی کے اونٹ کو ہمنے شعائر سے قرار دیا ہے۔ پھر فرماتا ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" یعنی جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے۔ تو یہ بات اس کے دلی تقوے کی نشانی ہے لیکن تعظیم کے یہ معنی نہیں جو ہندوستان میں عام طور پر خیال کئے جاتے ہیں یعنی سامنے جھکنا۔ سرنگوں ہونا۔ سجدہ کرنا۔ جن شعائر کی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو سجدہ کیا جائے۔ یا اُن کے سامنے سرنگوں ہوں اور نہ ایسا کیا جاتا ہے۔ بلکہ اسی شتر قربانی پر سوار ہو کر آتے ہیں۔ جن کو شعائر اللہ سے بتلایا گیا ہے۔ لہذا تعظیم کے یہ معنی نہیں۔ بلکہ تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ انہیں دیکھ کر خدا کو یاد اور اسکا ذکر کریں جیسا کہ خدا فرماتا ہے "فاذکروا اسم اللہ علیھا" یعنی اسپر اس خدا کا ذکر کرو۔ شعائر کے معنی علامات و نشانیاں ہیں۔ پس شعائر اللہ وہ خاص نشانیاں ہیں جہاں ذکر الہٰی کا حکم ہے اور جہاں اور جن سے خدا کی یاد تازہ ہوتی اور عظمت پیدا ہوتی ہے۔ ہر شے کی تعظیم اسکی شان کے موافق ہوتی ہے۔ مسجد کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں عبادت خدا

بجالائی جائے۔ اور لغو اور مہمل باتوں اور کاموں سے اجتناب کیا جائے اسکو پاک و صاف رکھا جائے:۔

مس کرنا و بوسہ دینا

جس طرح اشیاء متبرکہ کی تعظیم جائز ہے اسی طرح ان کو مس کرنا بوسہ دینا بھی ناشروع نہیں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم علی الصباح اصطبل میں تشریف لیجاتے تھے اور گھوڑونکی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے "الخیل معقودٌ بنواصیہا الخیر الی یوم القیمۃ" یعنی گھوڑونکی پیشانی سے تا قیامت خیر وابستہ ہے پس جسمیں خیر و برکت ہو اسکی تقبیل اور اس پر ذکر خدا کرنا منع نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جب جہاد پر گھوڑے بھیجتے تھے۔ تو انکی گردنوں اور ٹانگوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور مس کرتے تھے "اذ عرض علیہ بالعشے الصافنات الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق" ایک ایک گھوڑا حضرت سلیمان پر پیش کیا جاتا تھا اور حضرت انکی گردن اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے غرض باخیر و برکت اشیاء کو مس کرنا درست و صلح ہے۔ اور فعل انبیاء علیہم السلام و علی ہذا القیاس بوسہ دینا۔ بوسہ دینا یا تو بوجہ محبت ہوتا ہے جیسا کہ ماں باپ بیٹے کا منہ چومتے ہیں۔ اسکی تعظیم کے لیئے ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ بوجہ محبت علاوہ کبھی بوسہ تبرکاً و تیمناً دیا جاتا ہے جس طرح کہ قرآن اور جلد قرآن کو بوسہ دیتے ہیں جلد قرآن معمولی چمڑہ ہوتا ہے مگر قرآن کی جلد کہلانے اور قرآن کے ساتھ ملحق ہونے سے وہ بھی بابرکت ہوگیا کہ اسکو چومتے اور بوسہ دیتے ہیں۔ اسی طرح غلاف خانہ کعبہ سے ملحق ہونے سے بابرکت ہوگیا۔ اور اسکو بوسہ دینا، مس کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ خانہ کعبہ محل خاص نزول رحمت پروردگار ہے۔ بلکہ اشیاء متبرکہ ایک اثر بھی رکھتی ہیں اور ایسے ہی ان کو مس کرنا و بوسہ دینا۔ دیکھو قصہ سامری۔

سامری قوم فرعون سے تھا جب قوم کے غرق ہونیکا حکم ہوا اور بنی اسرائیل کو حکم ہوا

کہ وہ دریا سے گذر جائیں اور دریا شق ہوگیا۔ ایک سوار بنی اسرائیل کے آگے آگے چلنے لگا۔ تا
کہ خائف نہوں۔ سامری نے دیکھا۔ اس سوار کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک
ہے اور ایک کیفیت خاص رکھتی ہے۔ سمجھا کہ اس میں کچھ اسرار ہے۔ اور اس سوار کے گھوڑے
کے سموں کے نیچے کی کچھ خاک اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی اور بنی اسرائیل دریا سے گذر گئے پھر جب
اُسکے نفس نے بہکایا اور حضرت موسیٰ کی غیبت میں اس نے ایک سونے کا بچھڑا بنایا۔ اور اسمیں
وہی خاک ڈالی تو اس سے ایک آواز پیدا ہو گئی "عجلاً جسداً لہ خوار" اور جب اس سے دریافت
کیا گیا کہ یہ گوسالہ متحرک کیوں ہے؟ اور بولتا کیوں ہے؟ تو اس نے جواب دیا "قبضت قبضۃ
من اثر الرسولؐ" کہ میں نے رسول (قاصد مراد جبرئیل) کے نشان قدم کی خاک ایک مٹھی بھر
کر اُٹھالی تھی اس کو میں نے اسمیں ڈالدیا۔ تو یہ بولنے لگا یعنی وہ سوار جو بنی
اسرائیل کے آگے آگے تھا۔ حضرت جبرئیل تھے اور اُن کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی
خاک متحرک تھی۔ اور اسکا یہ اثر ہوا کہ دھات کا جسم بولنے لگا گویا یہ اثر تھا برکتِ قدم حضرتِ
جبرئیل کا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں کسی باخیر و برکت شے سے منسوب و ملصق ہوتی ہیں
وہ بھی باعثِ خیر و برکت و صاحب اثر ہو جاتی ہیں۔ لہذا وہ چیزیں جو پیغمبر خاتم النبیین
و افضل المرسلین اور ان کی اولادِ طاہرین مخدوم جبرئیل امینؑ کی طرف منسوب اور ان
سے ملصق ہیں وہ کیوں باعثِ خیر و برکت و صاحب اثر ہونگی اور یہ برکت و اثر دراصل
منسوب الیہ کا اثر ہوگا نہ حقیقتہً اس شے منسوب کا۔ جب جبرئیلؑ کے گھوڑے کے پیر کی
خاک میں اثر ہے۔ تو قدم ذوالجناح میں کیوں نہوگا۔ حضرت رسولؐ کا فرس جسے ذوالجناح
کہتے ہیں۔ اسکا اصلی نام مرتجز تھا حضرتؐ اکثر اسی پر سوار ہوتے تھے۔ روز عاشورا امام
مظلومؑ اول ناقہ قصوے پر سوار ہوئے۔ اور جس وقت حضرتؑ کا چاروں طرف سے
دشمن نے احاطہ کر لیا ہے اس وقت حضرتؑ نے اس مرتجز یعنی ذوالجناح کو طلب کیا
اور اسپر سوار ہوئے اور یہ وہی مرتجز ہے جس نے حضرتؑ کی شہادت کی خبر خیمہ اہل حرم میں پہنچائی ہے

اسی طرح علم و نشان جو اُن علموں کی شبیہ ہیں۔ خود ایک اصلیت رکھتے ہیں اور جب علم نبوی کی طرف منسوب ہوں تو بہت ہی متبرک ہو جاتے ہیں اس لیے ان کو مس کرنا اور بوسہ دینا ناروا نہیں ہے۔

بہرحال کل کی عزاداری گذشتہ نوروز کا نتیجہ ہے چاہیے۔ کہ کل تمہاری حالت ایسی ہو کہ گویا ابھی میدان کربلا سے آئے ہو۔ اور دیکھنے والے تمہاری حالت سے متذکر ہوں اور عبرت پکڑیں "وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا" صبر خصائص امامت ہے۔ کل وہ دن ہے۔ کہ امام مظلوم نے تمام اوصاف نبوی وجملہ فرائض و احکام کو بجالا کے اور کرکے دکھلایا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ امامت و خلافت خاندانِ نبوی ہی سے مخصوص ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ روز عاشورا امام حسین علیہ السلام نے جو اسقدر آدمی قتل کئے یہ امر خلاف صبر ہے اور منافی رضا بقضائے الٰہی ہے۔ مگر معلوم ہے کہ جس وقت حضرت حمزہ شہید ہو گئے ہیں۔ اسوقت حضرت نے فرمایا کہ میں دشمنوں کے ستر آدمی حمزہ کے عوض قتل کرونگا حکم خدا پہنچا تم کو اپنی اتنی ہی زیادتی کرنی چاہیے۔ جتنی کہ انھوں نے کی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے پس معلوم ہوا کہ بطور انتقام دشمنوں کو قتل کرنا خلاف صبر ہے اور اس اعتراض کا جواب یہی ہے کہ یہ قتل بطور انتقام نہ تھا ہاں اگر از روئے انتقام ہوتا تو بیشک خلاف صبر ہوتا۔ امام زمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے جد بزرگوار تمنے ایسا صبر کیا ہے کہ ملائکہ متعجب ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد امام حسینؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام خلاف صبر نہ تھا اور قتل دشمنان از روئے انتقام نہ تھا بلکہ یہ محض دفاع اور اتمام حجت کے لئے تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں تمسے مغلوب و عاجز ہو کر شہید نہیں ہوتا ہوں بلکہ حفاظت دین کے لئے شہادت قبول کی ہے ورنہ اگر میں چاہوں تو ایک دم میں تمہیں فنا کردوں لیکن کیونکر یہ اتمام حجت ہوا کیا شجاعت اور لوگوں کو قتل کرنا کوئی حجت ہو سکتا ہے؟ دنیا میں بہتیرے شجاع و بہادر گزرے ہیں۔ تو کیا انکی شجاعت ان کی سچائی اور حقیت

کی دلیل ہے؟

ہاں بیشک جب شجاعت اس درجے پر پہنچ جائے کہ طاقت بشری سے باہر ہو تو وہ ضرور حجت وعلامتِ کرامت ہے۔

اس روز اسلامِ کامل اور کفرِ کامل کا مقابلہ تھا مسلم مطلق باسلام نبوتی کفار کے مقابل تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے "ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی و ان اعمل صالحا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین" (احقاف ع۱)

پس وہ اس امت مسلمہ سے ہے جس کا حضرتِ ابراہیم نے ذکر کیا ہے اس نے اپنی اُس قوت روحانی سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا اور ثابت کردیا کہ امام ذریت ابراہیم اولادِ رسولؐ ہی سے ہیں۔

حیرت انگیز حسینی شجاعت

بعد ظہر جب تمام احباب واصحاب وعزیز واقربا یار و انصار شہید ہوچکے۔ یہاں تک کہ ششماہہ شیرخوار بھی گلے پر تیرِ ستم کھا کر باپ کی گود ہی میں باپ پر قربان ہوگیا اور حسینؑ یکہ و تنہا رہ گئے۔ میدان جنگ میں تشریف لائے اور لشکرِ مخالف کے مقابل کھڑے ہو کر عمر سعد لعین سے مخاطب ہوئے اور اس طرح سے اتمام حجت فرمانے لگے اے لشکر جفا کار تین باتوں میں سے میری ایک بات قبول کر دیا تو مجھ کو چھوڑ دو کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤں۔ جواب دیا یہ نہیں ہوسکتا۔ فرمایا اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مجھے پانی پلاؤ ملاعین نے کہا یہ بھی ممکن نہیں۔ پھر فرمایا اچھا اگر یہ بھی نہیں کرتے۔ تو پہلے مجھ سے ایک ایک شخص لڑنے کو آئے۔ کہا یہ منظور ہے۔ اول یزید ابطحی حضرتؑ کے مقابلہ کے

لے آیا اور سامنے آن کر حضرتؑ کو سخت و سست کہنے لگا۔ حضرتؑ نے بکمال وقار و صبر ہوتی ایک تیغ اس کے سر پر لگائی۔ جو زین تک کاٹتی ہوئی نکل گئی اور وہ دو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بعد از ان دو شخص اور آئے حضرتؑ نے انکو بھی ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ بعد از ان تین آئے۔ ان کو بھی حضرتؑ نے اسی طرح فی النار کیا۔ اسکے بعد چار شخص اور آئے انھیں بھی ایک ہی وار میں فی النار کیا۔ یہاں تک کہ دسؑ دسؑ آنے شروع ہو گئے اور حضرتؑ نے اسی مقام پر کھڑے کھڑے علاوہ مجروحین کے نو سو پچاس آدمی قتل کئے۔ یہ حال دیکھ کر پھر کسی نے جرات نہ کی اور کوئی حضرتؑ کے مقابلہ پر نہ آیا۔ شمر ملعون نے دیکھا کہ لوگوں میں شور و غوغا مچ گیا ہے گھبرایا۔ عمر سعد سے کہنے لگا تو نہیں جانتا کہ یہ "انزع البطین" (علیؑ) کا بیٹا ہے۔ کون اس کے مقابلہ میں آسکتا ہے۔ چاہئے کہ چاروں طرف سے حملہ کیا جائے۔ حضرتؑ کے پیچھے کی طرف خیام تھے اور سامنے لشکر آخرکار چاروں طرف سے آن کر احاطہ کر لیا۔

اُس وقت حضرتؑ نے ان پر حملہ کیا تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے "منشدٌ علیہم" (یعنی نہایت سخت حملہ کیا) "فکانہم جرادٌ منتشرٌ" مثل ٹڈیوں کے منتشر ہو گئے اور بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے تھے "وکانہم حمرٌ مستنفرۃ فرت من قسورۃ" اور اس طرح بھاگتے تھے جس طرح شیر ببر سے وحشی جانور اور گدھے بھاگتے ہیں۔ یعنی پیادوں کا وہ حال تھا اور سواروں کا یہ۔ فوج کے فرار کی یہ کیفیت تھی کہ حضرتؑ اس حملہ میں انکو شکست دیتے ہوئے بنا بر ایک قول کے ذوالکفل تک پہنچ گئے جو اس مقام سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں حضرتؑ نے اپنا علم نصب کیا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر حضرتؑ اپنے نیزہ کے پاس آئے اور فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ تاکہ لوگ جان لیں کہ میں خدا نہیں ہوں اور درجہ امامت ان پر ظاہر ہو۔ اس عرصہ میں حضرتؑ نے جتنے لوگ قتل کئے ان کی تعداد مورخین بہت کچھ لکھتے ہیں۔ بعض تو دس ہزار تک لکھتے ہیں مگر کم سے کم شمار مقتولین (۱۹۵۰) ہے اور ان

حملوں کو صرف (۵۲) منٹ کا عرصہ لگا یعنی ۵۳ منٹ میں ایک ہزار نو سو پچاس آدمی قتل کیے۔ یہ شجاعت فوقِ طاقتِ بشری دلیلِ امامت ہے۔ پس حضرتؑ نے یہ حملات اثبات امامت کے لیے کیے تھے۔ نہ از راہ انتقام اور باوجود اس قدر قتل و خون کے اس عرصے میں حضرتؑ کے جسم اقدس پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا جس وقت تک کہ حضرتؑ نے ایک آواز آسمان سے نہ سنی۔ کوئی زخم جسم اقدس پر نہ کھایا:

پس وجود امام میں ایک قوت ہوتی ہے جو تمام قوتوں سے زیادہ ہے گویا ایک قوت برقی ہے۔ فوقِ تمام قویٰ۔ بلکہ وجود امام مخزن قوت برقی ہے کہ دوسروں کو اس سے تقسیم ہوتی ہے۔ وہ قوت ہے کہ اگر یہ مامور ہوتے۔ تو یہ وجود عنصری بھی عرش پر پہنچ جاتا۔ لیکن چونکہ معراج خصائصِ نبوت سے ہے لہذا ایسا نہ ہوا۔ ورنہ ان سب کے بدن ایک ہیں۔ حدیث اسکی تصریح کرتی ہے۔ کہ پیغمبر و امام ایک جسم و ایک جان ہیں۔ مشہور ہے حدیث خرمہائے صدقہ۔ کہ ایک مرتبہ پیغمبر کے سامنے صدقہ کے چھوہارے رکھے ہوئے تھے امام حسنؑ جو نہایت کم سن تھے۔ انہیں سے ایک چھوہارا اٹھا کر منہ کے قریب لے جانے لگے تو حضرت نے فرمایا کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ علینا محرم یعنی فرمایا۔ ہیں کیا کرتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ یہاں پر حضرتؐ نے لفظ علینا فرمایا ہے یعنی حضرت حسنؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا ہے اور بصیغہ جمع فرمایا کہ ہم پر صدقہ حرام ہے۔ ہم سب ایک ہیں۔ گویا اتحاد جسمانی و روحانی رکھتے ہیں۔ اور یہ سب تمام حالات میں یکساں ہیں نیز آیۂ مباہلہ بالصراحت دال ہے کہ یہ سب آپس میں ایک نفس ہیں کہ بصیغہ جمع فرمایا ہے وانفسنا وانفسکم۔ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ کوئی پیغمبر پر یہ اعتراض نہ کرے کہ پیغمبر نے ایک کم سن بچے سے اس قسم کا استفہام کیوں کیا جو ایک باخبر جاننے والے شخص سے کیا جاتا ہے یعنی جناب امام حسنؑ سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ گویا مقصود یہ ہے کہ تم جانتے ہو تمہیں ایسا نہیں چاہئے

کیونکہ حسنؑ کا حال عوام الناس کا سا حال نہیں حسنؑ وہ ہیں۔ جو اس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے اور تمام حلال وحرام سے واقف تھے اس واسطے پیغمبرؐ نے ایسا فرمایا تھا فان الحسن فی ذالک الوقت یلاحظ اللوح المحفوظ جو بیس چیزیں خصائص نبوت سے شمار کی گئیں ہیں جن میں سے اکثر خصائص مشترکہ ہیں۔ نبی اور امام میں اور بعض مخصوص ہیں جناب ختمی مرتبت سے منجملہ اُن کے ایک آپ کے جسم اقدس کا بے سایہ ہونا ہے اور یہ حسب روایت حضرت رضاؑ امامؑ کے لئے بھی ثابت ہے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ لیکن جب یہ نور فعلاً درجۂ کمال پر پہنچے گا "واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون" اس وقت یہ تمام صفات وخصائص مع اشیاء زائدہ ظاہر ہونگی اور اکمال واتمام اس نور کا وقت ظہور امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ ہوگا۔ جس کا آیندہ ذکر آئے گا اور یہ صحیح ہے اور آیات اس پر شاہد ہیں "فاستبقوا الخیرات اینما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا" خیرات کی طرف جلدی وسبقت کرو جہاں کہیں تم ہوگے خدا تمکو جمع کرائے گا۔ اس سے مراد قیامت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ قیامت میں اشرار کو پیدا نہ کرے گا۔ حالانکہ اس وقت حشر مطلق ہے۔ بلکہ مراد اس سے زمانہ مہدی عجل اللہ ظہورہ ہے۔ بارہ شخص ایک جگہ جمع ہوکر معراج کو جائیں گے علیہم الصلوٰۃ والسلام ؂

نبیؐ کی قوّت اور معراجِ جسمانی

مخالفین اسلام جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں مدرک ان کا کتب اہل اسلام ہیں۔ جیسا کہ پیغمبرؐ کی معراج جسمانی کے متعلق حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا۔ کہ شب معراج جسم پیغمبرؐ بستر پر سے غائب نہیں ہوا تھا بلکہ معراج۔ معراج روحانی ہوئی تھی۔ اور اسی طرح معاویہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ اُس نے آیہ مجیدہ "وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنۃ للناس" (الخ) کی تفسیر میں بیان کیا کہ معراجِ حضرتؐ محض روحانی خواب تھا۔ لیکن یہ حضرت عائشہ پر محض افترا ہے۔ انھوں نے ہرگز نہیں فرمایا۔ کیونکہ معراج بنا بر ایک قول

بعثت کے تیسرے سال مکہ میں واقع ہوئی ہے اور حضرت عائشہؓ آخر سن ہجرت میں عقد پیغمبرؐ میں آئیں۔ اور بعد ہجرت آٹھ ماہ بعد مدینہ میں حضرت کے گھر آئیں۔ پھر حضرت عائشہ کو بستر پیغمبرؐ کی کیا خبر۔ یہ محض تہمت ہے۔ اگر حضرت عائشہ اس طرح فرمائیں تو اسوقت سب تکذیب کرتے۔ کہ تمہیں کیا خبر تم شب ہجرت خانہ پیغمبر میں کب تھیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اُنھوں نے پیغمبر سے سن کر روایت کی ہوگی۔ تو چاہیے تھا کہ قال رسول اللہ فرماتیں نہ کہ اپنا قول البتہ یہ صحیح ہے کہ معاویہ نے ایسا کہا۔ لیکن اسکا قول سند نہیں وہ اعدائے عدوِ پیغمبر تھا۔ اور وہ اسوقت مسلمان بھی نہ تھا۔ بعد فتح مکہ مولفۃ القلوب لوگوں میں داخل ہوا ہے۔ بعد از ان مسلمانوں نے جو فلاسفہ کے قول سننے کے عادی ہوگئے تھے کہ کوئی جسم کرۂ ہوائی سے باہر نہیں جاسکتا تو اُنھوں نے بھی اعتقاد کر لیا۔ کہ معراج حضرتؐ روحانی تھی۔ نہ جسمانی اور ان روایات کی بھی تصدیق کرلی۔ منکرین نبوت ہمیشہ اسی طرح کی حدیثیں سناتے رہتے ہیں اور پیغمبر اسلام پر افترا کرتے ہیں ہے فلاسفہ سو اُن کے اقوال خود متضاد ہیں سند نہیں ہوسکتے۔ اولاً مقدمات میں بیان کرتے ہیں۔

کہ ہوا دو قسم کی ہے ایک اندرونی دوسری بیرونی اور ہر ایک جسم ان دونوں ہواؤں کے دباؤ سے قائم ہے۔ اور بیرونی ہوا کا اندرونی ہوا پر دباؤ پڑتا ہے اور اندرونی ہوا اپنی کشش سے بیرونی ہوا کو اندر کھینچتی ہے۔ اور اس طرح سے اندرونی ہوا باہر نکل آتی ہے۔ اگر بیرونی ہوا کا دباؤ اور بیرونی ہوا نہ ہو۔ تو اندرونی ہوا کے زور سے کھال پھٹ جائے اور جسم پاش پاش ہوجائے اور حسی ثبوت بھی دیتے ہیں کہ سینگی لگانے میں سینگی کو ہوا سے خالی کر لیا جاتا ہے اور جہاں سینگی لگانی ہوتی ہے اس مقام کی ہوا بھی چوس کر خالی کردی جاتی ہے۔ اور سینگی کو چپکا دیا جاتا ہے۔ تو اس مقام سے جسم پھٹ جاتا ہے۔ اور خون نکل آتا ہے۔ جو مشاہد و محسوس ہے غرض جب جسم پر بیرونی ہوا کا دباؤ نہ ہے۔ یا جسم ایسی جگہ ہو۔ جہاں یہ ہوا نہیں ہے۔ تو اندرونی گیس جسم

کو پاش پاش کر دیتی ہے اور جسم سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں کب ممکن ہے کہ کوئی جسم اس کرۂ ہوا سے باہر چلا جائے یا آسمان پر پہنچ جائے۔ لیکن ان کا یہ استدلال خود ہی اُن کے اصول کی رُو سے باطل ہے کیونکہ ہوا بھی خود جسم ہے اور یہ تثاقل وانجذاب (دباؤ وکشش) اس میں بھی موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز بارش نہ برستی اسی طرح اگر ہوا کے اوپر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ ہو۔ اور مانع اٹھ جائے۔ تو وہ منتشر ہو جائے اور پھیل جائے۔ اور دباؤ سے خارج ہو جائے۔ اور اپنے مقام سے باہر ہو جائے اور اسی طرح زمین بھی فنا و متلاشی ہو جائے یعنی وہ قائل ہیں کہ کرۂ ہوائی جو ایک جسم ہے زمین کو چاروں طرف سے محیط ہے اور اپنے گرد کی ہوا کو کشش زمین اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے پس ہم کہتے ہیں کہ جب ہوا بھی ایک جسم ہے اور تثاقل اور تجاذب ابھی موجود ہے۔ اور فلاسفہ اس کے لیے قائل ہیں۔ کہ مثلاً ۴۵ میل سے اوپر ہوا نہیں ہے۔ خلا ر (اتو مسفر) ہے تو اس کرۂ ہوائی پر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ رہا اُن کے اس قاعدۂ اولیہ کے موافق چاہئے کہ جسم ہوا بھی منتشر ہو جائے۔ اور اس کا حجم خلاء کی طرف کو پھیلتا جائے۔ اور اسی طرح جب زمین پر اس ہوا کا دباؤ نہ رہا تو چاہئے کہ وہ بھی فنا و متلاشی ہو جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور نہ وہ اُسکے قائل ہیں۔ پس یا تو وہ اپنے اقوال میں تناقضِ صریح کو تسلیم کریں یا اپنے قاعدے کی غلطی مانیں۔ علاوہ ازیں وہ قائل ہیں کہ آفتاب اوّل مخلوق ہے۔ جو اجزاءِ فردیۂ مادیہ کی حرکت وکشش دائمی طبعی سے پیدا ہوا ہے اور باقی تمام کرات واجسام اسی کی کشش سے قائم ہیں اور یہی مرکز عالم ہے۔ پس اس بنا پر چاہئے کہ آفتاب اپنی کشش دائمی سے زمین کے گرد کے کرۂ ہوائی کو اپنی طرف کھینچ لے ورنہ یہ اصول باطل ہے اور اُن کو قائل ہونا چاہئے۔ کہ ان تمام چیزوں کے سلسلہ نظام کو قائم رکھنے والی اور ہی کوئی قوت خارجی ہے۔ جو اس مادے سے بالا اور اس سے علیحدہ ہے۔ یہ جو قائل ہیں کہ مادے میں حرکت دائمی ہے۔ بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ

حرکت کا مفہوم ہی حدوث پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا حرکت بعد سکون ہے یا حرکت بعد حرکت۔ اگر بعد سکون ہے تو بھی قدیم نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے سکون موجود ہے۔ اور اسی طرح اوپر کو بیتے جاؤ کہ حرکت سے پہلے حرکت اور اس حرکت سے پہلے حرکت الی غیر النہایت۔ تو ضرور آخر میں منتہی بسکون ہو گی۔ لہذا حرکت کسی طرح قدیم نہیں ہو سکتی۔ حکمار نے در اصل جذب و دفع ہی کو نہیں سمجھا۔ اور آخر کار انہیں سکوت اختیار کرنا پڑا ہے۔ تمام قوائے جاذبہ و دافعہ علۃ العلل و مسبب الاسباب کے دست قدرت میں ہیں اور وہی موثر حقیقی ہے۔ تمام موجودات میں اور خزانہ ان تمام قوائے برقیہ و ابرقیہ کا وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ والہ وسلم ہے کہ اول صادر از مصدر ہیں ہر شے کو وہاں سے تقسیم ہوتی ہے کوئی شئے اس سے مافوق نہیں۔ الاحد اوند عالم پس پیغمبر کا معراج پر تشریف لیجانا اسی قوت کے ذریعہ سے تھا۔ جذب بھی اس کے اختیار میں ہے۔ دفع بھی اس کے ماتحت۔ جب مشیت الہی ہو جہاں چاہے وہ جا سکتا ہے کوئی شے اسے مانع و حاجب نہیں ہو سکتی۔ قرآن ان تمام امور کو بیان کرتا ہے "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ" الخ یعنی پاک و پاکیزہ ہے وہ خالق عالم جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے اول مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف و جوانب بابرکت ہیں۔ پس اصل لے جانے والا خدا ہے جو قادر مطلق و خلاق عالم ہے

یہی قوت وجود امام میں بھی موجود ہے اور اسی قوت سے ہر شے پر غالب آتا ہے حسین مظلوم نے لشکر مقابل سے تین درخواستیں کی ہیں۔ کہ ایک ان میں سے پانی کی خواہش تھی۔ اور چند مرتبہ ایسا کیا۔ اور متعدد طریق سے اسکو ظاہر کیا اور پھر دریا پر پہنچ کر بھی پانی نہ پیا۔ حالانکہ شدت تشنگی کا یہ حال تھا۔ کہ تقریباً ۹ بجے صبح کے حر بن یزید ریاحی لشکر مخالف کے مقابل تشریف لے گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے لوگو تم نے اس عبد صالح کو بلایا۔ اور اب تم اس کے ساتھ مکر و حیلہ سے پیش

آئے۔ یہ جانے کی اجازت مانگتا ہے مگر تم نہیں چھوڑتے اور پانی کو اسپر بند کر دیا ہے۔ جسکو کفار و مشرکین سگ و خوک پیتے ہیں۔ اور تشنگی کی یہ شدت ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے شدت تشنگی سے اٹھ نہیں سکتے۔ کھڑے ہوتے ہیں اور گر پڑتے ہیں انتہٰے پس جب صبح کے وقت پیاس کی یہ شدت تھی۔ تو عصر کے وقت کیا حال ہوگا؟ مگر معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ کنار فرات پر پہنچ کر بھی پانی نہ پیا؟ سبب اسکا یہ تھا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" اور یہ روز ان تمام باتوں کے عمل کرنے کا ہی۔ حسینؑ نے فرات میں داخل ہو کر دکھایا کہ ہم دریا لے سکتے ہیں لیکن داخل ہو کر بھی پانی نہ پیا تاکہ عمل کی مثال قایم کریں اور دنیا سے پیاسے اور روزہ دار اُٹھیں کہ باوجود قدرت کے اس طرح کا صبر کیا کرتے ہیں۔ جو صبر کے اصلی معنی ہیں اور صبر امام یہ ہے۔ جو دلیل امامت ہی۔ اور یہ اثر اسی قوت کا ہے۔ جو نبیؐ اور امام کے لئے مختص ہے ؛

اور دوم مرتبہ اس کلمہ کا اظہار فرمایا۔ سات حملے لشکر پر کئے۔ تیسرے حملہ میں نہایت غضبناک ہوئے نہ معلوم کیا وجہ تھی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ نہر علقمہ پر لاش برادر دیکھکر غضب میں آئے تھے ابن تمیمؒ نامہ نگار رکھتا ہے کہ میں نے کسی دل شکستہ کو مثل حسینؑ جری و پر دل

قال بعض الرواۃ ما رایت مکسورا قط قد قتل ولدہ و اھلبیتہ و اصحابہ اربط جاشا منہ وان کانت الرجالۃ تشد علیہ فیشد علیھا بسیفہ فتنکشف انکشاف المعزی اذا اشتد فیھا الذئب ولقد کان یحمل فیھم وقد تکملوا ثلثین الفا فینھزمون بین یدیہ کانھم الجراد المنتشر ثم یرجع الی مرکزہ و ھو یقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یعنی راوی کہتا ہے مینے کسی شکستہ دل کو جسکے صحاب و اقربا اور اہلبیت سلنے قتل ہو چکے ہوں حسینؑ سے زیادہ قوی القلب اور مستقل مزاج نہیں دیکھا کہ اگر آپ پر پیادے حملہ کرتے تھے تو آپ ذوالفقار لیکر جھپٹتے تھے تو انکی بھیڑ اس طرح پھٹ جاتی تھی جیسے کہ بکریوں میں بھیڑیا آن پڑتا ہے اور وہ جناب پر حملہ آور ہوتے تھے در انحالیکہ وہ پورے تیس ہزار تھے پس وہ آپ کے آگے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح ٹڈیاں اڑتی ہیں۔ ابن شہر آشوب اور محمد بن ابیطالب نقل کرتے ہیں کہ ان حملوں میں اس تشنہ لب مظلوم نے ایکہزار نو سو پچاس ناریوں کو فی النار کیا

نہیں دیکھا کہ جس کے بھائی، بھانجے، بھتیجے، بیٹے سب قتل ہو چکے تھے۔ مگر اس حالت میں اس نے مثل شیر غضبناک حملہ کیا اور نہر علقمہ میں داخل ہو گئے اس وقت ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے (علی قول) "یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود" اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ یعنی وقت شجاعت ختم ہوا یہ وقت شہادت ہے "فکف عن القتال ووضع علی یدہ وقال انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ لڑائی سے ہاتھ اٹھا لیا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" یعنی ہر حال میں راضی برضا ہیں۔ جب لشکر مخالفین نے دیکھا کہ حسینؑ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میں یہاں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کیا۔ اس وقت امیر المومنینؑ کی تاسی کی یعنی دیکھا گیا۔ کہ عمامہ دو ٹکڑے ہے آپ نے نہ چاہا کہ بہنیں آپ کو اس حال سے دیکھیں۔ دامن قبا پھاڑ کر سر کے زخم پر باندھ لیا۔ قربان ایسی مظلوم پر کہ کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ زخموں پر پٹی باندھے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

موعظۂ نہم

۱۰ر محرم الحرام سنہ ۱۳۲۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

انقلاب و اضطراب عالم امکان

اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت واذا الجبال سیرت
واذا العشار عطلت واذا الوحوش حشرت واذا البحار سجرت
واذا النفوس زوجت واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت

(الخ) آج کے دن دنیا میں ایسا عجیب و ہولناک واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے۔ جس سے ماسوائے

اللہ عرش سے فرش تک جمیع موجودات خواہ محسوس ہوں یا غیر محسوس متاثر ہوئے ہیں قاعدہ یہ ہے کہ جب چاند زمین و آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ تو آفتاب کو گہن لگتا ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ بوجہ کمی حرارت و سوزش آفتاب کو گہن لگا ہے اور معلوم ہے کہ جب تک اُس میں تاثر نہ ہو اور کسی حادثہ سے متاثر نہ ہو حرارت کم نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس واقعۂ ہائلہ سے اجرام فلکی بھی مثل آفتاب بے متاثر ہوئے نہ رہ سکے۔ (اس دن آفتاب کو گہن لگنا اسپر دال ہے اذا الشمس کورت) غرض اس روز کے خونی منظر نے تمام موجودات میں اثر کیا۔ مگر ذات واجب الوجود کہ وہ محل عوارض و حوادث نہیں ہے۔ اس کو رنج والم نہیں پہنچا۔ البتہ آثارِ ملال اس سے بھی ظاہر ہوئے ہیں جیسا کہ ملا محتشم نے باحسن طرق اسکو ظاہر کیا ہے کہ جس وقت قطرۂ خونِ حسینی زمین پر گرا۔ عرش ذوالجلال متزلزل ہو گیا ؎

هست از ملال گرچه بری ذاتِ ذوالجلال
او در دل ست و هیچ دلے نیست بے ملال

مُلّا مرحوم نے اول ایک مصرعہ کہا اور چھ ماہ تک متفکر و حیران رہے۔ مگر دوسرا مصرعہ نہ ہوا۔ آخر کار ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ یہ مصرعہ لکھو اور مصرعۂ ثانی بتلایا اس شعر میں مُلّا نے بطور تعمیہ غضب و قہر الہٰی کو بیان کیا ہے یعنی غضب و قہر ذاتِ الہٰی پر عارض نہیں ہوتا۔ تالم سے اسکی ذات منزہ ہے۔ لیکن اسکا اثر یعنی انتقام و تعذیب وغیرہ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس واقعۂ ہائلہ سے خداوند قہار اہل دنیا پر غضبناک ہوا۔ اور آثارِ قہاریت اُس سے ظاہر ہوئے ؎

حُسینی شہادت کا دردناک منظر

اس روز شروع جنگ سے حضرتؑ پر تین حالتیں گذری ہیں۔ ایک وہ حالت ہے جبکہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ دوسری وہ حالت ہے کہ جب حضرتؑ پشت زین سے زمین پر

تشریف لائے اور بیٹھے ہوئے ہیں۔ تیسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت بیٹھنے سے بھی معذور ہیں۔ زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ حالتِ اول میں تمام ذراتِ عوالم کی توجہ حضرتؑ کی طرف مائل ہے۔ اور اُس کے آخرِ وقت میں یعنی جب گھوڑے سے گرنے لگے ہیں عقول قادسہ میدان کربلا میں حاضر ہو گئے اور جس وقت گھوڑے سے گرے ہیں اُس وقت ذواتِ علویہ و موجوداتِ سماویہ سے کوئی باقی نہ تھا جو کربلا نہ پہنچ گیا ہو۔ یہ ملائکہ اس وقت کیوں کربلا میں آئے تھے؟ وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام نے نعرۂ نصرت بلند کیا اور فرمایا "ھل من ناصر ینصرنا" (کیا ہمارا کوئی ناصر و مددگار ہے جو ہماری نصرت اور یاری کرے) یہ آوازِ امامؑ و ولیِ زمان آوازِ ابراہیمی تھی۔ تمام موجودات و ذراتِ عالمِ امکان میں پہنچی۔ عالمِ امکان میں زلزلہ پڑ گیا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب حکم ہوا کہ "اذّن فی الناس بالحج" (الخ) لوگوں کو حج کے لئے بلاؤ اور ندا دو حضرت ابراہیم نے آواز دی تمام موجوداتِ محسوس اور غیر محسوس کو پہنچی۔ جس نے لبیک کہا وہ حج کو جاتا ہے اور مشرف ہوتا ہے۔ جس نے لبیک نہیں کہا وہ ہرگز حج نہیں کر سکتا اسی طرح سے یہ آوازِ امامؑ آوازِ مطلق تھی۔ جمیع ذراتِ عالم کو پہنچی کہ امام زمان فرماتے ہیں "فضجت الملائکۃ" یعنی ملائکہ میں شور و غوغا برپا ہو گیا۔ اور اُنھوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ عترتِ رسولؐ پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے؟ کہ عالمِ امکان مع عرشِ اعظم متزلزل ہے اور اجازت چاہی کہ نصرتِ حسینؑ کو میدانِ کربلا میں پہنچیں حسینؑ مظلوم کے اس استغاثہ میں خداوند عالم بھی شامل ہے۔ کہ استغاثہ مطلق ہے کہ کون میرا ناصر و مددگار ہے؟ لہذا اس استغاثہ کا جواب اول باری تعالیٰ سے ملا۔ اور ایک کاغذ سفید حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر گرا۔ اس میں لکھا ہوا تھا اے حسینؑ! ہم نے تمہارے اوپر شہادت کو واجب نہیں کیا ہے۔ بلکہ مختار ہو چاہے اختیار کرو۔ چاہے نہ کرو۔ تمہارے درجات و مراتب میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوگی۔ حضرتؑ نے شہادت کو اختیار کیا بعد ازاں ملائکہ آئے کہ حضرتؑ کی

نصرت کریں۔ حضرتؑ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ بار الہٰا میں انکی مدد نہیں چاہتا تیری لِقاء کا خواستگار ہوں۔ کیوں حضرتؑ نے نصرت نہ چاہی؟ فعل امام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا حکمت ظاہر ہے جب حضرتؑ تنہا رہ گئے ہیں نہ بھائی ہیں نہ بیٹے نہ بھانجے۔ نہ بھتیجے نہ احباب نہ اصحاب۔ اس وقت حضرتؑ زندہ رہ کر کیا کرتے۔ اس کے بعد سخت ہولناک شروع ہوا تھی کہ وہ حالت ہوئی کہ ملائکہ مقربین مثل حاملان عرش بھی زمین پر آ گئے اور یہ حالت یعنی حالت سواری ختم ہوئی اور دوسری حالت یعنی پیادگی کا وقت آیا۔ لیکن یہ امر کہ حالت سواری و پیادگی میں کتنا فاصلہ تھا۔ اور کس طرح سے زمین پر تشریف لائے اور کہاں؟ میں بیان نہیں کر سکتا گرنے کی کیفیت کو مورخین نے نہیں لکھا کہ حضرتؑ کس طرح سے زمین پر گرے۔ مگر بقول امام زمان عجل اللہ فرجہ وہ حالت نہایت دردناک و غم انگیز ہے۔ کیونکہ حضرتؑ کا فقرہ یہ ہے "ھویت الی الارض جریحاً" اور ہوی کے معنی سر کے بل گرنے کے ہیں یعنی مقصود امام زمان عجل اللہ ظہورہ کا یہ ہے کہ اے جد بزرگوار جب تیغ و سنان۔ نیزہ و تیر کے زخموں سے آپکا جسم اقدس گھایل ہو گیا اور پشت زین پر سنبھل نہ سکے تو منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ داہنے رخسار سے کے بل زمین پر گرے۔ اس وقت زمین کانپ اٹھی۔ اور زلزلہ پیدا ہوا۔ ملائکہ موکلین کو حکم ہوا۔ کہ تھام لو۔ جو لوگ زیارت روضہ اقدس سے مشرف ہوئے ہیں اُنھوں نے دیکھا ہوگا کہ وہاں نہر حسینیہ کی طرف ایک مقام بنا ہوا ہے۔ جو مقام حضرت عجل اللہ کے نام سے موسوم ہے اور مقام حضرت صادق علیہ السلام نہر علقمہ کی جانب ہے کہ جہاں حضرتؑ قیام فرماتے اور رویا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے میرے چچا حضرت عباسؑ داخل فرات ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام حضرت عجل اللہ فرجہ وہ مقام ہے۔ جہاں امام مظلوم گھوڑے سے گرے وہ جگہ اس مقام سے جہاں اب ضریح حضرتؑ ہے بہت فاصلہ پر ہے نہ معلوم کس طرح امام مظلوم یہاں تک پہنچے۔ اور کتنی جگہ قیام فرما کر یہاں آئے حضرتؑ کے یہاں پہنچنے کی حالت نہایت درد انگیز و غم انگیز ہے۔ تواریخ میں لکھا ہے "تادہٗ

ینوء و تارۃ یکبوء او یقوم مرۃ و یکب اخریٰ" کبھی تو آپ کھڑے ہو کر چند قدم چلتے تھے اور کبھی منہ کے بل زمین پر گر پڑتے تھے۔ کیوں حضرات کیا وجہ تھی کہ امام مظلوم گر گر پڑتے تھے؟ آپ سمجھتے ہوں گے۔ کہ ضعف کی وجہ سے۔ ضعف نہ تھا بلکہ جب حضرتؑ اٹھ کر چند قدم چلتے کوئی شقی نیزہ مارتا اور کوئی تلوار اور حضرت گر پڑتے تھے "انا للہ وانا الیہ راجعون" آیا اُس وقت حضرت کے ساتھ ہتھیار تھے یا نہیں؟ اس وقت کوئی ہتھیار حضرتؑ کے پاس نہ تھا۔ کیونکہ جب گھوڑے سے گرے ہیں حضرتؑ نے ذوالفقار۔ زرہ۔ ذوالفضول عمامۂ سحاب اور تمام تبرکات گھوڑے پے باندھ دیئے کہ لیجائے اور وہ ایک تلوار جو گھوڑے سے بندھی ہوئی تھی وہ کمر سے باندھ لی کیونکہ حضرت عازم الی اللہ تھے۔ تبرکاتِ نبوی کو جدا کر دیا کہ اُس کے مستحق کو پہنچائے جائیں۔ غرض جس وقت زمین متزلزل ہوئی۔ اہلبیتِ نبوی سمجھ گئے کہ کیا ماجرا ہے خیموں سے نکل کر تلِ زینبیہ پر آ کر کھڑے ہو گئے اور میدان کی طرف دیکھنے لگے دیکھا کہ فوجوں کے گروہ ایک طرف کو جاتے ہیں اور پھر واپس آ جاتے ہیں۔ آخر کار یہ معرکہ آہستہ آہستہ خیمہ گاہ کے مقابل آ گیا اس وقت اہلِ حرم نے معلوم کیا کہ حسینؑ مظلوم اسی جماعت میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ لوگ اُن پر حملے کر رہے ہیں حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت تیس ہزار آدمی حضرت کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور اُن کے قتل کو ثواب جان کر بڑی بے رحمی سے قتل کر رہے تھے۔ اس وقت ایک دستۂ فوج جو اہلحرم کے سامنے تھا دوسری طرف ہٹ گیا تب اُنھوں نے دیکھا کہ حسینؑ مظلوم تلوار ٹیکے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک بچے کی نظر حضرت پر پڑی۔ عورتوں کی صف سے جدا ہو کر امام مظلوم کی طرف دوڑا۔

شہادت عبداللہ بن الحسن المثنیٰؑ

اس لٹے ہوئے قافلہ کی قافلہ سالار حضرت زینب خاتون نے دیکھا۔ دوڑ کر پکڑ لیا۔ اور فرمایا "اے قرۃ عینی" اے نورِ چشم کہاں جاتے ہو؟ عرض کیا پھوپھی اماں میرے چچا جان کو دیکھتی ہو کہ کس حالت میں ہیں۔ اس حالت کو امام مظلومؑ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آواز دی

اے بہن! اس بچے کو نہ چھوڑنا - مگر مظلومیتِ حسینی کی کششِ مقناطیسی کب چھوڑتی تھی۔ بچے کا دامن چھٹ گیا اور وہ میدان کی طرف چلدیا ۔ صفوں کو چیرتا ہوا پہنچا ۔ اور اپنے آپ کو حضرتؑ پر گرا دیا ۔ اور دونوں ہاتھ حضرت کی گردن میں ڈال دیئے حضرتؑ نے اس سے فرمایا اے نورِ دیدہ تو یہاں کیوں آیا ؟ عرض کیا کہ حضرتؑ کو اس حال میں دیکھوں اور حاضر نہوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے ۔ حضرتؑ اسکی طرف متوجہ تھے کہ پیچھے سے ایک ہاتھ اٹھا ۔ چاہتا تھا کہ حضرتؑ پر وار کرے ۔ بچے نے حضرتؑ کی گردن سے ہاتھ نکال کر حضرت کے سامنے بلند کر دیئے اس ملعون شقی کی تلوار لگی ۔ اور ایک ہاتھ اسکا قطع ہو گیا حضرتؑ نے اسکو گود میں لے لیا ۔ اس وقت تین شخصوں نے حضرتؑ پر حملہ کیا ۔ اور ابن شریک ملعون نے ایک تلوار حضرت کے شانے پر ماری ۔ جس سے حضرتؑ کا بازو سست ہو گیا اور ان ملاعین نے اس بچے کو حضرت کی گود سے کھینچ لیا اور حضرت کے سامنے ذبح کر دیا ۔ اس کشاکش میں ارکانِ عالم مضطرب ہو گئے ۔

اب تیسری حالت شروع ہوئی اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی ۔ حضرتؑ دونو ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھے اس وقت تمام ملائکہ و جنی جان انبیاء و اوصیاء اولیاء وہاں موجود تھے سابقاً بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرتؑ روزہ دار تھے اور دنیا سے روزہ دار ہی اٹھے ۔ جناب رسولِ خدا باروزہ نہیں سدھارے اور نہ حضرت امیرالمومنینؑ روزہ دار گئے اور نہ امام حسنؑ ۔ یہ امر جناب سید الشہدا ہی سے مخصوص تھا کہ دنیا سے باروزہ تشریف لے گئے ۔ کیونکہ یہ حقیقتِ دین کے اظہار کا دن تھا اور عمل کر کے دکھلانے کا روز تینتیس [۳۳] زخم شمشیر کے لگے ہوئے تھے ۔ اور نیزوں کا تو شمار ہی نہ تھا اور زخمی کو بہت شدت کی پیاس معلوم ہوا کرتی ہے ۔ لیکن باوجودیکہ فرات پر پہنچے مگر پیاسے ہے پانی نہ پیا ۔ تا کہ حقیقتِ صوم کو عملاً ثابت کریں صرف سیب بہشتی کو سونگھ لیتے تھے جو حضرت رسولِ خدا کے وقت سے چلا آ رہا تھا ۔ اس وقت جب جسمِ اقدس سے خون بہت ہی نکل گیا

اور پیاس کی شدت ہوئی تو حضرت نے وہی سیب نکالا اور اسکو دندانِ مبارک سے کاٹا تو اس سے خون جاری ہوگیا۔ یہ خونِ امام تھا جس نے سیب میں اثر کیا ہوا تھا اور اسی خون کا اثر ہے جو آج بھی ماتمیوں کے شانوں سے جاری ہے غرض حضرتؑ نے وہ سیب آسمان کی طرف پھینکدیا۔ حضرت جبرئیلؑ جو حاضر رکاب تھے انھوں نے اسکو بہشت میں ڈال دیا خونِ حسینؑ کی بو سے تمام بہشت ماتم سرا بن گیا۔

آیا پیغمبرِ خدا و علی مرتضیٰ و فاطمہ زہراؑ و حسن مجتبیٰ بھی میدانِ کربلا میں موجود تھے یا نہیں ؟ کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مومنین تصور فرمائیں۔ کہ جب حضرت زہراؑ کربلا میں موجود تھیں۔ اور اپنے لختِ جگر کی یہ حالت دیکھ رہی تھیں۔ تو ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ ایک شخص سفید پوش کو دیکھا گیا کہ حضرت حسینؑ مظلوم کے نیزے کے نیچے پھر رہا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ کسی نے دریافت کیا اور کہا اے شخص تو دیوانہ ہوگیا ہے۔ کہا میں دیوانہ نہیں ہوں۔ میں پیغمبرِ خدا کو دیکھتا ہوں کہ با لباسِ خون آلودہ نوحہ و فریاد کررہے ہیں الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین ؕ

موعظۂ دہم

۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علت غیبت امام

یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماماً ۔ ان دس روز یعنی ایام عشرہ محرم میں عنوانات مختلفہ و عبارات متفاوت میں قرآن سے ثابت کیا گیا کہ ہر زمانہ میں ایک وجود حقیقی ہادی یعنی امام موجود ہے۔

امام کے معنی ما یؤم بہ وما یقصد بہ ہیں۔ یعنی وہ شخص یا وجود جس کی طرف جمیع موجودات رجوع کریں اور تمام انسان ظاہراً و باطناً اُس سے وابستہ ہوں جس طرح سے بے تار کی تار برقی ہر ایک ہوا کو جس میں وہ آواز ہوتی ہے۔ اپنی طرف کھینچ لیتی اور جذب کر لیتی ہے اسی طرح سے امام تمام ذرات عالم کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمام موجودات اُس کی طرف متوجہ اور اُس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس قوت جاذبہ کے لوگ بظاہر اس سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ اور کیوں وہ اپنی قوت قہریہ جاذبہ سے اُن کو اپنی طرف نہیں کھینچ لیتا؟ اور کیوں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے؟ حالانکہ اسکو کسی کا خوف نہیں؟

جواب اس کا ظاہر ہے کہ کیوں لوگ اِس سے اعراض کرتے ہیں۔ کیونکہ اسکا وجود وجودِ خدا سے ظاہر تر نہیں ہے اور نہ اسکی قوت قوتِ خدا سے زیادہ ہے پس لوگ کیوں خدا سے اعراض کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ قطعاً وجودِ خدا ہی کے منکر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس پیغمبر سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ کیوں سب اس کی تصدیق نہیں کرتے؟ کیوں اسکی فرمائش پر پورا پورا عمل نہیں کرتے؟ پس جو جواب یہاں دیا جاتا ہے۔ وہی وہاں بھی ہو سکتا ہے؟

علاوہ ازاں اس اعراض کے لیئے ایک اصل بھی ہے وہ یہ کہ صفت امام یہ ہے جیسے خدا بیان فرماتا ہے وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً یعنی اسی طرح سے تمہیں ایک امت وسط بنایا گیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور وسط اعتدال سے یہ مراد نہیں۔ کہ اُس کے ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک۔ کان۔ قد معتدل اور متوسط ہوں۔ اگر ایسا ہو تو چاہیئے۔ کہ ہر مستوی القامت و مستوی الخلقت آدمی امام ہو جائے۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے امام میں درجہ اعتدال ضرور ہے۔ لیکن اعتدال کو سمجھنا چاہیئے کہ کونسا اعتدال مراد ہے

اعتدال کے چند درجے ہیں۔ ایک اعتدال وہ ہے جو ذات احدیت ذات واجب الوجود کے لئے ہے کہ وہ عادل ہے۔ بلکہ عین عدل ہے "ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان" اور اس کا عدل عدل ذاتی ہے۔ پس جو شخص خلیفہ اور جانشینِ خدا ہو چاہیے کہ وہ عادل ہو۔ اور عدل ذاتی رکھتا ہو اور وہ ممکن و واجب کے درمیان واسطہ ہو۔ ممکن بالذات و واجب بالغیر ہو۔ یعنی واجب الوجود سے کم اور ممکن (یعنی عام موجودات) سے بالاتر ہو۔ خدا سے لے اور مخلوقات کو پہنچائے ۔

مثال۔ آفتاب کے لئے ایک مقام مقرر ہے۔ اور اس سے شعاعیں نکلتی ہیں جو تمام موجودات کو روشن اور منور کرتی ہیں اور یہ شعاعیں آفتاب سے کبھی جدا نہیں ہوتیں مگر عین آفتاب بھی نہیں۔ آفتاب اور چیز ہے اور اس کی شعاعیں اور۔ ان دونوں کی ذات ایک نہیں۔ آفتاب کی شعاعیں ہیں نہ کہ عین آفتاب اور آفتاب انہیں شعاعوں کے ذریعہ سے باعثِ روشنی اور تربیتِ عالم ہے اور جب تک آفتاب ہے وہ شعاعیں بھی ہیں۔ یہ شعاعیں دلیل آفتاب ہیں۔ پس بلا تشبیہ اسی طرح سے اس امتِ وسط کا وجود واسطہ فیضان ہے درمیان خدا اور اسکی مخلوق کے۔ اُس سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے خدا تربیتِ عالم کرتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب کی روشنی سے آفتاب کو پہچانتے اور اس کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح امت وسط کے ذریعہ سے خدا کو پہچانتے ہیں۔ اور وہ دلیل ہیں وجود حق کی۔ لیکن ذات واجب الوجود (خدا) کے لئے مثل آفتاب ذہاب و ایاب، آمد و رفت حرکت و جریان نہیں وہ غروب و افول سے مبرہ و منزہ ہے قائم و دائم ہے۔ لہذا اسکی شعاعیں جو باعثِ تربیتِ عوالم ہیں یعنی آفتابِ امامت کے لئے بھی غروب و افول نہیں ہیں۔ وہ ہمیشہ موجود و درخشاں ہے اور اسکا فیض جاری ہے البتہ کبھی ابر عارضی و حجاب خارجی کے حائل ہونے سے اسکی شعاعیں ہم سے منقطع ہو جاتی ہیں جیسا کہ آفتاب کی شعاعیں بادل سے رک جاتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابر نہیں

ہوتا اور آفتاب موجود و درخشاں ہوتا ہے۔ لیکن ہم خود سایہ میں چھت وغیرہ کے نیچے آجاتے ہیں اور اس صورت میں شعاعِ آفتاب ہم سے منقطع ہو جاتی ہے کہ ہمیں شعاعِ آفتاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ گو ہمکو روشنی کی ضرورت ہے لیکن بوجہ کسی خواہش و غرضِ نفسانی کے ہم روشنی سے گریز کرتے ہیں اور سایہ میں مکان وغیرہ کے اندر ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے روشنی ہم تک نہیں پہنچتی۔ پس اس صورت میں آفتاب کی روشنی سے منتفع نہ ہونا ہمارا قصور ہے نہ کہ آفتاب کا پس معلوم ہوا کہ لوگ آفتابِ امامت سے بوجہ غلبہ شہواتِ نفسانیہ استفاضہ نہیں کرتے اور روشنی نہیں لیتے اس کی طرف سے قصور نہیں ہے۔ ہم خود اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یہاں سے ایک اور علت بھی معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ ابر (بادل) بخارات کے مجتمع اور متراکم ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ یہاں وجودِ امام کے لئے کون سا امر حائل ہوا ہے؟ وہ اوہامِ باطلہ اور معاصی کے بخارات ہیں۔ جو آفتاب امامت کے لئے حائل و حاجب ہیں کہ اسکا فیض بظاہر ہمیں نہیں پہنچتا پس ظاہری غیبتِ امام کا سبب ہم خود ہیں اور زیادہ تر یہ بُرے علماء کی جہالت کا اثر ہے۔ یعنی جیسا کہ چاہیئے انھوں نے امام کی معرّفی نہیں کی اور اس کی ان صفات کے ساتھ تعریف نہیں کی جن سے کہ کرنی چاہیئے تھی بلکہ بسا اوقات دوسروں کو صفات میں امام پر ترجیح دیدیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ خود اپنی طرف سے ایک امامِ مصنوعی بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور اُس کو امام سے افضل جانتے ہیں اور یہی وہ ابر ہے جو آفتاب امامت پر حائل و حاجب ہوتا ہے۔ اور یہی علتِ غیبتِ امام ہے کہ امام حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے مصنوعی اماموں کے پیچھے ہوئے ہیں یہ غیبت صرف ہماری نظروں سے ہے کہ وہ موجود ہے اور ہم نہیں دیکھتے اور نہیں پہچانتے ہیں۔ اور بعد ظہور پہچانیں گے اس وقت کہیں گے کہ اس شخص کو تو ہم نے بارہا دیکھا ہے۔ پس یہ ابرِ جہالت مانع ہے۔ بصیرتِ باطنی جاتی

رہی ہے۔ جس وقت وہ خود چاہے گا۔ اس وقت پہچان لینگے ؛

امام کی معرفت

یہ امر خصائص انبیاء و آئمہ سے ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا۔ قصۂ حضرت یوسفؑ کو پڑھیے۔ تو معلوم ہوگا کہ جب اُن کے بھائی مصر میں آئے تو حضرت یوسفؑ نے فوراً اُن کو پہچان لیا۔ مگر اُنھوں نے حضرت یوسفؑ کو نہیں پہچانا "فعرفھم وھم لہ منکرون"۔ حالانکہ ساتھ پرورش پائی تھی۔ ساتھ کھیلے تھے۔ ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ لیکن جب حضرت یوسفؑ نے چاہا کہ راز کھُلے اور وہ اُنہیں پہچان لیں۔ تو آپ نے فرمایا "ھل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیہ اذ انتم جٰھلون" یعنی کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ تم نے یوسفؑ اور اسکے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے؟ اس وقت اُنھوں نے جواب میں کہا (ءانت یوسف) کیا تم یوسفؑ ہو؟ کیونکہ برادران یوسفؑ نے جو کچھ اُن سے کہا تھا وہ سوائے اُن کے اور کسی کو معلوم نہ تھا پس جب حضرت یوسفؑ نے اپنے قصے کی طرف اشارہ کرکے یاد دہانی کی تو وہ پہچان گئے کہ یہ یوسفؑ ہے ؛

بس یہی حال ولی زمان اور امام علیہ السلام کا ہے کہ جو شخص حقیقتِ نبوت و امامت سے واقف نہیں انکی معرفت نہیں رکھتا۔ وہ انہیں دیکھتا ہے۔ مگر نہیں پہچانتا اور جو لوگ معرفت رکھتے ہیں۔ وہ نبی اور امام کو بے دیکھے پہچان لیتے ہیں ؛

قصۂ اویس قرنیؓ اسکی بیّن مثال ہے۔ جس کے حق میں حضرت ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں کہ "یمن کی طرف سے بوئے رحمان سونگھتا ہوں"، اویس قرنی دور سے ایمان لائے تھے اور حضرتؐ کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔ مگر معرفت کا یہ حال تھا کہ جب حضرتؐ کے دندانِ مبارک پر جنگ احد میں ضرب آئی تو اویس قرنی نے "یمن" میں پتھر سے اپنے دانت توڑ لیے۔ اور لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حبیبؐ کے دندان مبارک شکستہ ہوں اور میں صحیح و سالم بیٹھا رہوں۔ یہ معرفت باطنی و قلبی رکھتے تھے۔ دل کی آنکھ بنی

اور امام کو پہچانتی ہے۔ نہ کہ چشم ظاہری۔ جو صرف رنگ و خط و خال دیکھتی ہے:

پس امت وسط (ائمہ) جب اعتدال حقیقی رکھتے ہیں۔ اور مظاہر عدل ذاتی واجب الوجود ہیں۔ تو واجب بالغیر و ممکن بالذات ہوئے۔ بہ نسبت واجب (خدا) کے ممکن ہیں اور بہ نسبت ممکن (مخلوق)، واجب۔ لہٰذا انہیں موت طبعی نہیں:

موت وحیات انبیاء علیہم السلام

حکماء کہتے ہیں کہ موت عدم وجود کا نام ہے مگر غلط ہے بلکہ موت امر وجودی ہے نہ عدمی اور موت مقدم ہے حیات سے کہ خدا فرماتا ہے "خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً" یعنی خدا نے موت وحیات کو خلق کیا ہے تاکہ آزمائے کہ تم میں سے کون عمل نیک کرتا ہے انسان رحم مادر میں اول مردہ ہوتا ہے۔ بعد ازاں زندہ ہوتا ہے۔ اور موت امر وجودی ہے اور وجودِ امام میں موت نہیں کیونکہ مرگ عالم زمانیات و عالم خلق سے ہے یعنی یہ اجزائے مادیہ و عناصر جن سے جسم مرکب ہوتا ہے۔ نفسِ موت ہیں۔ جب ایک عنصر دوسرے عنصر پر غالب آجاتا ہے۔ موت واقع ہو جاتی ہے اور وجود نبی و امام اس مادہ فانیہ سے جو نفس موت ہے بری ہے یعنی وجود امام اور اسکا جسم اطہر دوسرے لوگوں کے جسم کی طرح نہیں ہے تاکہ اخلاط اربعہ میں سے کسی خلط کے غالب ہو جانے سے موت عارض ہو جائے اور جسم فنا اور اجزائے جسم متفرق ہو کر اپنے عناصر سے ملحق ہو جائیں۔ بلکہ جسم اطہر امام ان عوارض سے معترا اور فنا و تفرق اجزا سے مبرا ہے، اور موت امام کسی سببِ عارضی کی وجہ سے ایک عالم اور ایک نشاء سے دوسرے نشاء کی طرف عیناً منتقل ہونا ہے جو حکم و مصالح مختلفہ پر مبنی ہے مادہ نبی و امام غیر مادہ سائر ناس ہے تمام لوگ عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور امام عالم امر سے ہے چنانچہ آیۂ ذیل سے ظاہر ہے "اذ قالت الملٰئکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین" (آل عمران) ترجمہ جب ملائکہ نے آکر حضرت مریمؑ سے کہا اے مریم اللہ تمکو بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ کی

جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں ذی وجاہت اور مقربین میں سے ہے نیز انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ الخ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا کا رسول اور اس کا کلمہ ہے۔ جو حضرت مریم کو پہنچایا اور اسکی روح پس اس سے معلوم ہوا کہ وجودِ انبیا کلمہ وجودِ الٰہیہ ہے۔ مادہ فانیہ وہاں موجود نہیں کلمہ الٰہیہ ابتدا ہی سے صاحب حیات ہے۔ اور نیز روحِ الٰہی یعنی روحِ انبیا مُردہ نہیں نفسِ حیات ہے۔ بلکہ حیات بخش۔ لہذا موت اُسکے وجود میں نہیں۔ پس انبیاء اور ائمہ کے لئے موت طبعی نہیں۔ جب تک صدمہ خارجی اُن کو نہ پہنچے۔ جو حیات کو مضمحل کر دے مثل قتل و زہر کے اور قتل و زہر بھی بلا اُس کے ارادے کے اثر نہیں کر سکتے زہر شہد بن جاتا ہے۔
"اذا وحی ربک الی النحل......... فیہ شفاءٌ للناس" (الخ) شہد کی مکھی زہریلی گھانسیں و بوٹیاں کھاتی ہے اسکے پیٹ میں شہد بنجاتی ہے اور یہ تمام اثرات تحت حکم ولی الامر ہیں پس جب تک اسکا ارادہ متعلق نہ ہو زہر اثر نہیں کرسکتا۔ حضرت ختمی مرتبتؐ کو بائیس مرتبہ زہر دیا گیا۔ جنگِ خیبر میں جب حضرتؐ کو پارچہ گوشت میں زہر دیا گیا۔ تو حضرتؐ نے فرمایا۔ یہ گوشت کا ٹکڑا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ہے حضرت امیرالمومنینؑ اپنے قاتل ابن ملجم ملعون کو فرماتے ہیں "ارید حیاتہ و یرید قتلی" میں تو اسکی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ حضرت حسن علیہ السلام کو بارہا زہر کھلایا گیا مگر جب تک ارادہ نہوا۔ زہر نے اثر نہ کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے جب تک موت کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک تیر حضرت کے جسم اقدس پر نہ لگا۔ تیر آتے تھے اور دریافت کرتے تھے کہ کہاں لگیں فرماتے تھے خاک میں۔ خاک میں جاکر تیر گڑ جاتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے زخموں سے گیارہ معجزے ظاہر ہوئے۔ کوئی پیغمبر سوائے پیغمبر خدا کے ائمہؑ کے درجے میں شمار نہیں ہو سکتا ہاں جناب پیغمبر خدا ائمہ سے افضل ہیں۔ ملک الموت کی کیا طاقت ہے۔ جو باختیار خود نبی یا امام کی روح قبض کرسکے۔ کیونکہ اُنکی قوت ملک الموت کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ملک الموت حضرت موسیٰ کی روح قبض کرنے کے واسطے آیا۔ تو حضرت نے اس کے منہ پر ایک ایسا زور سے طمانچہ مارا کہ اسکی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ یہ بالکل غلط ہے اصل یہ ہے کہ جب ملک الموت آئے تو حضرتِ موسیٰ نے دریافت کیا کہ کیوں آئے ہو؟ کہا قبضِ روح کے واسطے۔ فرمایا کہاں سے قبض کرو گے۔ کہا منہ سے فرمایا جس منہ سے میں نے آیاتِ توریت کی تلاوت کی ہو۔ اس سے کیونکر میری روح قبض کر سکو گے۔ کہا دماغ سے فرمایا جس پر کوہِ طور پر انوارِ الٰہیہ کی تجلی ہوئی ہے وہاں سے کیونکر قبض کرو گے۔ کہا آنکھوں سے۔ فرمایا جن آنکھوں نے نورِ پروردگار کا جلوہ دیکھا ہے۔ ان سے کس طرح روح قبض کرو گے کہا پیشانی سے۔ فرمایا جو سجدۂ خدا میں رہی ہو۔ اس سے کیسے روح قبض کر سکو گے۔ کہا سینے سے۔ فرمایا جو سینہ آیاتِ الٰہیہ کا خزانہ ہے وہاں سے قبضِ روح کیونکر ہو سکتی ہے۔ کہا ہاتھوں سے فرمایا جن ہاتھوں سے الواحِ توراۃ کو اٹھا کر لایا ہوں ان سے قبضِ روح کیونکر کر سکو گے۔ کہا پاؤں سے فرمایا جن پاؤں سے چل کر کوہِ طور پر گیا اور الواح اٹھا کر لایا ان سے میری روح کیونکر قبض کر سکتے ہو؟

(مطلب حضرتؑ کا یہ تھا۔ کہ تم کو کیا اختیار ہے کہ نبی کی روح قبض کر سکو) ملک الموت یہ سنکر دربارِ الٰہی میں حاضر ہوئے اور قصہ بیان کیا۔ حکم کیا باز رہو۔ موسیٰؑ ابھی موت کی طرف مائل نہیں۔ آخرکار ایک روز حضرت موسیٰؑ نے دیکھا۔ کہ ایک شخص قبر کھود رہا حضرتؑ نے دریافت کیا کس کے واسطے کھودتا ہے۔ کہا خدا کے ایک مخلص بندے کے واسطے۔ فرمایا میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔ کیونکہ قبر کھودنے اور مردے کو خاک میں دفن کرنے کا بہت ثواب ہے۔

جب قبر درست ہو گئی۔ تو وہ شخص کھڑا ہو کر دیکھنے لگا حضرت موسیٰؑ نے دریافت کیا۔ کیا دیکھتے ہو؟ کہا یہ دیکھتا ہوں کہ جس شخص کیلئے کھودی ہے۔ آیا اسکے واسطے ٹھیک ہی یا نہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ اس کا قد میری برابر ہوگا۔ کہا ہاں اتنا ہی ہوگا۔ فرمایا اچھا میں اس میں لیٹکر دیکھتا ہوں۔ کہ آیا ٹھیک ہے یا نہیں۔ جسوقت حضرت موسیٰؑ قبر میں لیٹے خدا نے ان کے

مقامات دکھلائے حضرت نے عرض کیا۔ خدایا مجھے اپنے پاس بلالے۔ ملک الموت حاضر تھے عرض کیا حاضر ہوں (قبر کھودنے والے ملک الموت ہی تھے) اور حضرت موسیٰ کو اسی قبر میں دفن کردیا۔

پس معلوم ہوا کہ موت اُن کے تابع ہے۔ بلکہ روز قیامت نفخ صور انہی کے حکم سے ہوگا۔ "یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموٰت ومن فی الارض" یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین ایک معمولی کرتہ پہنکر لڑائیوں میں شریک ہوتے اور لڑتے تھے۔ ایکمرتبہ اصحاب نے عرض کیا۔ تو فرمایا میں وہ ہوں جو موت کو بھی مارنے والا ہے۔ مجھے کیا خوف ہے اور قیامت میرے حکم سے برپا ہوگی۔ فقرات خطبۂ امیرالمومنین مقالات طویلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں "ان نطقت تقولون حسد وان سکت تقولون جزع ابن ابی طالب من الموت ھیھات ھیھات یقال لی ھذا انا الساعة انا الموت الممیت خواض المنیات جوف لیل خامد حامل السیفین الثقیلین والرمحین الطویلین ومکسر الرایات فی غطامط الغمرات ومفرج الکربات عن وجه خیرة البریات" الخ

یعنی فرماتے ہیں اگر بولتا ہوں تو کہتے ہو۔ کہ حاسد ہوں اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہو کہ علی ابن ابی طالب موت سے ڈر گیا۔ ہیہات۔ ہیہات میرے واسطے یہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ میں خود قیامت ہوں اور میں ہلاک کرنے والی موت اور شب تاریک میں موتوں میں گھسنے والا دو بھاری تلواروں سے لڑنے والا۔ اور دو لمبے نیزوں سے نیزہ زنی کرنے والا اور سخت معرکہ ہائے جنگ میں دشمنوں کے نیزوں اور اسلحوں کو توڑنے والا اور حضرت خیرالانام سے کرب وبلا کو دور کرنے والا (کیا میں موت سے ڈر سکتا ہوں) الخ۔

حضرت موسیٰ کی طرح سے ملک الموت روز عاشورہ بھی آئے اور اسی طرح سے سوال وجواب ہوئے۔ لیکن دربار الہٰی میں ملک الموت کا جواب یہاں کچھ اور تھا یعنی عرض کیا بار الہا تیرے اس عاشقِ زار کا کوئی عضو صحیح نہیں۔ تمام بدن چور چور ہے میں کہاں سے روح قبض کروں

خطاب الٰہی پہنچا "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"۔

آج شہداء علیہم السلام کے دفن کا دن ہے کیونکہ روز سوم ہے۔ ابھی لاشہائے شہدا بے گور و کفن پڑی ہیں۔ یہ مسلّم ہے کہ شہید کے لئے غسل و کفن نہیں ہے۔ بلکہ اس کیلئے حکم ہے اُسی لباس میں بلا غسل و کفن دفن کر دیا جائے۔ روز جنگ احد تمام شہدا اسی لباس میں دفن کئے گئے۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ مثل کیوں مشہور ہو گئی ہے کہ امام حسینؑ علیہ السلام کو شہید بے غسل و کفن کہا جاتا ہے حالانکہ تمام شہدا بے غسل و کفن ہی دفن ہوا کرتے ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ حسینؑ مظلوم ایسے شہید ہیں کہ بعد شہادت آپ کے جسم اقدس پر لباس بھی نہ رہا۔ محقق ہے کہ تمام کپڑوں کے نیچے آپ نے ایک پیراہن نہایت بوسیدہ اور پرانا پہنا تھا مگر بعد قتل ملاعین نے وہ بھی تن اطہر پر نہیں چھوڑا۔

امام جواد علیہ السلام زیارت میں فرماتے ہیں "السلام علی الشہید الذی غسلہ من دمہ" یعنی سلام ہو اس شہید پر جس کا غسل اسکے خون سے ہوا۔ اور جس کا کفن ریگ بیابان تھی۔ جو ہوا سے اُڑ کر جمع ہو گئی تھی قربان ہوں ہماری جانیں سید الساجدین پر کہ ایسے جنازہ پر تشریف لائے اور ایسی حالت میں کہ غسل آپ کا خون سے تھا اور کفن ریگ صحرا اور آپ کو دفن کیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

موعظۂ یازدہم

۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

مزید بیانِ صبر

بعض مجالسِ سابقہ میں اجمالاً صبر کو عنوان کیا گیا تھا۔ خدا سورۂ عصر میں فرماتا ہے "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" یعنی قسم ہے عصر کی انسان خسارے اور زیاں کاری میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال نیک کئے اور حق و صبر کی وصیت کی اہل منطق کے نزدیک اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ قضیۂ مہملہ ہے اور قضیۂ مہملہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے اگر منطقیین کا یہ قول صحیح مانا جائے تو آیت بے معنی ہوئی جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں استثنا صحیح ہو گا۔ اس واسطے کہ اگر قضیۂ مہملہ مانا جائے۔ جو حکم جزئیہ میں ہوتا ہے تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ بعض انسان خسارے میں ہیں اور بعض نہیں تو پھر مومنین صالحین کو مستثنیٰ کرنا لغو ہو گا کیونکہ وہ تو خود ہی مستثنیٰ ہیں اور بعض میں داخل۔

غرض یہ قضیۂ مہملہ نہیں ہے بلکہ کلیہ محصورہ ہے اور (ال) سور ہے اور معنی یہی ہیں کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے مومنین صالحین کے جو حق اور صبر کی وصیت کرتے ہیں مگر یہاں قابلِ توجہ یہ امر ہے کہ تمام انسان کس طرح نقصان اور خسارے میں ہیں حالانکہ نوعِ انسان قابلِ ترقی ہے۔ بلکہ ترقی میں ملائکہ سے بھی زیادہ ہے اور یہ ترقی تمام افرادِ انسانی کے لئے ممکن ہے۔ خواہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو وہ بھی مدارجِ ترقی میں ملائکہ سے افضل ہے (اس کا بیان کسی اور موقع پر آئے گا۔ الغرض اہل ایمان صالحین و صابرین خسارے و نقصان میں نہیں ہیں۔ اور نبوت اور امامت کا مدار صبر ہے "فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ، وَكُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ" اس پر دال ہیں اور صبر دراصل تمام صفاتِ کمالیہ انسانیہ کو شامل ہے۔ ایمان۔ اعمال صالحہ۔ وصیتِ حق۔ سب اس کے تحت میں ہیں اور صبر محض ابتلاآت ہی کے مقام میں ظاہر نہیں ہوتا کہ جو ابتلاآت میں ثابت قدم رہے۔ وہ صابر ہے بلکہ اسکی چند قسمیں ہیں جیسا کہ

بیان ہونگی۔ شجاعت بھی صبر کے تحت میں داخل ہے بلکہ شجاعت عین صبر ہے۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے میں مغایرت معلوم ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَنَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ یعنی ہم تمہاری آزمائش کریں گے۔ تاکہ معلوم ہو۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے۔ اور کون جہاد میں ثابت قدم اور صابر رہتا ہے (سورہ قتال) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ یعنی کیا تمنے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے قبل اسکے کہ خدا تمیز کردے۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے۔ اور کون اسپر صابر رہتا ہے ان آیات میں بھی جہاد کرنے اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کو صبر کہا گیا ہے شجاعت جو کرائم اخلاق سے ہے اس کا قرآن میں کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ وجہ اسکی یہی ہے کہ شجاعت عین صبر ہے۔ جس نے جہاد کیا اور اسپر صبر کیا۔ گریز نہ کی تو وہ صابر ہے اور شجاع ہے اور ثابت قدم رہا۔ بھاگ گیا۔ وہ جبان و نامرد و بے صبر؛

چنانچہ ایک اور آیت اس کی تصریح کرتی ہے فِي الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ یعنی صفت مومنین کی یہ ہے کہ وہ مصائب و ابتلاآت اور لڑائیوں میں ثابت قدم و صابر رہتے ہیں۔ بہرحال شجاعت عین صبر ہے۔ مشقتوں کا برداشت کرنا صبر ہے۔ بارہائے سنگین کا متحمل ہونا صبر ہے۔ کسی امر کے انتظام میں مستقل و ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ جرأت و حوصلہ صبر ہے فَمَا اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۔ خدا گنہگاروں کے حق میں فرماتا ہے۔ کہ وہ آتش جہنم پر کس قدر صابر و ثابت قدم ہیں کہ ڈرتے ہی نہیں۔ پس جملہ صفاتِ حمیدہ و اخلاق کریمہ تحتِ صبر ہیں اور صبر بلا و مصائب ہی سے مخصوص نہیں۔ اور چونکہ مدار امامت صبر ہے۔ اس لئے امام میں وہ صبر و شجاعت ہوگی۔ کہ کوئی شخص اس صفت میں اس کے فضیلت نہ رکھتا ہوگا امام کسی وقت کسی حالت میں لڑائی سے نہ بھاگے گا۔ یہی وجہ ہے کہ

بہشت میں جانے کی میزان و معیار روزہ و نماز زکواۃ وغیرہ کو نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ جہاد و استقامت فی الجہاد کو معیار دخولِ جنت فرمایا ہے۔ لیکن اس آیت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو لڑائی سے بھاگے ہیں سب دوزخ میں جائیں گے اور اگر ایسا ہے تو اصحاب پیغمبر میں سے صرف بارہ شخص بہشتی نکلتے ہیں باقی سب جہنمی۔

جوابِ شبہہ ایک صاحب نے دریافت کیا حدیث شریف اَلْفِرَارُ فِیْ وَقْتِہٖ ظَفَرٌ کا کیا مطلب ہے۔ جس میں بھاگنے کو فتح فرمایا گیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ (فی وقتہ) خود اس کا جواب ہے کہ کس وقت بھاگنا درست ہے آیاتِ ذیل سے حدیث مستنبط ہے کہ خدا فرماتا ہے "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ وَ مَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ مَاْوٰہُ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ" (انفال ع) یعنی اے ایمان والو جب تمہارا لڑائی میں کفار سے مقابلہ ہو تو تم ان سے پشت مت پھیرو۔ جو شخص اسدن کافروں سے پشت پھیر کر بھاگے گا۔ وہ غضبِ الہیٰ میں مبتلا ہوگا اور اس کی جگہ جہنم ہے اور بہت بری بازگشت ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو لڑنے کے لئے کسی اچھے مورچے کی طرف بھاگ کر جائیں یا اپنی کسی جماعت سے ملنا چاہیں کہ ایسی صورت میں ظفر یہی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو دشمن بہتر مورچہ لے یا یہ تھوڑے ہوں اور اپنی جماعت کثیر سے نہ ملیں تو دشمن اُن پر غالب آجائے۔ لہذا ایسی صورت میں ان مقامات کی طرف بھاگنا ہی ظفر ہے اور یہی حدیث کا مطلب ہے۔

غرض سب سے اعلیٰ اور ادل دلیل صبر لڑائی میں ثابت قدم و مستقل رہنا ہے کیونکہ یہاں جان کا معاملہ ہے اور جس نے جان سے ہاتھ اُٹھالیا اور ایسے موقع پر ثابت قدم رہا۔ وہ پھر کسی دوسرے مواقع مصائب و ابتلاآت میں بے دل نہ ہوگا ہر مقام میں

ثابت وصابر رہے گا

صبرِ جمیل اقسام صبر میں سے ایک صبر صبرِ جمیل ہے اور صبرِ جمیل محل ابتلاء آت میں ظاہر ہوتا ہے ۔ حضرت یعقوبؑ کی نسبت خدا حکایات بیان فرماتا ہے "فصبر جمیل" ابتلاآت میں استقامت صبرِ جمیل ہے اور ابتلاات کی آٹھ قسمیں ہیں ۔ صرف شجاعت صبرِ جمیل نہیں ہے ۔ شجاعت بمقابلہ مخالفین وکفار ظاہر ہوتی ہے ۔ جو ایک طرف محمود ہے اور دوسری طرف (کفار کی طرف) مذموم ۔ خدا فرماتا ہے "صفا کانہم بنیان مرصوص" یعنی مومنین کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس طرح صف باندھ کر مقابلہ کرتے ہیں جس طرح کہ آہنی دیوار کھڑی ہوتی ہے ۔ پس محبوبِ خدا صرف ایک طرف ہی یعنی صفوف مومنین نہ دوسری طرف ۔ صبرِ جمیل وہاں ہوتا ہے ۔ جہاں دونو طرف محبوب خدا ہوں اور دونوں طرف تعلق الٰہی ہو ۔ جیسا کہ صبر حضرت یعقوبؑ مقابل فراق حضرت یوسفؑ کہ دونوں برگزیدہ محبوبِ خدا ہیں ۔ پس ایک محبوبِ خدا سے دوسرے محبوب خدا کے حق میں صبر و استقامت ظاہر ہوئی ہے ۔ وہ صبرِ جمیل ہے ۔

صبرِ حسن ایک قسم صبر کی صبرِ حسن ہے ۔ جو صبرِ جمیل سے بھی بالاتر ہے ۔ اگرچہ جمیل وحسن دونوں صفت مشبہ ہیں جو قیام و ثبوتِ صفت پر دلالت کرتی ہیں لیکن حسن ذوات سے متعلق ہوتا ہے اور جمال صفات سے اور ذوات فوق صفات ہیں کیونکہ صفات عوارض ہیں ۔ لہذا صبرِ حسن افضل ہے ۔ صبرِ جمیل سے اور صبرِ حسن صبرِ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے ۔ جو بائیس آیات قرآنی سے مستنبط ہوتا ہے لیکن بطور اجمال مذکور ہے منجملہ اُن کے ایک آیت یہ ہے "واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیہم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون" ایضاً قال لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " صبر مقام شجاعت خاص ہی یعنی مراد ہے کہ شجاعت پیغمبر میں تمہیں اچھی پیروی کرنی چاہیے اگر صبر پیغمبری کا صبر یعقوبؑ سے

مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ صبر حضرتؑ صبر حسن ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو معلوم تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ ملینگے چنانچہ فرماتے ہیں اِنِّی اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اپنے بیٹوں سے فرماتے ہو کہ مجھے منجانب اللہ وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِہِمْ جَمِیْعًا عنقریب خدا ان سبکو مجھ سے ملائیگا بخلاف اسکے جناب سرور کائنات کو یقیناً معلوم تھا کہ حسینؑ میدان کربلا میں بھوکا پیاسا مع عزیز واقارب دوست و احباب ظلم وستم سے قتل کیا جائے گا مگر کمال خوشی سے شہادت قبول فرمائی نہ انکار کیا نہ اعتراض۔ پس یہ صبر صبر حسن ہے بلکہ حضرتؐ ہی مرتبۂ منبع صبر حسن ہیں اور مظہر اس صبر کا حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں سید الشہدا روحی وارواح العالمین لہ الفدا تمام مصائب وابتلاآت تلفِ جان ومال۔ قتل اصحاب قتل اولاد۔ اسیریؑ ذریت رسولؐ میں مستقل وثابت قدم۔ ہے جو صبر واستقامت روز عاشورا امام مظلوم سے ظاہر ہوئی تمام صبروں سے بالاتر ہے۔ جملہ مورخین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم شجاعتِ حسینیہ کے معترف ومقر ہیں۔

اور اسی طرح صبر کامل بکمال فعلیت حضرت سید الساجدین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر ہوا ہے۔ جو لوگ کتب تواریخ پر احاطہ رکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ صبر سجادؑ کا کیا مرتبہ ہے حضرت یعقوبؑ کا ایک بیٹا گم ہوا تھا مگر یہاں سید الساجدین فخر آل طہ و یسٓین کا ایک یوسف گم نہیں ہوا۔ اٹھارہ بنی فاطمہ فخر یوسفؑ تین پہر میں اٹھ گئے اور ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے حضرتؑ کے حزن وملال کی یہ حالت تھی کہ ان ایام میں کسی سے بات نہ کر سکتے تھے مگر جب کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اس کا جواب دیدیتے تھے۔ ان ایام میں صرف دو مرتبہ تکلم فرمایا ہے جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے ہیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ کیوں روتے ہو؟ اس وقت حضرتؑ نے فرمایا۔ یعقوبؑ کا ایک بیٹا گم ہوا تھا اور میرے سامنے اٹھارہ یوسف جو مثل ونظیر نہ رکھتے تھے قتل ہو گئے۔ میں کس طرح گریہ نہ کروں۔ ہاں اب حضرتؑ

در کوفہ پر پہنچے۔ تو کسی نے سوال نہیں کیا۔ خود بولنے پر مجبور ہوئے۔ یعنی جس وقت حضرت زینب خاتون علیہا الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبے کو ختم کیا۔ اور ان فقرات پر پہنچیں کہ اے قوم تم نے وہ کام کیا ہے جس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں الخ تمام مورخین متفق ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت زینب کو وصیت کی تھی کہ اے بہن میرے بعد گریبان چاک نہ کرنا۔ بال نہ کھولنا۔ منہ پر طمانچے نہ مارنا۔ نالہ وفریاد نہ کرنا۔ مگر حضرت زینبؑ نے یہ تمام کام کئے خصوصاً جب اس فقرہ بالا پر پہنچی ہیں۔ تو سر محمل سے باہر نکالا۔ اور چوبِ محمل سے دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا اور علم امامت سے معلوم کیا کہ جناب زینب خاتون کی کیا حالت ہے اس گریہ وبکا آہ ونالہ سے عالم امکان درہم وبرہم ہو جائے گا۔ فرمایا اے پھوپھی جان خاموش ہو جاؤ تمہارے نوحہ وبکا سے بھائی واپس نہیں آئینگے اَنْتِ بِحَمْدِ اللّٰہِ عَالِمَۃٌ غَیْرُ مُعَلَّمَۃٍ وَفَاھِمَۃٌ غَیْرُ مُفَھَّمَۃٍ یعنی اے پھوپھی اماں تم خدا کے فضل سے بلا سکھلائے جانتی اور عالم ہو اور بلا سمجھائے سب کچھ سمجھتی ہو تم جانتی ہو کہ تمہارے نالے عالم امکان میں کیا اثر کریں گے۔ فرمایا یہ غم جانکاہ وہ ہے کہ اس سے آسمان پارہ پارہ ہو جائیں زینبؑ کا سر کس طرح سلامت رہے میں دیکھتی ہوں رسولؐ خدا اور علی مرتضیٰؑ اور میری والدہ ماجدہ فاطمۃؑ الزہرا سر برہنہ نوحہ وبکا میں مشغول ہیں اور سر پر خاک اڑا رہے ہیں میں کس طرح فریاد نہ کروں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کی وصیت کا راز اسی واقعہ سے منکشف ہوتا ہے اور اس وصیت میں بھی مصلحت تھی۔ فافہم وتدبر۔

غرض شہید وامام کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ صابر ہو اور صبر کے چار مرحلے ہیں اول ان میں وقتِ نزولِ بلا ہے اگر اس وقت صاحب بلیہ نے خدا پر اعتراض نہ کیا اور غیر خدا سے شکایت نہ کی۔ تو وہ صابر ہے لیکن طبیات وابتلاآت سے کوئی شخص خالی نہیں۔ اور بقدرِ استطاعت سب تحمل کرتے ہیں۔ مورد

صبر معلوم کرنا چاہیے کہ کس درجہ پر پہنچکر انسان صابر کہلا سکتا ہے ۔ مورد صبر اس آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ" یعنی ہم تمہارا امتحان کریں گے ۔ کچھ خوف سے کچھ بھوک سے ۔ اور جانوں اور مالوں اور پھلوں کے نقصان سے پس بشارت دو ان صابر مبتلاؤں کو کہ جب ان پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے لئے ہیں جو چاہے سو کرے اور ہم اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں ۔ جن پر خدا کی صلوات و رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں ۔

پس اول درجہ صبر یہ ہے کہ ان ابتلاءات میں انسان صابر و ثابت قدم رہے اس آیت کے فقرہ آخر سے لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ سوائے پیغمبر و امام کسی دوسرے کے لئے صلوات شایاں نہیں ہے اس لئے یہ آیت حضرت امام حسین علیہ الصلواۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ الخ خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جو نیز صلوات بھیجتا ہے ۔ اور نیز اس کے ملائکہ تاکہ تم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالے ۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ صلوات خدا و ملائکہ غیر نبی و امام کے لئے بھی ہے اس آیت میں عام مومنین شامل ہیں اور سلام کے متعلق فرماتا ہے "فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ" (انعام ع۶) یعنی کہدو کہ سلام ہو تم پر اللہ نے تمہارے لئے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جو بہ سبب جہالت و نادانی کے برائی کرے اور پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح

تو اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے یہاں سلام گنہگاروں کے واسطے بھی آیا ہے پس معلوم ہوا کہ صلواۃ و رحمت و سلام حذا نبی و امام ہی سے مخصوص نہیں بلکہ عام مومنین کو بھی شامل ہے بلکہ گنہگاروں کو بھی۔ نہیں بلکہ قبل از توبہ بھی اور صلوات جو مخصوص پیغمبر اور امام سے ہے وہ چیز دیگر ہے لہذا یہ آیت "و لنبلونکم" تمام امت کو شامل ہے البتہ ضمیر "کم" سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقین اس میں داخل نہیں ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ آیت امام حسین علیہ السلام کے واسطے ہے اس کی خود الفاظ آیت سے نفی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں لفظ "بشئی" مذکور ہے۔ یعنی کچھ تھوڑے سے خوف اور تھوڑی سی بھوک و نقصان و جان و مال سے تمہارا امتحان کریں گے۔ اور امام حسین علیہ الصلواۃ والسلام کے مصائب خفیف و قلیل نہ تھے "بشئی من الخوف" کا اطلاق ان پر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ہر ایک شے کامل بلکہ اکمل تھی آدم سے اس وقت تک کسی نے ان مصائب کو نہیں دیکھا۔ خوف بھی کامل۔ بھوک بھی کامل۔ بلکہ اس کے ساتھ پیاس بھی تھی۔ نقصان اموال کا حال معلوم ہی ہے کہ کوئی شے اہل بیت کے پاس باقی نہ رہی تھی ناظرین تاریخ جانتے ہیں کہ ان ایام میں اسیران اہل بیتؑ کی کیا حالت تھی۔ جانوں کا نقصان معلوم ہی ہے کہ بجز سید الساجدینؑ اور چند لڑکوں کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا کہ خود جناب ام کلثومؑ و برو اپنے جناب سید الساجدینؑ اس کا اظہار فرماتے ہیں کہ جب حضرتؑ قریب مدینہ پہنچے ہیں تو مدینہ کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

مَدِینَۃُ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِینَا ۔۔۔ فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْکِ بِالْاَھْلِینَ طُرًّا ۔۔۔ رَجَعْنَا بِلَا بَنَاتٍ وَ لَا بَنِینَا

اے ہمارے جد بزرگوار کے مدینہ ہمیں قبول نہ کر اور ہمیں اپنے اندر جگہ نہ دے کیونکہ جب ہم تجھ سے رخصت ہوئے تھے۔ تو ہمارا سارا گھر بھرا ہوا تھا۔ سارا کنبہ موجود تھا اور اب ہم تجھ میں اس حال سے لوٹ کر آئے ہیں کہ نہ ہماری بیٹیاں

باقی ہیں نہ بیٹے۔ حضرتؑ کے اس بیان میں ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرتؑ فرماتے
ہیں۔ نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں نہ بیٹے۔ اطفالِ خورد سال اہل بیتؑ کی شہادت کا
حال تو آپ لوگوں نے سنا ہے مگر دختران اہل بیتؑ کیا ہوئیں؟ جو امام علیہ السلام فرماتے
ہیں نہ بیٹیاں ہیں نہ بیٹے۔ روزِ عاشور العبد شہادتِ امام حسین علیہ السلام جب تمام
اہل حرم خیمہ سے نکل پڑے تو اطفال خورد سال گریہ وزاری نوحہ وفریاد کرتے
ہوئے لشکر کے سامنے چاروں طرف پریشان رونے لگے اور ایک حشر برپا ہو گیا
عمر سعد لعین نے جو یہ حالت دیکھی گھبرایا اور سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ بچوں پر
پتھر برسائیں پس اُن ملاعین کے پتھروں سے بچے شہید ہو گئے اور ان میں چار لڑکیاں
اس وقت درجہ شہادت پر فائز ہوئیں:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

۱؎

حصّۂ دوم

موعظۂ اوّل

۲ محرم الحرام ۱۳۳۲ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ

ھٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّہِمۡ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَہُمۡ ثِیَابٌ مِّنۡ نَّارٍ یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِہِمُ الۡحَمِیۡمُ

طرقِ تحصیلِ سعادت و علمِ حقیقی

مسلم ہے کہ طریق سعادت دو چیزوں میں منحصر ہے اور سعادت دارین حاصل کرنے کے دو ہی طریقہ ہیں ایک علم۔ دوسرا تقلید۔ یعنی یا تو خود عالم ہو اس کا یا عالم کا پیرو و مقلد۔ بلا ان دو صورتوں کے حصولِ سعادت ناممکن ہے۔ لیکن وہ علم کون علم ہے؟ یہی علم جو ہم رکھتے ہیں یا کوئی اور علم؟ اگر ہمارے علوم اکتسابیہ کو حقائق واقعیہ سے مطابق کیا جائے تو دس حصوں میں سے نو حصے بالکل خلاف واقع اور غلطِ محض و باطل مطلق ثابت ہونگے۔ اور ایک حصہ شابہ باصل و حقیقت نہ کہ علم حقیقی۔ ہمارے علوم دراصل مثل صنعتوں اور حرفتوں کے ہیں کہ جس طرح بعض لوگ اپنے بچوں کو کوئی صنعت و حرفت مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھاتے ہیں اور وہ اسکو یاد کر لیتے ہیں۔ اسی طرح طلبہ قواعد و اصول صرف و نحو معانی

بیان - عروض وقافیہ - اعراب واشتقاق کو سیکھتے اور یاد کر لیتے ہیں - پس یہ مثل دیگر صنائع وحرف کسب واکتسابات ہیں نہ کہ علم واقعی علوم اکتسابیہ ہرگز علوم حقیقیہ واقعیہ نہیں ہو سکتے البتہ بعض اوقات حصول علم کے ذریعہ ومقدمہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ماہر فن وکاملین علوم کی غلطیاں خود اُن کے شاگردوں نے پکڑی ہیں اور اُن پر اعتراض کیے ہیں - اگر یہ علوم علوم واقعیہ ہوتے تو کبھی غلط وباطل وزائل نہ ہوتے - کیونکہ علم کیفیت نفس وملکہ نفس ہے اور ملکات نفس نفس کے ساتھ باقی رہتے ہیں -

تعریفات علوم ناقص ہیں

یہ علوم (مثل صرف ونحو معانی وبیان منطق وفلسفہ وغیرہ) کیونکر علوم واقعیہ ہو سکتے ہیں اور کیونکر مدار تحصیل حقائق وتحصیل سعادت ٹھیر سکتے ہیں - جبکہ آج تک ان کی حدود و تعریفات بھی صحیح ومکمل نہیں ہوئیں مثلاً علم نحو کی یہ تعریف کی گئی ہے "اَلنَّحْوُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ اَوَاخِرِ الْكَلِمِ الثَّلٰثِ اِعْرَابًا وَّبِنَاءً" یعنی نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے کلمات ثلثہ کے آخر کا حال باعتبار اعراب وبنا معلوم ہوتا ہے کہ کون سا معرب ہے اور کون مبنی - اور کیا اعراب - لیکن محققین پر پوشیدہ نہیں ہے کہ بہت سے الفاظ کلام عرب میں ابھی ایسے ہیں جن کا حال نہیں معلوم کہ وہ معرب ہیں یا مبنی آج تک برابر اختلاف پڑا ہوا ہے اسی طرح علم منطق کی یہ تعریف کی گئی ہے "اَلْمَنْطِقُ اٰلَةٌ قَانُوْنِيَّةٌ تَعْصِمُ مُرَاعَاتُهَا الذِّهْنَ عَنِ الْخَطَاءِ فِي الْفِكْرِ" یعنی منطق ایک آلہ قانونیہ ہے کہ اگر اُسکا لحاظ رکھا جائے تو انسان کا ذہن فکر میں خطا کرنے سے محفوظ رہتا ہے - لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ماہرین فن منطق نے مقدمات سے نتائج نکالنے میں بے انتہا غلطیاں کی ہیں - بلکہ نفس ترتیب مقدمات میں حتی کہ ملا صدر الدین شیرازی جیسے کامل شخص نے بیسیوں جگہ ایسی فاحش غلطیاں کی ہیں - پس یہ علوم ہرگز حقیقیہ واقعیہ نہیں کہلا سکتے اور یہ کسی طرح تحصیل سعادت کا

ذریعہ نہیں ہوسکتے ؛

علم حقیقی کی تعریف

پس وہ علم جو طریق سعادت ہو وہ علم ہے جو فطرتاً منجانب اللہ عطا ہوتا ہے - یا دوسروں لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ علم جو طریق سعادت وموجب حصول سعادات اور علم واقعی ہے وہ ہے جو عنداللہ علم ہے اور جس کو خدا علم کہتا ہے - خداوند عالم نے دو علموں کا قرآن میں ذکر کیا ہے ؛

علم جزی

ایک علم علم جزئی ہے اور دوسرا علم علم کلی ہے اول کی نسبت فرماتا ہی وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا یعنی نہیں دیا گیا ہے تمکو علم میں سے مگر تھوڑا سا حصہ - یہ آیت عام ہے اور عام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے - اور اس میں مَا اُوْتِیْتُمْ (جو کچھ تمکو دیا گیا ہے) فرمایا ہے نہ مَا اکْتَسَبْتُمْ یعنی جو کچھ تم تحصیل وکسب کرتے ہو - جس سے ثابت ہے کہ اس علم سے وہ علم مراد ہے جو ہر شخص کو فطرتاً دیا گیا ہے اور اُسکے وجود کے ساتھ عطا ہوا ہے - چنانچہ ظاہر ہے کہ امور بدیہیہ ضروریہ کو ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے - ہر شخص جانتا ہے کہ سچ اچھا ہے جھوٹ بُرا ہے اور دو اور دو مل کر چار ہوتے ہیں اور دس دو سے بڑا ہے وغیر ذالک جن کو مستقلات عقلیہ کہتے ہیں - اگر انسان کو فطرتاً کچھ علم عطا ہوتا تو ہرگز قابل تکلیف نہوتا - کبھی مکلف نہ کہا جاتا - یہ امر شانِ خداوندی سے بعید ہے کہ انسان کو مکلف بنائے اور اس کو فی الجملہ علم عطا نہ فرمائے - علاوہ ازیں اگر انسان میں کچھ علم فطرۃً موجود نہ ہوتا تو خارج سے علم کو تحصیل واکتساب نہ کرسکتا کیونکہ جب تک قابلیت تاثر ہو خارج سے بھی اثر قبول نہیں کرسکتا - پس اسی علم فطری کے ذریعہ سے معلم واستاد سے جو باتیں سنتا ہے اُن کو سمجھتا اور قبول کرتا ہے اور اسی علم کے ذریعہ سے علم معلم سے اکتساب کرتا ہے بہرحال اس علم سے مراد علم فطری

ہے نہ کہ اکتسابی۔ اور اسی کو علم کہا جاتا ہے جو عند اللہ علم ہے۔ اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ علم جزئی ہے۔ چنانچہ (من) جو تبعیض اور جزئیت پر دلالت کرتا ہے ثابت ہے۔ اور پھر لفظ قلیل سے اسکی تاکید مزید دلالت کرتی ہے کہ یہ علم علم جزئی ہے اور بہت ہی تھوڑا سا ہے یعنی عام لوگوں کو جو علم فطرۃً عطا کیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔

رفع شبہہ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہاں یہ شبہہ کرے کہ آیۂ مبارکہ ما اوتیتم الخ اس طرح ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ترجمہ اے پیغمبر یہ لوگ تجھ سے روح کی نسبت سوال کرتے ہیں اُن سے کہدو کہ روح امر رب سے ہے اور تم کو نہیں علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا سا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلق علم کی کمی کا ذکر نہیں ہے بلکہ خاص علم روح کا ذکر ہے کہ وہ تمکو تھوڑا سا دیا گیا ہے اور اس علم جزئی سے حقیقت روح کا ادراک ناممکن ہے مگر اس آیت کے الفاظ ظاہر یہ ہی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ جواب یہ دیا گیا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (کہدو کہ روح امر رب سے ہے) یعنی روح خداوند عالم کے عالم امری سے ہے نہ کہ عالم خلقی سے عالم امری میں صرف ارادہ باری تعالیٰ کا تعلق کافی ہے۔ جہاں ارادہ الٰہی کسی شے سے متعلق ہوا۔ فوراً وہ شے موجود ہو جاتی ہے رفتہ رفتہ و درجہ بدرجہ پیدا نہیں ہوتی۔ اشیائے عالم خلقی حسب اسباب درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہیں اور دونوں عالموں کی طرف کلام مجید حمید میں ارشارہ فرمایا ہے اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یعنی امر الٰہی یہ ہے کہ جب اُس نے کسی شے کا ارادہ کیا اور (کن) کہا فوراً موجود ہو گئی یہ لفظ (کن) جو فصیح ترین و مختصر ترین الفاظ سے ہے تفہیم و تفہم سمجھانے اور سمجھنے کے واسطے بیان فرمایا ہے

جس سے بہتر کوئی لفظ ہو نہیں سکتا ورنہ در اصل یہ کوئی آواز نہیں ہوتی ہے جو خدا بولتا ہے اور شے موجود ہو جاتی ہے بلکہ اس کا کلام نفس ایجاد ہے جیسا کہ اسد اللہ فی العالمین جناب امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے "لَا بِصَوْتٍ یُقْرَعُ وَلَا بِنِدَاءٍ یُسْمَعُ بَلْ کَلَامُہٗ سُبْحَانَہٗ اِیْجَادُہٗ" یعنی نہ تو کوئی آواز ہوتی ہے جس کا کھٹکا یا دھمکا ہو اور نہ کوئی ندا ہے جو سنائی دے بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام نفس ایجاد ہے یعنی جس وقت ارادہ الہیٰ عالم امری کی کسی چیز سے متعلق ہوا۔ فوراً موجود ہو گئی۔ اور عالم خلق کی نسبت فرماتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ" (مومنون ع) البتہ ہم نے انسان کو خلاصہ طین سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسکو ایک محفوظ قرار گاہ میں نطفہ رکھا۔ اور پھر نطفے کو علقہ (خون منجمد) بنایا اور علقے کو مضغہ (لوتھڑا) اور پھر اسکو ہڈیاں دیں اور پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا پھر ہمنے اسکو ایک دوسری خلقت عطا کی۔ پس بزرگ و صاحب برکت ہے وہ خدا جو بہترین خالق ہے یہ خلقت خلقت عالم خلقی ہے کہ انسان شکم مادر میں چھ درجے رفتہ رفتہ طے کر کے عالم انسانی میں داخل ہوتا ہے پس آیہ مبارکہ میں سائلین کے جواب میں جو علمائے یہود و نصاریٰ سے تھے اور وہ جانتے تھے کہ انبیاء کے ساتھ ایک روح اعظم ہوتی ہے اور "نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ" حضرت آدمؑ کے باب میں سن چکے تھے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ یہ روح جسکی بابت تم دریافت کرتے ہو۔ ہمارے عالم امری سے ایک مخلوق عظیم ہے اور تم عالم مادی جسمانی سے ہو تم عالم امری کی اشیاء کا ادراک کر نہیں سکتے۔ اور تمہارا علم وہاں تک احاطہ نہیں کر سکتا اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے لہذا آیہ مبارکہ "وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا"

ان کی نافہمی کی علت کو بیان کرتی ہے اور اُن کے علم کے محدود جزئی ہونے پر دال ہے نہ کہ صرف علم روح کی نادانستگی پر دفافہم،

بعض جہال اس آیۂ مبارکہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں جواب میں مسامحہ کیا گیا ہے۔ اور سائلین کو روح کی حقیقت کی بابت کچھ جواب نہیں دیا گیا اکتشافات جدیدہ سے اس اعتراض کی رکاکت وبطلان ثابت ہے۔ کیونکہ سائلین یہود جزیرۂ عرب کے جہال تھے اور دارائے علوم نہ تھے! اور تحقیقات جدیدہ میں ثابت ہے کہ علوم مرتب بہ ترتیب خاص ہیں۔ اور جب تک علم متقدم حاصل ہو تحصیل علم متاخر ممکن نہیں اور ترتیب علوم اس طرح سے ہے اوّل علوم ریاضی۔ دوم علوم فلکیہ۔ سوم علوم طبعیہ چہارم علم کیمیا۔ پنجم علم وظائف اعضاو تشریح۔ ششم علم نفس ومنطق۔ ہفتم علم اقتصاد سیاسی ہشتم علم تکوین شعوب۔ نہم علم تمیز۔ جمال۔ دہم علم ماورار طبعیت اور اسی میں علم روح داخل ہے۔ نیز علم عقائد ومعارف الٰہیہ۔ یازدہم علم اخلاق۔ دوازدہم علم حقوق سیزدہم علوم سیاسیہ اس ترتیب سے ظاہر ہے کہ علم معرفت روح مرتبہ دہم میں ہے پس کس طرح سے جہال یہودیوں کے لئے معرفت حقیقت روح ممکن ہے تاکہ حقیقت روح سے جواب دیا جائے فافہم،:

علم کلی

دوسرے علم یعنی علم کلی کی نسبت ارشاد فرمایا ہے "یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ" یعنی اللہ تم میں سے اہل ایمان اوران لوگوں کے درجات کو بلند کرتا ہے جنکو علم دیا گیا ہے یہاں "من العلم" یا "قلیلاً" نہیں فرمایا جس سے جزوی علم مراد ہوتا بلکہ العلم فرمایا ہے جس سے مراد وہ گروہ خاص ہے جو مطلق علم اپنے وجود میں رکھتا ہے اور یہ علم علم اکتسابی نہیں ہے بلکہ وہبی علم ہے جو اسکا مرتبہ علم باریتعالی سے متفرع ومتنزل ہوا ہے غرض ان آیات میں دو علموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک علم محدود وجزئی ہے اور وہ اعم ہے اور سبکو شامل ہے اور دوسرا علم مطلق کلی ہے اور وہ مخصوص ہے ایک

جماعت خاص ہے - اور طریق سعادت یہی علم ہے اور سعید و نیک بخت دوہی قسم کے لوگ ہیں - یا وہ لوگ جو دارائے مطلق علم ہیں - یا وہ لوگ جو اُن سے لیتے ہیں اور اُن کے مقلد ہیں:

بیان علم ذاتی و رفع اشتباہ

کوئی شبہہ نہ کرے کہ "اوتو العلم" میں لفظ "اوتو" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم ان کا ذاتی نہیں ہے - بلکہ بعد خلقت ذات اُن کو عطا کیا گیا ہے - کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان علاوہ اجزائے مادیہ جسمانیہ ایک روح یا قوتِ ملکوتی رکھتا ہے جو مجرد اور فوق اجزائے مادیہ ہے اور کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں اور تجرّد دلیلِ علم ہے - بلکہ وہ قوتِ ملکوتیہ نفس قوتِ علمیہ ہے - جو انسان کو دیگئی ہے اور انسان اسی قوت سے انسان کہلاتا ہے نہ کہ اجزائے مادیہ سے - پس وہ علم ذاتی رکھتا ہے - اور علم کا مادہ اسکی فطرت میں داخل ہے اور اسی کی وجہ سے مکلف قرار دیا گیا ہے ورنہ ہرگز قابل تکلیف نہوتا البتہ علم اسکا بہت کم ہے اور محدود و ناقص - اسی کی طرف اشارہ ہی آیہ مجیدہ

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ "(روم ع) میں (یعنی اپنی توجہ کو خالصاً لوجہ اللہ اقامۂ دین کے لئے منعطف کر - یہ دین فطرتِ الٰہی ہے جسپر خدا نے لوگوں کو مخلوق و مفطور کیا ہے - اور خلق الٰہی کے لئے تبدیلی ممکن نہیں یہ ہی دین قائم و ثابت ہے لیکن اکثر لوگ اسکو نہیں جانتے) اگر دین فطرت انسانی میں داخل نہوتا - اور بالفطرت لوگ عالم ہوتے - تو ہرگز مکلف نہوتے - اسی دین فطری کی تکمیل کے واسطے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں اور اسی عالم فطری کی تتمیم کے لئے آئے ہیں - پس یہ علم علم فطری ذاتی ہے لیکن بالذات نہیں ہے بعلت موجدہ اور ہے اور علم ذاتی اور علم بالذات میں فرق ہی خدا و ند عالم کا

ذاتی بالذات ہے اور یہ صرف اسی ذات پاک سے مخصوص ہے (فافہم)

فرقِ عالم و علیم ایک عالم ہے اور ایک علیم اول خداوند عالم نے اپنی ذات کو لفظ علیم سے متصف فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ" اور علم اسکا علم ذاتی ہے اور بالذات بعد ازاں اپنے پیغمبروں کو علیم فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف عزیز مصر فرماتے ہیں "وَاجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" اور حضرت اسحٰق کے باب میں فرمایا ہے "وَبَشَّرْنَاہُ بِغُلَامٍ عَلِیْمٍ" پس بعد خدا اُس کے انبیاء علیہم السلام علیم ہیں۔ اور علم ذاتی رکھتے ہیں۔ لیکن نہ بالذات۔ بلکہ باعطائے الٰہی اور اُن کے تحت میں عالم ہیں جو اُن سے علم لیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف میں خدا فرماتا ہے "وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ" یعنی ہر ایک ذی علم (عالم) کے اوپر علیم ہے پس ذی علم عالم ہیں۔ اور اُن کے اوپر علیم پیغمبر ہے اور فوق پیغمبر خداوند عالم کہ علیم ازلی و ابدی ہے اور علم اس کا بالذات و عینِ ذات ہے

علتِ خلقتِ انبیاء خدا نے جو انبیاء کو خلق فرمایا ہے ان کی خلقت کی اصلی غرض کیا ہے؟ آیا خاص ہمارے واسطے اور ہماری ہی ہدایت کے لئے خلق کیا ہے۔ یا کسی اور غرض سے؟ اگر انبیاء کو خاص ہمارے ہی واسطے اور ہماری ہدایت ہی کے لئے خلق فرمایا ہے اور اُن کے وجود اور خلقت کی غرض و غایت ہم ہی ہیں تو لازم آتا ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہوں اور ہماری خلقت مقصود بالذات ہو اور اُنکی مقصود بالعرض کیونکہ مسلم ہے کہ غایت ذی الغایت سے افضل ہوتی ہے جو چیز جس کی غرض سے اور جس کے واسطے بنائی جاتی ہے وہ افضل ہے۔ اس چیز سے جو اُس کے لئے بنائی گئی ہے۔ لہذا اگر انبیاء خاص ہمارے ہی لئے بنائے گئے ہیں۔ تو ہم یقیناً اُن سے افضل ٹھہرتے ہیں کیونکہ انکی غرض و غایت ہم ہیں اور یہ باطل ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہیں اور نہ کسی کا یہ اعتقاد ہے۔ بلکہ حدیث قدسی "لولاک" الخ اس کے خلاف پر دال ہے یعنی اس سے

صداقت ثابت ہے کہ خلقت پیغمبر خاتم النبیین مقصود بالذات ہو اور ہماری خلقت بالعرض
بہ کیف کہ کل انبیاء ہماری خاطر اور ہمارے لئے خلق کئے گئے ہیں غلط اور باطل ٹھیرا اور یہی
مقصود ہے۔ فافہم و تدبر۔ پس معلوم ہوا کہ غرض و غایت خلقت ہم اور ہماری ہدایت نہیں
بلکہ خداوند عالم نے ان نفوس مقدسہ کو بغرض اظہار کمال و قدرت کاملہ و حجت شاملہ
خلق کیاہے کہ اُن کے وجود کو دوست و محبوب رکھتاہے کیونکہ وہ اسکے کمالات کا نمونہ اور اُسکی
کی صفات کمالیہ۔ جلالیہ و جمالیہ کا مظہر ہیں اور ہر صاحب کمال اپنے کمال سے مبتہج و محظوظ ہوتا
ہے اور اسکو محبوب رکھتا ہے۔ اسی واسطے حضرت موسیٰ سے خطاب کرکے فرماتا ہے وَاصْطَنَعْتُكَ
لِنَفْسِي یعنی اے موسےٰ میں نے تجھے خاص اپنے واسطے پیدا کیا اور بنایا ہے۔ پس اصل غرض
خلقت انبیاء سے اظہار قدرت و محبت الہیٰ ہے۔ البتہ ہماری ہدایت اسکی فرع ہے۔ اور
غرض عرضی و ثانوی۔ کیونکہ نفس وجود اُنکا مظہر کمالات الٰہیہ ہے اور وہ ہمیشہ سالک صراط
مستقیم الہیٰ ہیں۔ اس لئے ہم ان سے معرفت حاصل کرتے اور انکی پیروی کرکے منزل مقصود
پر پہنچتے ہیں۔ پس ہماری ہدایت اُن کے آثار وجود یہ سے ہے نہ کہ اُن کی خلقت کی غرض
و غایت اصلی۔ خداوند عالم علیم بالذات ہو اور علیم بالذات جاہل بالذات کو محبوب و دوست
نہیں رکھتا۔ کامل کمال کو دوست رکھتاہے۔ لہذا اُس نے انبیا کو جاہل پیدا نہیں کیا
بلکہ عالم بلکہ علیم پیدا کیا اور علم اُن کی سرشت میں ودیعت کیا۔ بلکہ اول چیز جو مقام احدیت
سے متنزل ہوئی ہے۔ وہ علم ہی ہے۔ جیسا کہ سورہ رحمٰن کی آیات اولیہ سے ظاہر ہے
اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (رحمٰن نے قرآن تعلیم دیا۔ انسان
کو خلق کیا۔ اور اس کو بیان سکھایا) ظاہر ہے کہ آیہ مذکورہ میں تعلیم مقدم ہے خلقت
پر۔ خلقت بعد ہے اور تعلیم اول۔ کیونکہ علم ہی مقدم ہے۔ تمام چیزوں سے۔ اول علم ہی
دوم مشیت سوم ارادہ۔ چہارم قدر۔ پنجم قضا۔ یا چہارم قضا و پنجم قدر ششم اجل ہفتم کتاب
لہذا اول اس آیت میں علم ہی کو ذکر کیا گیا ہے کہ اول ما نزل من اللہ علم ہی ہے ؎

نکتہ - یہاں خداوند عالم نے "الرحمٰن" فرمایا ہے "اللہ" نہیں فرمایا - اور خلقت انسان سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا ہے - پس وہ متعلم کون ہے جس کو قبل خلقت قرآن تعلیم دیا گیا اور وہ تعلیم کس قسم کی تھی اللہ اسم خداوند عالم ہے باعتبار جامع ہونے جمیع صفات کمالیہ کے اللہ یعنی جامع جمیع صفات کمالیہ اور رحمٰن اسم ہے باعتبار ظہور جمیع صفات کمالیہ کیونکہ رحمت ہی سے ظہور ہوتا ہے "ورحمتی وسعت کل شئی" اور تعلیم مقام ظہور ہے اس لئے "الرحمٰن" فرمایا ہے اللہ نہیں فرمایا اور چونکہ رحمان اسم ہے باعتبار ظہور صفات - اسی واسطے جہاں کہیں عرش یعنی علم خدا کا ذکر آیا ہے وہاں رحمان ہی استعمال ہوا ہے "الرحمٰن علی العرش استویٰ" یہ جو کہتے ہیں - کہ اللہ خداوند عالم کا اسم ذاتی ہے نہ صفاتی - غلط محض ہے خدا کے لئے کوئی اسم ذات نہیں - اسکی ذات اسم و رسم حد و تجدید سے بری اور مقدس ہے کیونکہ مسلم ہے کہ اسم ذات مسمیٰ کو مشخص و محدود کر دیتا ہے - اور ذات مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے - پس اگر اللہ اسم ذات خداوند عالم ہو - تو ذات خدا مشخص و محدود ہو جائے اور نیز ہر شخص متصور احاطہ کرے اور پہچان لے - غرض اللہ بھی اسماء حسنیٰ صفاتیہ ہی میں داخل ہے "ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ" سے صاف ظاہر ہے - کہ اللہ اور رحمٰن دونوں ایک ہی جیسے اسماء صفاتیہ ہیں - اللہ ہرگز اسم ذات و علم نہیں پس خدا کے لئے کوئی اسم ذاتی قرار دینا درست نہیں - اور یہ متعلم جس کو قبل خلقت انسان تعلیم دی گئی ہے - وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے - کیونکہ وہی اول موجودات ہے - اور یہ بیان ہو چکا ہے - کہ اول جو چیز مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے - وہ علم ہے - پس حقیقت نورانیہ محمدیہ نفس حقیقت علمیہ ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا - کہ یہ تعلیم تعلیم عالم عنصری نہیں ہے - بلکہ تعلیم ایجادی ہے یعنی مبدء فیاض نے اول قوت علمیہ ایجاد کی ہے - جو حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے - چنانچہ اس کا ثبوت کہ انبیاء کی تعلیم تعلیم ایجادی ہے اور ایجاد و تعلیم ایک ہی آن واحد میں ہیں اور یہ تعلیم تعلیم تدریجی نہیں

ہے قصہ حضرت آدمؑ وغیرہ ہے کہ اللہ تعالے فرماتا ہے" فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ" یعنی جب میں اسکو درست اور معتدل بناؤں اور اپنی روح خاص اسمیں پھونک دوں - تو تم فوراً سجدہ تعظیمی میں جھک جاؤ اور پھر فرمایا ہے " وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا" اللہ نے آدم کو تمام اسمار تعلیم کر دئے - پس یہ تعلیم حضرت آدمؑ محض نفخ روح ہی سے ہے نہ یہ کہ اول اُن کو خلق کیا گیا پھر روح پھونکی گئی - بعد ازاں انکو درجہ بدرجہ تعلیم دی گئی - بلکہ ایجاد و نفخ روح اور تعلیم ایک آن میں ہے - یعنی اُن کو عالم پیدا کیا گیا - اور وہ روح روحِ علمی ہے جو انکو دی گئی - اُس کے داخل ہوتے ہی عالم ہو گئے - اور وجود میں آئے تو عالم وعارف اسی طرح قصہ حضرت عیسیٰؑ صریح اسپر دال ہے - غرض انبیار علیہم السلام کو خدا نے مقام محبت سے خلق کیا ہے اور انکو اپنی صفات کاملہ و قدرتِ بالغہ کا نمونہ و مظہر قرار دیا ہے" وَلِلّٰہِ الْاَمْثَالُ الْعُلْیَا" - تمام انبیار رحمہم اللہ نمونہ قدرت پروردگار ہیں اور مظہر صفات کمالیہ - چنانچہ حدیث نبویؐ میں وارد ہوا ہی اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ " تحقیق کہ اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت مشخصہ نہیں ہے پس مراد صورت سے صورتِ صفاتی ہے - یعنی اپنی صفات پر خلق کیا ہے اور اپنے اوصاف کا نمونہ و مظہر بنایا ہے -

مثال انبیار علیہم السلام اور مبدر فیاض تبارک و تعالے کی مثل آفتاب و شعاع آفتاب کے ہے - یعنی انبیار کو مبدر فیاض و صانع مطلق سے وہ نسبت ہے جو بلا تشبیہ شعاع آفتاب کو آفتاب سے ہے کہ شعاع کا مبدار آفتاب ہے اور شعاع آفتاب ہی سے ہے مگر غیر آفتاب ہے - عین آفتاب نہیں ہے اس سے متصل بھی ہے - اور جدا بھی - اسی کا مظہر اور اسی کا اثر ہی مگر عین ذات نہیں (جیساکہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اسی طرح انبیار رحمہم اللہ نور الٰہی کی شعاعین اور اسکی صفات کا نمونہ و مظہر مگر عین ذات باری تعالے نہیں جس طرح آثار آفتاب و کمالات شعاع آفتاب ہی سے ظاہر ہوتے ہیں - اور جو کچھ فیض عالم کو

پہنچتا ہے شعاعوں کے ہی ذریعہ سے پہنچتا ہے اور اگر شعاع ہوتی تو آثار آفتاب ہم پر منکشف ہوتے شعاع کو دیکھ کر آفتاب کو پہچانتے ہیں۔ اسی طرح وجود انبیاء و حجج اللہ جو نور سرمدی الہٰی کی شعاعیں ہیں۔ انہیں کے ذریعہ سے ہم اپنے خالق و صانع کو پہچانتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے فیض نور سرمدی ہم تک پہنچتا ہے ہم ان کو دیکھ کر اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اور یہی مطلب ہے "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي" کا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اس لئے بنایا ہے کہ میرے کمالات و آثار تجھ سے ظاہر ہوں اور تجھے دیکھ کر لوگ مجھے پہچانیں ورنہ میرا ادراک اور میری معرفت محال ہے۔ انکی بصارت میں اتنی قوت کہاں کہ نور سرمدی کا احساس کر سکیں۔

پس سب سے پہلے جو چیز مصدر علم سے صادر و ظاہر ہوئی ہے۔ وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے جو شعاع و ضوء نور سرمدی ہے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے (رسائل بحار) "اشتق نورہ من نور اللہ" یعنی نور محمدی۔ نور الہٰی سے منتزع و مشتق ہے اور جناب امام محمد باقر باقر علوم الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے جابر اللہ تھا اور اس کے ساتھ معلوم و مجہول کوئی شے نہ تھی۔ پس اول اول جو خلقت عالم کی ابتدا کی تو محمد مصطفےٰ اور ہم اہلبیت کو اپنے نور عظمت و جلال سے خلق فرمایا۔ پس ہمکو سایہ سبز کی صورت میں کھڑا کیا۔ جبکہ نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب۔ نہ رات اور نہ دن۔ ہمارا نور خدا کے نور سے اس طرح منفصل و جدا ہوتا تھا جس طرح شعاع آفتاب سے "يَفْصِلُ نُورُنَا مِنْ نُورِ رَبِّنَا كَشُعَاعِ الشَّمْسِ مِنَ الشَّمْسِ" اور چونکہ ظہور و انعکاس نور امیت کے لئے ضروری ہے کہ ایک وجود کثیف درمیان میں حائل ہو۔ مثلاً آئینہ اگر دونوں طرف سے یکساں شفاف ہو تو شعاع بصر منعکس نہیں ہو سکتی اور کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی اس لئے ایک طرف سے روشن اور دوسری کثیف ہوا کرتی ہے۔ پس انبیاء و حجج اللہ جو مظہر نور سرمدی ہیں ایک جنبہ جسمانی بھی رکھتے ہیں

تاکہ شعاع نورِ سرمدی منعکس ہوکر مخلوقات تک پہنچے اور یہ صفت ملائکہ میں نہیں ہے۔ اور وہ اس خلافت الٰہیہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے حافظ شیرازی نے اور بہت اچھا کہا ہے ؎

جلوہ کرد رخش دید ملک عشق نداشت
برقِ غیرت شدہ زیں آتش در آدم زد

دراصل یہ شعر ترجمہ ہے اُس حدیث کا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت صفاتیہ پر پیدا کیا ہے۔ اور اپنے انوار جلالیہ وجمالیہ کا مظہر قرار دیا ہے اور جامع صفات متضادہ انسان ہی ہے نہ ملک (فافہم)

نورانیت اجسام انبیاء

بہرحال وجود اول جو مصدر و مبدء فیاض سے صادر ہوا ہے۔ وہ حقیقت علمیہ ہے۔ کیونکہ علیم بالذات سے صادر ہوا ہے اور روح قدس نبوتی حقیقت نوریہ وجودیہ ہے اور یہ ضروری ہے کہ محل مناسب حال ہو اور ظرف مناسب مظروف۔ اگر ظرف مناسب مظروف اور محل متناسب حال نہ ہوگا تو وہ اس حال و مظروف کا متحمل نہ ہو سکیگا اور اسکو برداشت نہ کرسکیگا۔ لہذا لازمی ہوا کہ انکی حقیقت نورانیہ کیواسطے محل و ظروف بھی نورانی ہی ہوتا کہ معرفت نورِ سرمدی صدق انکے بیان ہی پر موقوف نہ ہو بلکہ انکے دیکھنے سے بھی آثارِ نوریہ ظاہر ہوں۔ چنانچہ آیہ نور میں اسکی طرف اشارہ ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضی ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شیٔ علیم۔ جب حقیقت روحانیہ بھی حقیقت نورانیہ ہے اور جسم بھی نورانی تو پھر نور علیٰ نور ہی ہے پس نوع انبیاء نوع خاص ہے اور ان کا وجود مادی بھی مادہ کثیفہ سے نہیں ہے بلکہ نورانی ہے۔ اور اجسام عنصریہ سے خارج اور ان سے

بالاتر ہے اور اُنپر حاکم ہے۔ نہ اُن کے ماتحت اور نہ ان کا محکوم۔ پس وہ عالم اجسام میں داخل بھی ہے اور خارج بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اجسام عنصریہ اُن پر خود اثر نہیں کرسکتے چنانچہ قصہ حضرت یونس کہ بروایت بعض چالیس روز تک اور ایک روایت کے موافق کم سے کم تین روز شکم ماہی میں زندہ رہے۔ جسپر تمام کتب عہد عتیق و جدید توریت وغیرہ شاہد ہیں۔ کون سا انسان ہے جو تین روز یا چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہ سکے علی ہذالقیاس جس وقت حضرت موسیٰ متولد ہوئے ہیں۔ اور فرعون کو خبر ملی۔ تو اس نے مفتش کو تلاش و دریافت حال کے لیے بھیجا۔ جب مفتش داخل خانہ مادر موسیٰ ہوا۔ تو انھوں نے حضرت موسیٰ کو ایک تنور میں رکھدیا۔ اور اوپر کچھ لکڑیاں ڈال دیں※۔ اور آگ روشن کردی جب مفتش تلاش کرکے چلا گیا۔ تو والدہ حضرت موسیٰ دوڑیں اور چلائیں۔ کہ تنور میں آگ کسنے روشن کردی۔ لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ فرمایا اسمیں تو میرا بچہ ہے میں نے مفتش کے خوف سے رکھدیا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھکو خبر نہ تھی مادر موسیٰ گھرائیں اور جب تنور میں دیکھا تو حضرت موسیٰ صحیح وسالم موجود ہیں اور آگ سے کھیل رہے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ آگ تنور میں خود بخود روشن ہوگئی تھی۔ سبحان اللہ چونکہ وجود اقدس موسیٰ اجسام عنصریہ پر غالب وحاکم تھا آگ اسپر اثر نہ کرسکی۔

اسی طرح قصۂ ابراہیم خلیل اللہ مشہور و معروف ہے کہ آتش حضرت کے لیے گلزار ہوگئی تھی بعد ازاں بحکم خدا مادر موسیٰ نے ان کو ایک صندوق میں بند کرکے دریا میں پھینک دیا اور حضرت ایکروز وبروایتے تین روز تک دریا میں رہے اور زندہ نکلے۔ حالانکہ دوسرا بچہ اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اگر صندوق میں سوراخ رکھے جائیں تو پانی بھر جائے اور بچہ دم گھٹکر مرجائے اور اگر بالکل بند کردیا جائے۔ تو ہوا داخل ہو اور سانس بند ہوکر بچہ ہلاک ہوجائے۔ مگر مادر حضرت موسیٰ نے صندوق کو ہر ایک طرف سے بالکل بند کرکے دریا میں ڈالا تھا۔ اور حضرت موسیٰ زندہ رہے جس کی خدا خبر دیتا ہے۔ "فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ"

※ تاکہ دکھائی نہ دیں۔ ایک لونڈی نے بے خبری میں آکر تنور میں اور لکڑیاں ڈالدیں۔

اس صندوق کو دریا میں ڈالدے۔

بالجملہ محل مناسب حال ہے اور حقیقت نورانیہ نبویہ کا طرف بھی نورانی دفوق اجسام عنصریہ ہوتا ہے اور جب اسکی نورانیت درجہ کمال پر پہنچتی ہے تو پھر اس جسم کا سایہ بھی نہیں ہوتا۔ نور محض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خصائص وجود اقدس احمدی سے ہے کہ حضرت کے جسم اقدس کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ پس انبیاء علیہم السلام کو جو اجزاء مادیہ عطا کئے گئے ہیں وہ بھی ہماری روح سے لطیف تر اور نورانی ہیں۔

بیان خلقت انبیاء علیہم السلام

حضرت آدمؑ سے لیکر تا حضرت خاتم اکثر انبیاء علیہم السلام کا حال ولادت دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ خلقت انبیاء علیہم السلام اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ کے باب میں "اِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ" فرمایا ہے۔ اسباب ظاہری کا کہیں ذکر نہیں بعد ازاں حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے قصے کو پڑھیے۔ سورہ ذاریات میں خدا خبر دیتا ہے وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ملائکہ نے حضرت ابراہیم کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی۔ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ "پس حضرت ابراہیم کی بیوی (سارہ) اپنی لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ خوشخبری سننے کو آئیں اور ملائکہ کو دیکھ کر شرم سے منہ ڈھانپ لیا یا منہ پیٹ لیا اور کہا میں بڑھیا ہوں۔ اور میرا شوہر بھی قابل اولاد نہیں ہے پھر اولاد کیسے ہوگی" قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ "ملائکہ نے کہا بیشک ایسا ہی ہے کہ نہ تمہارا سن قابل اولاد ہے۔ اور نہ تمہارے شوہر ابراہیمؑ قابل تولد لیکن یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے۔ اور وہی صاحب حکمت اور ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اس کے نزدیک کوئی دشوار نہیں کہ اس سن میں تمہیں فرزند عطا فرمائے دوسرے مقام پر سورہ ہود میں اس قصے کا ذکر ہے" وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا

بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ" جب ملائکہ حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو ان کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں ۔ وہ ہنسیں ۔ پس ہم نے اُن کو اسحٰق اور بعد اسحاق یعقوب کی بشارت دی اُس نے کہا ۔ کیا میں جنونگی ۔ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بھی ضعیف ہے؟ بتحقیق کہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس سن میں اولاد ہو "قَالُوْا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ" (ھود ع) ملائکہ نے جواب میں کہا کیا تم امر الہی سے تعجب کرتی ہو؟ تم اہل بیت نبوت پر خدا کی خاص رحمت و برکات ہیں اور وہی صاحب حمد و صاحب بزرگی ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ خلقت انبیاء عالم امری سے ہے ۔ وہاں صرف ارادۂ الہٰی متعلق ہونے کی ضرورت ہے ۔ اُن کی خلقت اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف نہیں ہے اگر تم اور تمہارے شوہر دونوں قابل توالد و تناسل نہیں ہیں ۔ تو تم سے فرزند پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے خدا ہر چیز پر قادر ہے اور خلقت کا اسباب ظاہریہ پر موقوف نہونا صرف تم اہل بیت نبوت ہی کے واسطے ہے ۔ اور یہ رحمت و برکت انبیاء ہی کے لئے ہے ۔ عام لوگ اس میں شریک نہیں رہ سکتے ہیں ۔ حضرت سارہ کی عمر اس وقت ۹۰ سال کی تھی ۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی ایک سو بیس سال ۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ۔ پس ایسے وقت میں ان سے اولاد کا ہونا جبکہ بتصدیق خداوند عالم و ملائکہ وہ قابل توالد و تناسل نہ تھے ۔ یہ خاص رحمت خدا نہیں تو اور کیا ہے ۔ اس سے صاف معلوم ہے کہ خلقت انبیاء کی صورت کچھ اور ہی ہے ۔ نہ کہ عام لوگوں کی طرح ۔ اور ان کی خلقت عالم امری سے ہے نہ کہ عالم خلقی سے جو موقوف باسباب ظاہریہ ہو :

اس سے زیادہ صریح قصہ حضرت عیسیٰ ہے ۔ حضرت مریم نے بھی اس بشارت سے تعجب ظاہر فرمایا ہے "وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِھِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا

بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ
لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا
قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ
أَمْرًا مَّقْضِيًّا (سورۂ مریم ع ۲) یاد کر کتاب میں ذکر مریمؑ کو جبکہ وہ اپنے کنبے سے الگ ہو کر جانب مشرق چلی گئی اور ان کی طرف پردہ حائل کر لیا۔ پس ہم نے اسکی طرف اپنے فرشتے کو بھیجا جو بصورت بشری اُن کے سامنے آیا۔ تو مریمؑ نے کہا میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں اگر تو متقی و پرہیزگار ہے کہ تو میرے پاس کیوں آیا ہے اُس نے کہا سوائے اسکے نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا عنایت کروں۔ مریم نے کہا میرے کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے اور نہ میں (معاذ اللہ) بدکار ہوں (اس مقام پر تخصیص بعد تعمیم ہے۔ مطلب حضرت مریم کا یہ ہے کہ میرے شرعی شوہر تو ہے ہی نہیں جو مجھ سے ہم بستر ہوتا اور میں زانیہ و بدکار رہی نہیں ہوں جو غیر شرعی طور پر کوئی بشر مجھ سے مس کرے غرض حضرتؑ اپنی عصمت کو ظاہر فرماتی ہیں اور ملائکہ حضرتؑ کی تصدیق کرتے ہیں) اس فرشتے نے کہا ایسا ہی ہے (نہ تم کو شوہر نے مس کیا ہے اور نہ کسی اور شخص نے) (مگر) تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ امر میرے لیے آسان ہے (کہ بلا اجتماع مرد و زن دیگر اسباب ظاہریہ بچہ پیدا کر دوں) اس لیے کہ ہم اسکو لوگوں کے لیے اپنی آیت و رحمت خاص قرار دیں گے اور یہ امر طے شدہ ہے قضا اسپر جاری ہو چکی ہے اس آیت کے آخر میں خدا فرماتا ہے "ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ" یہ ہی عیسیٰ ابن مریم ہے جسکی ولادت اس طریق مذکور پر ہوئی۔ یہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک و شبہہ کرتے ہیں "مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ" خدا کی شان کے یہ شایان نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے کسی کو بیٹا بنائے یا کسی قسم کی جزئیت ولدی اختیار کرے وہ ان امور سے پاک و پاکیزہ ہے۔ وہ

وہ ذات پاک ہے کہ جب وہ کسی امر کا حکم کرتا ہے اور اس کی قضا اس پر جاری ہوتی ہے پس وہ کن کہتا ہے اور وہ امر ہو جاتا ہے یعنی اسکا ارادہ متعلق ہوتے ہی وہ شے ہو جاتی ہے۔ پس وہ خلق کرنے میں کسی سبب ظاہری کا محتاج نہیں ہے یہ آیت بالصراحت دال ہے کہ خلقت انبیاء علیہم السلام عالم امری سے ہے نہ عالم خلقی سے۔ اسباب ظاہریہ کو یہاں دخل نہیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ ہی کے باب میں فرمایا ہے "وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ" یعنی عیسیٰ خدا کا کلمہ وجودیہ ہے اور اس کی ایک روح خاص ہے اسباب مادیہ ارضیہ کو اس کے وجود میں کوئی دخل نہیں ؛

درجات سہ گانہ انسانی

یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک عالم علیم اور وہ حجج اللہ انبیاء و آئمہ ہیں دوسرے ذی علم یعنی عالم جو اس علیم سے علم لیتے ہیں اور انکی پیروی کرتے ہیں تیسرے وہ لوگ جو نہ تو خود علیم ہیں اور نہ علیم سے سیکھتے ہیں۔ پہلے دو قسم کے لوگ طریق نجات پر ہیں۔ اور تیسری قسم کے لوگوں کے لئے نجات نہیں ہے۔ جناب امیر الموحدین سر اللہ فی العالمین علیہ الصلواۃ والسلام فرماتے ہیں اَلنَّاسُ ثَلٰثَةٌ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ وَمُتَعَلِّمٌ عَلٰی سَبِیْلِ النَّجَاةِ وَالْبَاقِیْ کَالْهَمَجِ اَتْبَاعُ کُلِّ نَاعِقٍ یعنی آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک عالم ربانی دوسرے متعلم بر سبیل النجات جو عالم ربانی سے علم سیکھتے ہیں۔ اور باقی مثل (خر مگس، گندگی کی مکھیوں اور کیڑوں کی طرح کے ہیں۔ جو ہر ایک آواز کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس طرح وہ مکھیاں ہیں کہ جہاں کہیں بوئے بد بلند ہوئی وہیں پہنچ گئیں جیسا کہ آجکل یہاں کے لوگوں کا حال ہے کہ ہر ایک جاہل و ملحد بیدین کے پیچھے ہو لیتے ہیں خواہ وہ حرامزادہ ہی کیوں نہو اور خواہ کیسا ہی کریہ المنظر مشوہ الخلقت اور مجموعہ عیوب کیوں نہو؛

جناب امیر المومنینؑ کا یہ کلام مستنبط ہے۔ آیہ ذیل سے جس میں لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے "فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ" ایک اصحاب یمین۔ دوسرے اصحاب شمال تیسرے سابقین مقربین۔ پس سابقین مقربین حجج اللہ وانبیاء واوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور اصحاب یمین اُن کے اتباع کرنے والے مومنین ہیں اور اصحاب شمال وہی تیسرے فرقے کے لوگ ہیں جو نہ سابقین میں داخل ہیں نہ اُنکے قدم بقدم چلنے والے۔ اور ایسوں کے لئے نجات نہیں۔ پس بکمال وضاحت ثابت ہے کہ طریق سعادت منحصر ہے دو چیزوں میں یعنی یا تو دارائے علم وھبی انبیاء واوصیاء سے ہو یا اون سے علم لینے والا اور اُن کے قدم بقدم چلنے والا۔ اور کے لئے نجات وسعادت نہیں :۔

بہرکیف چونکہ عوام کی تعلیم اور انکے علوم ناقصہ کی تکمیل کے لئے اول معلم ضروری ہے اسلئے اول شئے جو سبدء فیاض ومصدر علم سے ظاہر وصادر ومنزل ہوئی ہے وہ حقیقت نوریہ محمدیہ ہے جو معلم تعلیم الٰہی دارائے جنس علم بلکہ اصل علم اور عالم کے لئے معلم روحانی ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ بعد ازاں عالم جسمانی میں بھی اول معلم ہی بھیجا گیا ہے یعنی حضرت آدمؑ اسوقت بھیجے گئے جبکہ آپ کی اولاد میں سے کوئی انسان موجود نہ تھا تاکہ جس وقت سلسلہ توالد وتناسل جاری ہو۔ تو معلم اُن کا پہلے سے موجود ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجود حجت نبی یا امام ہر وقت اور ہر زمانے میں ضروری ہے مخلوق سے پہلے بھی حجت خدا موجود تھا اور مخلوقات کے ساتھ بھی اور بعد میں بھی اسی واسطے خدا فرماتا ہے۔

"یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ" یعنی روز قیامت ہر ایک شخص کو انکے امام کیساتھ بلائینگے۔ بلا وجود امام قیامت قایم ہی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ یہی مضمون حدیث میں بھی وارد ہوا ہے اَلْحُجَّةُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَبَعْدَ الْخَلْقِ وَمَعَ الْخَلْقِ یعنی حجت خدا قبل خلق بھی موجود ہوتا ہے اور مخلوق کے ساتھ بھی اور بعد فناء مخلوقات بھی تاکہ اُس کے ذریعہ سے اُن کا حشر ہو۔

پس حجج اللہ مونہ صفات الٰہی ومعلم تعلیم الٰہی ہوتے ہیں خالق سے لیتے ہیں اور خلق کو پہنچاتے ہیں اور حجیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ظاہری اور باطنی۔ اور پھر اُن میں بھی

ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ رہا یہ امر کہ اس حجت اللہ اور معلم الٰہی کو مخلوقات عالم سے پانچ
قسم کے تعلقوں میں سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اس کو کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا قصۂ
حضرت ہابیل کو خیال کیجئے تاکہ تمہیں حجۃ اللہ کے تعلق کا کچھہ حال معلوم ہو کہ جس وقت قابیل نے
حضرت ہابیلؑ کو قتل کر دیا ہے تو کہا ہے اور صحیح ہے کہ تمام موجودات عالم میں انقلاب اور
اضطراب پیدا ہو گیا تھا کیونکہ وہ وصی حضرت آدمؑ تھے اور اُن کے بعد حجت خدا تھے۔ اسی تعلق
کی وجہ ہے کہ ان ایام (محرم میں) عالم مضطرب و منقلب نظر آتا ہے کیونکہ حجت موجود
(امام زمان) بھی حجت خدا ہے اور اس حجت موجود کو اس حجت خدا سے جس سے یہ ایام
مخصوص ہیں۔ بنت نشادی و تعلق اتصالی و باطنی حاصل ہے اگرچہ یہ امام بظاہر
آخر زمانہ میں آیا ہے لیکن جو حالت اضطراب کربلا میں اس حجت خدا و امام ہدیٰ سید الشہدا
پر طاری ہوتی ہے وہ ہی اس حجتِ موجود زمان پر طاری ہوتی ہے اور جو انقلاب
و تزلزل اس وقت اجزائے عالم میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ہی اسوقت اس کے اضطراب کی
وجہ سے پیدا ہوا ہے اور ہلال محرم کو دکھائی دیتے ہی عالم مضطرب و منقلب نظر آتا ہے
کیونکہ جو اعمال و افعال عالم جسمانی میں واقع ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ
وہ باقی نہیں رہتے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ ان سب کی ایک حقیقت متاصلہ ہے جو باقی رہتی
ہے حتیٰ کہ ہمارے اعمال مثل تکبیرۃ الاحرام و قرأت و رکوع و سجود جو بظاہر ایسے معلوم
ہوتے ہیں کہ اُن کا کوئی وجود باقی نہیں۔

اور جو آواز و لفظ مثلاً منہ سے نکلا جاتا ہے در حقیقت ان میں سے ہر ایک وجود حقیقی اور ایک حقیقت
متاصلہ ہے اور ہر ایک شئے عالم دہری میں ثبت رہتی ہے۔ چنانچہ آیہ مجیدہ وَوَجَدُوْا
مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (جو کچھہ اُنھوں نے کیا اسکو حاضر و موجود پایا) اس پر بالصراحت دال
ہے اور دوسری جگہ فرماتا ہے "اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" جو کچھہ تم کرتے
ہو ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہمارے یہاں ثبت و منضبط رہتا ہے پس جب اہل مجلس ایک جگہ

جمع ہوتے ہیں اور مقررین و واعظین کی تقریریں سنتے ہیں۔ دوسری تقریر سے پہلی تقریر بظاہر معدوم ہو جاتی ہے اور روز عاشورا کے واقعات شہادت میں ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ بظاہر معدوم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت عالمِ دہری میں ان سب کی ہیئت مجموعی اور حقیقت کلیہ موجود رہتی ہے اور امام چونکہ موجود ہے اور وہ شہید ہے جو ہر شے پر حاضر ناظر ہے اس لئے اُس کے سامنے صورتِ شہادت بحیثیت مجموعی اور جملہ واقعات کربلا کی ہیئت کذائی واجتماعی اُسکے پیش نظر ہے اور سامنے موجود ہے۔ پس۔ جب امام زمان شہادت کی صورت مجموعی کو دیکھتا ہے۔ اُس کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ جبکہ ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ واقعات شہادت کو صرف تھوڑی دیر سن کر مضطرب و منقلب ہو جاتے ہیں خود امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں فَلَئِنْ اَخَّرَتْنِي الدُّهُوْرُ وَعَاقَنِيْ عَنْ نَصْرِكَ الْمَقْدُوْرُ وَلَمْ اَكُنْ لِمَنْ حَارَبَكَ مُحَارِبًا وَلِمَنْ نَصَبَ لَكَ الْعَدَاوَةَ مُنَاصِبًا فَلَاَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَمَسَاءً وَلَاَبْكِيَنَّ لَكَ بَدَلَ الدُّمُوْعِ دَمًا الخ۔ اے جد بزرگوار اگرچہ زمانے نے مجھے تاخیر میں ڈال دیا۔ اور مقدورات نے آپ کی نصرت سے مجھے باز رکھا اور میں اُن لوگوں سے نہ لڑ سکا۔ جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ کے دشمنوں سے دشمنی ظاہر نہ کر سکا۔ لیکن بالتحقیق کہ میں ہر روز صبح و شام آپ کے لئے باوازِ بلند نوحہ و فریاد کرتا ہوں اور آنسوؤں کی عوض خون روتا ہوں۔ کیوں حضرات! جب ہماری یہ حالت ہے کہ ایک روز تھوڑے سے حالات سن کر نوحہ و فریاد کرتے اور مضطرب ہو جاتے ہیں۔ تو روز عاشور اس امام عالی مقام کا کیا حال ہوتا ہوگا جو جملہ واقعات کو بچشم خود دیکھتا ہے اور ہمیشہ ہر صبح و شام خون کے آنسو روتا ہے:۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

موعظہ دوم

۷ محرم الحرام ۱۳۳۲ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامہم

ھٰذٰن خصمٰن اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق رؤسہم الحمیم

طریق تعلیم اور اسکی کیفیت

ذکر کیا جا چکا ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے یا غیر ذاتی - اور تعلیم یا باطنی ہے یا ظاہری یعنی بذریعہ آلات ظاہریہ چشم و گوش - اور جس کا علم ذاتی نہیں ہے چاہیے کہ وہ اس سے حاصل علم کرے - جس کا علم ذاتی ہے اور آلات ظاہریہ پر موقوف نہیں ہے - خداوند عالم قصۂ آدم اور ابتدائے خلقت انسان کے باب میں فرماتا ہے الذی احسن کل شئ خلقہ وبدء خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلٰلۃ من ماء مھین ثم سوّٰہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون (سجدہ ع) یعنی پروردگار عالمیان وہ ہے جس نے اپنی ہر مخلوق کو احسن اور نہایت عمدہ پیدا کیا ہے اور خلقت انسان کی ابتدا مٹی سے کی پھر اسکی نسل ایک ذلیل قطرہ آب سے قرار دی اور اس انسان اول (آدمؑ) کو درست و معتدل بنا کر اس میں اپنی ایک نوری سی روح پھونک دی اور (اے بنی آدم) تمہارے لئے اللہ نے کان آنکھ اور دل پیدا کئے (مگر) تم بہت ہی کم شکر گذار ہو - پس انسان اول یعنی حضرت آدم ابو البشر کے لئے ایک روح خاص عطا ہوئی اور اُن کی اولاد

اور نسل کے لیے آنکھ کان اور دل دیے گئے اور آیہ مبارکہ "اخرجکم من بطون امھتکم
لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ" (نکالا تمکو شکم امہات
سے در آنحالیکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لیے کان آنکھ اور دل دیے) کے ملانے
سے نتیجہ ظاہر ہے کہ بنی آدم کے لیے آلات تحصیل علوم یہی کان۔ آنکھ اور دل بنائے گئے ہیں
اور آدمؑ کو تحصیل علوم میں اُن آلات کا محتاج قرار نہیں دیا گیا بلکہ ذریعہ تعلیم علوم دہی وح
ہے۔ پس یہ روح خاص نبی اللہ سے مخصوص ہے اور تعلیم کا آلات ظاہر یہ پر موقوف
ہونا بنی آدم سے مختص۔ ان دونوں آیات مبارکہ میں سمع کو بصر پر مقدم رکھا ہے جس اس
امر کی طرف اشارہ ہے کہ اول آلہ تعلیم کان ہے اور ظاہر و شاہد ہے کہ مادر زاد اندھا
تعلیم پا سکتا ہے۔ لیکن مادر زاد بہرہ تعلیم نہیں پا سکتا۔ مگر بہت ہی خفیف اور کم۔ غرض
پیغمبر کی ذات کے ساتھ علم ہوتا ہے اور غیر پیغمبر کا علم غیر ذاتی ہے اُن کو چاہیے کہ
پیغمبر سے علم حاصل کریں۔

علم ذاتی اور علم بالذات

علم ذاتی دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جہاں علم عین ذات ہے
اور زائد بر ذات نہیں علم عین ذات ہے اور ذات عین علم۔
اور اسی کو علم ذاتی بالذات کہتے ہیں اور یہ مخصوص ہے ذات واجب الوجود خداوند عالم سے
کہ اسکی تمام صفات عین ذات ہیں نہ زائد بر ذات۔ پس اسکا علم بھی عین ذات ہے۔ اور
علم و ذات دو چیزیں نہیں ہیں۔ اس کی ذات علم ہی علم ہے۔ اور ایک علم ذاتی وہ ہے
جہاں علم اور ذات دو چیزیں ہیں اور علم ذات شے سے علحدہ اور زائد بر ذات ہے
اور گو یا وہاں علاوہ علم اور شے بھی ہے صرف علم ہی علم نہیں ہے اور ایسا علم جو عین ذات
نہیں ہے۔ بلکہ خارج از ذات و زائد بر ذات ہے محتاج معطی و معلم ہے اور یہ معلم و معطی
وہ ہی خالق و ذات واجب الوجود و علیم مطلق ہے یہ علم ذاتی انبیاء اوصیاء آئمہ علیہم السلام
کا ہے۔ کہ اگرچہ زائد بر ذات ہے لیکن خدا نے ذات کے ساتھ عطا کیا ہے اور اتی

کہ نبی کی ذات عین علم اور اسکا علم عین ذات نہیں ہے۔ کبھی اس سے علم کی نفی کی جاتی ہے اور یہ نفی علم گویا ان کے مرتبہ جسمانی عنصری سے متعلق ہے اور کبھی اسکو مبدء علم و خزانہ علم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صاحب روح قدس ہے جو روح نورانی علمی ہے اور وجود جسمانی اس کا کلمۃ اللہ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے باب میں فرمایا ہے "وکلمۃ القاھا الی مریم وروح منہ" اور پیغمبر خاتم النبیینؐ (کلمہ علیا) "وکلمۃ اللہ ھی العلیا" (کلمہ تامہ) "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا" لہذا آیہ مجیدہ "وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر وما کنت من الشاھدین" اے پیغمبر تو نہیں موجود تھا جانب غربی میں جبکہ ہم نے موسےؑ کو اس امر خاص کا حکم دیا اور تو وہاں شاہدین میں سے تھا "وما کنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمۃ من ربک لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلک لعلھم یتذکرون" (قصص ع ۵) اور تو نہیں تھا طور کی جانب جبکہ ہمنے موسیٰ کو ندا دی لیکن یہ سب کچھ تیرے پروردگار کی رحمت ہی تاکہ تو ڈرائے اُس قوم کو جس کے پاس ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نذیر (پیغمبر) نہیں بھیجا۔ تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور اسی مضمون کی دیگر آیات جن میں خدا پیغمبر کے موجود ہونے کی نفی کرتا ہے اور آیہ مجیدہ "وکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا" (کیونکر ہو گا۔ جبکہ ہم ہر ایک اُمت کا شہید بلائیں گے اور تجھ کو اے پیغمبرؐ تمام شہیدوں پر شہید قرار دیں گے) اور اس جیسی آیات میں جن میں پیغمبرؐ کے شہید مطلق اور تمام عوالم پر حاضر ہونے کی خبر دیتا ہے کہ پیغمبرؐ باوجودیکہ سب کے آخر میں آیا ہے لیکن تمام انبیاء پر تا حضرت آدمؑ شہید اور اُن پر حاضر و ناظر ہے اور اُن کے افعال و اعمال کو دیکھتا ہے فی الحقیقت کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں پیغمبرؐ سے نفی علم کی گئی ہے۔ وہ نفی علم بالذات ہے کیونکہ علم پیغمبرؐ موقوف بر تعلیم الٰہی ہے جیساکہ "ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان" میں اور جہاں حضور و شہود کی نفی ہے۔ وہاں حضور و شہود جسمانی مراد ہے اور مطلب یہ ہو کہ اے پیغمبر تو اس صورت میں یعنی بصورت جسمانی کوہ طور اور جانب غربی میں موجود نہ تھا۔ مگر اپنی رحمت سے خدا نے ان امور کا علم

تجھے بذریعہ تعلیم روحانی دیدیا تھا اور اسی روح کی وجہ سے شہید تھا اور جہاں خدا شہید مطلق فرماتا ہے۔ اور حضرت آدم تک پر بلکہ تمام عوالم پر شہید و حاضر و ناظر قرار دیتا ہے وہ بلحاظ اسی روح اعظم نبوی ہے۔ جو اول مخلوق و حقیقت علمیہ ہے۔ اور نبوت اسی پر موقوف ہے نہ صورت جسمانی پر۔ پس کوئی تنافی و تضاد ان آیات میں نہیں ہے کیونکہ نبی میں دو جنبے ہوتے ہیں ایک جنبہ جسمانی۔ دوسرا جنبہ روحانی وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ" اور بلحاظ اس روح کے وہ عالم ہوتا ہے اسلئے کہ یہ روح روح نورانی علمی ہے اور تمام انسان ایسے نہیں ہوتے اور سب میں یہ روح علمی نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا علم غیر ذاتی ہے اور اُن کو چاہئے کہ وہ اُن سے تعلیم پائیں جنکا علم ذاتی ہے اور صاحب روح نورانی علمی ہیں اور یہی مطلب ہے "فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيْمٌ" کا (ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ہے) ذی علم و صاحب علم وہ عالم ہے جس نے علم پیغمبر سے حاصل کیا ہے اور علیم پیغمبر ہے کہ جس کا علم ذاتی ہوتا ہے اور شکم مادر سے علم لے کر پیدا ہوتا ہے اور علیم کہلاتا ہے۔ پس علم ہر عالم کا منتہی ہوتا ہے علیم یعنی پیغمبر کی طرف اور علم پیغمبر منتہی ہوتا ہے علیم مطلق خداوند عالم کی طرف اور وہ علیم فوق علیم ہے اور علم وہی ہے جو علیم سے حاصل ہوا ہو۔ دوسرا علم علم نہیں۔ بلکہ مشابہ بعلم بھی نہیں ہے۔ مگر بہت تھوڑا سا۔

وجودِ علیم ہر زمانے میں ضروری ہے

اور اسی وجہ سے خدا نے اول علیم یعنی نبی کو پیدا کیا۔ تاکہ علم پہلے سے موجود ہو اور اس سے ثابت ہوا کہ وجود علیم ہر زمانہ میں ضروری ہے اس وقت بھی چاہئے کہ ایک علیم اور ایک ایسا شخص جسکا علم ذاتی ہے موجود ہو۔ عجل اللہ فرجہ

درجاتِ انبیاء و علومِ انبیاء

علم ذاتی اور وہ علوم جو علیم مطلق سے بذریعہ تعلیم روحانی پہنچے ہیں وہ بھی مختلف درجہ رکھتے ہیں اور علم ہر پیغمبر کا حسب ضرورت و مصلحت مکان و زمان دوسرے سے جدا و مختلف ہوتا ہے اور ابتدائے خلقت انسانی سے درجہ بدرجہ ترقی کرتا آیا ہے اور ان علوم انبیاء کی مثال کالج یا

سکول کی جماعتوں کے مختلف کورسوں کی ہے کہ ہر ایک جماعت اور طبقے کے لئے ایک علیحدہ کورس اسکی استعداد و قابلیت کے موافق بنایا جاتا ہے۔ جو کورس دوسری جماعت کے مقرر کیا جائے گا وہ پہلی کے لئے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابھی اُس کے سمجھنے اور یاد کرنے کی استعداد اور قابلیت پیدا نہیں ہوئی ہے اور ان کورسوں میں سے اگرچہ ہر ہر کورس اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے کامل غیر ناقص ہوتا ہے لیکن بلحاظ جماعت مافوق کم اور ادنیٰ اور درجہ مافوق میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں۔ جو جماعت ماتحت میں ہوتی ہیں بلکہ بہت کچھ زائد اور ہر درجے اور طبقے کے واسطے معلم بھی ویسے ہی مقرر ہوتے ہیں جس معلم کی صرف پہلی جماعت کے لئے ضرورت ہے وہ آٹھویں جماعت کو تعلیم نہیں دے سکتا اور وہ معلم و استاد جو آٹھویں کو پڑھاتا ہے وہ پہلی دوسری کو ضرور پڑھا سکتا ہے جو ایم اے کلاس کو تعلیم دیسکتا ہے۔ وہ الیف اے کو بھی پڑھا سکتا ہے پس جب تعلیم منتہی درجہ تک پہنچتی ہے تو اسکا معلم بھی ایسا ہی ہوتا ہے جو تمام علوم اولیہ کو سب سے زائد حاوی جامع ہو۔ سلسلۂ تعلیم رسمی میں ابتدائی درجہ کو اول حروف مفردہ اور الفاظ مفردہ بلا معانی ومطالب لکھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ اسی طریق پر خداوند عالم نے اول معلم نوع انسان یعنی حضرت آدمؑ کو تعلیم اسماء دی اور تمام چیزوں کے نام بتلائے مفاہیم و مصادیق تو ان اسماء میں داخل تھے اور انکی تعلیم ہوئی تھی۔ لیکن حقائق و بواطن اسمیں داخل نہیں ہیں تھے کیونکہ اول افراد انسانی جو تعلیم حضرت آدمؑ تھی انمیں حقائق اشیا کے سیکھنے کی قابلیت نہتھی چنانچہ فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا تمام اسماء حضرت آدم کو تعلیم دیدیئے؛

نکتہ جس وقت بمقابل حضرت آدمؑ ملائکہ کا امتحانِ مقابلہ لیا گیا تو خدا نے فرمایا اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم اپنے دعوے خلافت میں سچے ہو۔ تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ هٰۤؤُلَآءِ اسم اشارہ ہے اور اشارہ شے موجود کی طرف کیا جاتا ہے۔ لہذا ظاہر ہوا کہ وقت تعلیم اسماء ہو اس استفسار پر مسمیات اسماء بطور حقائق یا بطور اشباح موجود تھیں جب ہی تو خدا نے فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ اور اسماء شامل ہے تمام اسماء

ارضی و سماوی۔ مادی وغیر مادی وجواہر و اعراض کو پس چاہیے کہ اعراض بھی بطور وجود اصلی موجود ہوں۔ تاکہ اشارہ صحیح و درست ہو۔ لہذا حکماء کا یہ قول باطل ہو کہ اعراض وجود اصلی نہیں رکھتے۔ بلکہ تمام اعراض مثل سرخی و سبزی۔ سفیدی و سیاہی و تلخی و شیرینی وغیرہ وغیرہ کے سب حقائق متاصلہ رکھتے ہیں اور ان کا بھی ایک وجود اصلی ہے؛

الغرض دو قرن بعد زمانہ نوحؑ میں سلسلہ تعلیم میں ترقی شروع ہوئی حضرت آدمؑ کے زمانہ میں قانون شریعت مرتب نہ تھا محض مستقلات عقلیہ فطریہ تھیں چنانچہ احادیث متعددہ و آیات کثیرہ شاہد ہیں اور خداوند عالم فرماتا ہے شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا شریعت و دین قرار دیا۔ تمہارے لئے وہی جو ہم نے نوحؑ کو وصیت کیا تھا اور جو تجھکو وحی کی اور جو ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو وصیت کیا تھا۔ کہ دین کو قائم کرو اور متفرق ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ شریعتیں پانچ ہیں۔ شریعت نوحؑ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد مصطفےٰ اور شریعت محمدی جامع ہے جمیع شرائع سابقہ کو مع شئے زائد جو ان میں نہ تھی اور خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی شریعت شریعت ناسخہ مطلقہ ہے اور ان شرائع میں حضرت آدمؑ کا ذکر نہیں ہے۔ اس وقت قانون شریعت نہ تھا وہ درجہ ابتدائی تھا اور زمانہ نوحؑ اس سے ترقی یافتہ اس لئے وہاں قانون تشریعی کی ضرورت پڑی اور وہ بنایا گیا اور اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ شریعت خاتم النبیین پر ختم ہے۔ کیونکہ بطور حصر خدا نے فرمایا ہے کہ نوحؑ سے تا حضرت خاتم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت ہے اول نوحؑ ہیں آخر خاتم النبیین محمد مصطفےٰ اور اگرچہ زمانہ نوحؑ میں سلسلہ ایک درجہ ترقی کر گیا تھا۔ اور قانون شریعت مرتب ہو گیا تھا۔ لیکن تعلیم حقایق اس وقت بھی نہ تھی۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آیا۔ تو ان کو تعلیم حقائق بھی دی گئی۔ اور بواطن زمین و آسمان دکھلائے گئے کما قال عز وجل وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" یہی وجہ تھی کہ آپ خلت و نبوت و رسالت کے ساتھ خلعت امامت سے مشرف و مخلع ہوئے "اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" کیونکہ امامت آخر درجات حقائق ہے اور موقوف ہے احاطہ حقائق پر چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم کو حکم ہوا "وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" (حج ع ۲) پکار لوگوں کو حج کے لئے وہ تیرے پاس پیادہ اور لاغر اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز مقامات سے آئیں گے آپ نے آواز دی کہاں آواز دی جہاں کوئی موجود و آباد نہ تھا "بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" لکھا ہے۔ آواز ابراہیمی کو ان نطفوں تک نے سنا جو ابھی صلب پدر یا شکم مادر میں تھے بلکہ ابھی عالم دہری برزخی ہی میں تھے۔ کیونکہ امام تھے اور احاطہ بر حقائق رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ جس وقت حاجی حج کا احرام باندھتا ہے تو اول "لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ" کہتا ہے۔ یعنی اس دعوت ابراہیمی کا جواب دیتا ہے کہ ہم حاضر ہیں:۔

درجات شش گانہ نبوت

مکونات عالم من حیث المواد چھ درجے رکھتے ہیں اول صورت سدیمیہ۔ دوم صورت نثیریہ۔ سوم جماد۔ چہارم نبات۔ پنجم حیوان۔ ششم انسان منقسم فرائض سہام بھی چھ ہیں ⅙ + ⅓ + ⅔ + ½ + ¼ + ⅛ کیونکہ فطرت چھ قسم پر منقسم ہے انسان شکم مادر میں چھ درجے طے کرتا ہے۔ اول نطفہ ہوتا ہے۔ پھر علقہ۔ پھر مضغہ۔ پھر ہڈیاں۔ پھر گوشت پوست بعد ازاں خلقت انسانی عقلانی سلسلہ نبوت بھی چھ قسم پر منقسم ہے۔ حضرت آدمؑ سے ابتداء ہے اور جناب خاتمؐ پر انتہا:۔

اول نبوت حضرت آدمؑ ہے۔ دوم نوحؑ۔ سوم ابراہیمؑ۔ چہارم موسٰیؑ۔ پنجم عیسٰیؑ۔ ششم محمد مصطفٰیؐ خاتم النبیین۔ گویا بلا تشبیہ۔ مقام نبوت حضرت آدمؑ مقام نطفیت ہے اور مقام نوحؑ۔ مقام علقیت و مقام حضرت ابراہیمؑ۔ مقام مضغیت و مقام موسٰیؑ مقام عظمیت اور مقام عیسٰیؑ مقام لحمیت اور مرتبہ ختم نبوت مقام اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ اور باقی نبوات انہی کے تحت و درمیان میں ہیں پس مرتبہ ختم نبوت فوق جمیع نبوات و منتہائے نبوات ہے اور حضرت

ابراہیم متوسط ہیں اور شجرۃ الانبیاء کہلاتے ہیں۔ اور امامت ان ہی کو عطا ہوئی ان تمام انبیاء علیہم السلام کے درجات و معجزات میں تدبر و تفکر کرنے سے پوری تصدیق و تطبیق اس سلسلے کی ہو سکتی ہے :

سلسلۂ بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل

حضرت ابراہیم سے یہ تعلیم روحانی و علم ذاتی دو سلسلوں میں منقسم ہوتی ہے ایک سلسلۂ بنی اسحاقؑ جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے دوسرا سلسلۂ بنی اسمٰعیل سلسلہ حضرت اسحاقؑ جناب عیسیٰؑ پر ختم و منقطع ہو جاتا ہے :

تعلیم کلی

اور تعلیم کلی ذریت حضرت اسمٰعیلؑ سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَ تُبۡ عَلَیۡنَا اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ‘‘(بقرع ۱۵)۔ جبکہ ابراہیم و اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ بنا رہے تھے تو انھوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان اور مطیع و منقاد بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت کو مسلمان خاص اور مثل ہمارے مطیع و منقاد مطلق بنا اور ہمارے مناسک ہمیں دکھا دے۔ اور ہماری رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو رجوع بندگان کو قبول کرنے والا ہے اے پروردگار اس جماعت میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر۔ جو تیری آیات کی انپر تلاوت کرے اور انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بتحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہے ؛

ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ اسلام مطلق اور یہ دعا اور یہ رسالت حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت میں سے ایک جماعت خاصہ سے مخصوص ہے اور حضرت اسحٰقؑ کا یہاں ذکر نہیں ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علم احاطی رکھتے تھے اور احاطہ بر حقائق۔ اور امامت آخر درجات

حقائق ہے اور جو انبیاء بنی اسرائیل سے مبعوث برسالت ہوئے ان کے حالات سے ثابت ہے کہ ان کا علم علم کلی اور علم احاطی نہ تھا اور وہ کل حقائق پر احاطہ نہ رکھتے تھے چنانچہ جس وقت حضرت موسیٰ نے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر اولوالعزم ہیں حضرت خضر سے یہ درخواست کی "ھَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" کیا اس شرط پر میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں۔ کہ آپ مجھے وہ علوم حکمت سکھا دیں جو آپ کو تعلیم دیا گیا ہے تو حضرت خضر نے یہ ہی جواب دیا "اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا" تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے "وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا" اور کیونکر تم اسپر صبر کر سکتے ہو جس پر تم احاطہ علمی نہیں رکھتے۔ صبر بلا احاطہ علمی ممکن نہیں۔ کامل صبر وہی کر سکتا ہے جو جملہ حقائق پر احاطہ علمی رکھتا ہو۔ صبر فرع علم احاطی ہے:

رفع شبہہ جملہ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ رہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا) سے شبہہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نبی تھے رسول تھے۔ خلیل اللہ تھے۔ اور امام تھے تو پھر مسلمان ہونے کی دعا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا معاذ اللہ باوجود ان مراتب کے طے کر لینے کے بھی حضرت مسلمان نہ تھے:

جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ضرور مسلمان تھے بلکہ مسلم مطلق کیونکہ اسلام دو قسم پر ہے ایک اسلام بالواسطہ دوسرا اسلام بلاواسطہ اور مسلم دو ہیں مطلق مسلم اور مسلم مطلق اور دونوں معانی قرآن میں موجود ہیں۔ عام لوگوں کا اسلام اسلام بالواسطہ ہے۔ کسی دوسرے کے واسطے سے خدا پر ایمان لاتے ہیں مثلاً کسی نبی یا امام یا عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے ہیں اور مطلق مسلم کا یہ درجہ ہے "اِذْ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ" جبکہ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اے پیغمبر ان سے کہدو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ ولیکن یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ یہ مطلق اسلام کا درجہ ہے۔ صرف زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہدینا خواہ دل میں اعتقاد ہو یا نہ ہو مطلق اسلام ہے اور اسلام بلاواسطہ وہ ہے۔ جہاں خدا اور اس مسلم کے درمیان اور

کوئی واسطہ نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابراہیم اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جب اس کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لا تو کہا میں پروردگار عالمیان پر اسلام لایا اور اس کا مطیع مطلق بنگیا۔ یہ مسلم مطلق ہے اور انبیاء علیہم السلام کا اسلام یہی اسلام بلاواسطہ ہوتا ہے کوئی فرشتہ وغیرہ درمیان میں نہیں ہوتا نہ جبرئیل نہ اور کوئی۔ نبی خود متقا و مخلص و مطیع مطلق ہوتا ہے۔ جبرئیلؑ و دیگر ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں۔ چنانچہ قصہ حضرت آدمؑ و ملائکہ ظاہر ہے "یٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ" حضرت آدم علیہ السلام معلم جمیع ملائکہ ہیں جن میں جبرئیلؑ بھی داخل ہیں۔ اور ان تمام پر حجت ہیں۔ پس ضرور حضرت ابراہیم مسلمان بلکہ مسلم مطلق با اسلام بلاواسطہ تھے۔ لہذا یہ دعا اسلام لانے کی نہ تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس اسلام کے بھی درجے اور مرتبے ہیں ایک مرتبہ قبولیت ہے دوسرا مرتبہ فعلیت اور حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا کی تھی وہ فعلیت کے متعلق تھی۔ قبولیت پہلے سے رکھتے تھے۔ ہر ایک حکم الٰہی کو مطلقاً قبول کر چکے تھے دعا یہ کرتے تھے کہ جس طرح میں نے ہر ایک امر کو قبول کر لیا ہے اسی طرح سے اسکی فعلیت میں آنے کی توفیق عطا فرما تاکہ اسی طرح کر دکھاؤں۔ مجھے اور اسمٰعیل دونوں کو ایسا بنا دے۔ پس کوئی جائے شبہہ نہیں ہے کیونکہ جملہ "وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ" مقام عمل ہے۔ نہ مقام تسلیم و قبولیت اور توفیق فعلیت بھی من جانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ قصہ حضرت شعیبؑ سے صاف ظاہر ہے فرماتے ہیں "وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ" یعنی نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ ہی سے اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں اس مقام پر ایک امر اور بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ آیا حقیقۃ ملکوتیہ روح قدس نبوتی اعلیٰ ہے یا حقیقت ملائکہ؟ "یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا" سے ظاہر ہے کہ روح غیر ملائکہ ہے اور وہی اقدم و اشرف و اعلیٰ ہے وہ ملائکہ سے پہلے موجود ہے اور ایک روح روح کلی ہے تمام ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں۔ جس کی تفصیل مقام ختم میں آئے گی:۔

النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (بقرۃ ۲۶) تمام لوگ ایک امت تھے پس اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ جو بشارت دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تھی۔ تاکہ وہ حکم کریں۔ لوگوں میں ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور نہیں مختلف ہوئے اس میں مگر وہی لوگ جن کو کتاب دیگئی۔ اور ان پر رسول بھیجے گئے بعد اسکے کہ ان کے پاس دلائل وشہادات بینہ آچکی تھیں اور یہ اختلاف محض بغاوت وسرکشی سے تھا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی کو اسکے وجود کے ساتھ کتاب دیگئی ہے کیونکہ کتاب دو قسم پر ہے ایک کتاب تنزیلی مثلاً "اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ وَاَنْزَلْنَا الْقُرْاٰنَ" اور ایک کتاب وجودی ہے مثل "اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا" الخ پس یہ کتاب جس کا حضرت عیسٰیؑ وقت ولادت ذکر فرماتے ہیں کہ مجھ کو کتاب دیگئی ہے۔ کتاب تنزیلی نہیں ہے۔ کیونکہ انجیل حضرت پر سات سال یا تیئس سال یا تیس سال بعد میں نازل ہوئی تھی۔ بلکہ یہ کتاب وجودی ہے جو وجود کے ساتھ عطا ہوئی ہے اور یہ وہی کتاب ہے جس کا آیہ سابقہ میں ذکر آچکا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ اس کو کتاب دی گئی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کتاب سے وہاں کتاب تنزیلی تشریعی مراد لیجائے تو مطلب آیت کا درست نہ ہوگا کیونکہ ہر ایک نبی کو کتاب تنزیلی تشریعی عطا نہیں ہوئی اور مشہور کتب سماوی چار ہیں۔ توریت۔ زبور۔ انجیل اور فرقان ہیں ضرور اس کتاب سے کتاب وجودی ہی مراد ہے یعنی علم وجودی جو وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں بھی اسی کا ذکر ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ اور لفظ مع خود معیت وجودیہ پر دال ہے کہ یہ کتاب وجود نبی کے ساتھ معیت تامہ رکھتی ہے اور کتاب تنزیلی کو معیت وجود حاصل نہیں۔ نیز اسی معیت کتاب سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اسلام فطری بلاواسطہ ہوتا ہے کیونکہ انکے وجود کے ساتھ علم عطا ہوتا ہے۔ اور اول علوم علم معارف الہیہ ہے پس وہ سب سے پہلے وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے

اور نبی اسلام پر ہی مفطور ومخلوق ہوتا ہے یعنی اسلام بلا واسطہ و اسلام مطلق پر کیونکہ کوئی واسطہ اُسکے اور خدا کے درمیان نہیں ہوتا۔ ورنہ مطلق اسلام پر تو ہر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ وَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ یہی کتاب وجودی امام کے لئے بھی ضروری ہے اور وہ بھی وجود کے ساتھ علم لے کر آتا ہے پس ہر نبی اور امام کتاب وجودی رکھتا ہے اور یہی نبی و امام کی شناخت ہے۔ فالکتاب الوُجُودِی ھُوَ العِلمُ الَّذی اُعطِیَ لھم مع وُجُودِھِم وکُتِبَ فی قُلُوبِھِم وجُمِعَ فی صُدُورِھِم بل ھو اٰیاتٌ بیّناتٌ فی صُدُورِ الَّذِینَ اُوتُو العِلمَ فتامل فیہ

امامت کلیہ

سلسلہ امامت کلیہ نسل حضرت اسمٰعیلؑ میں جاری ہوا ہے نہ نسل حضرت اسحاقؑ میں۔ کیونکہ دعائے مذکور میں حضرت اسحاقؑ شامل و داخل نہیں ہیں کتب سابقہ سے بھی صاف ثابت ہے کہ یہ دعا ذریت حضرت اسمٰعیلؑ سے مخصوص ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ - آیت ۲۰ میں ہے اے ابراہیم ہمنے تیری دعا اسمٰعیلؑ کے حق میں سنی دیکھ ہمنے اسکو برکت دی اور بارآور کیا اور اپنے حبیب کے طفیل اسکو بڑی فضیلت دی جس کے بارہ سردار ونائب ہوں گے اور میں ان بارہ سرداروں سے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور زبور باب ۵۴ آیت ۱۰ بھی اسی پر دال ہے اور اس اسلام خاص یعنی اپنے درجے کی خواہش اور دعا حضرت ابراہیمؑ نے ذریت اسمٰعیلؑ کی ایک امت خاص کے لئے کی ہے اور (ک) خطاب اور (ل) اختصاص کی وحدت دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اور اسمٰعیلؑ کے لئے مانگا ہے وہی نسل اسمٰعیلؑ سے اپنی ذریت کی ایک امت کے لئے کیونکہ کاف خطاب اور لام اختصاص دونوں جگہ یکساں ہے اور "وَاجْعَلْنَا" بھی مکرر نہیں بلکہ جمل ایک ہی ہے اگر جمل مکرر ہوتا تو معنی بدل سکتے تھے اور نسل اسمٰعیلؑ کی اسی امت کے لئے یہ دعا کی ہے کہ اس میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر اور ظاہر ہے کہ اولاد حضرت اسمٰعیلؑ میں سوائے پیغمبر خاتم النبیین اور کوئی پیغمبر مبعوث برسالت نہیں ہوا پس ضروری ہے کہ وہ امت مسلمہ

جس میں سے پیغمبر مبعوث ہوا ہے - قبل بعثتِ پیغمبر موجود ہو اور رسول خدا بنی ہاشم سے مبعوث ہوئے ہیں - لہذا وہ امت مسلمہ بھی بنی ہاشم ہی میں سے ہوئی "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (اپنے سب سے قریبی قبیلہ والوں کو ڈرا) اسی کی طرف اشارہ ہے "وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ" (ہم نے ابراہیم کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی ہے) شاہد ہے کہ کتاب وجودی بحبل الہی ہمیشہ ذریت ابراہیم میں موجود ہے اور یہی کتاب مابہ النبوۃ والامامۃ ہے - نبوت خاتم النبیین پر بنص قرآنی ختم ہو گئی - پس کتاب باقی ہے اور بعد آنحضرت ذریت ابراہیمی نسل اسمعیل میں وہ لوگ دارائے امامت مطلقہ ابراہیمی ہیں جو یہ کتاب وجودی بحبل الہی رکھتے ہیں اور کتاب ان کے وجود کے ساتھ ہے اور ان کی حقیقت سے متحد اور یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کو رسول خدا نے مقارنِ کتاب اللہ اور ثانی ثقلین و تالی قرآن فرمایا ہے ملاحظہ ہو "اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَبَيْتِيْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ وَلَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ" عترت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں جدائی اور افتراق نہیں - کتاب اللہ ان کے ساتھ ہے اور وہ کتاب اللہ کے بلکہ ان کے ہر ہر جزو کے ساتھ ہے -

مرتبہ و مقامِ امامتِ مطلقہ

مقامات و نشانات امامت مطلقہ کا اس سے اندازہ کیجیے کہ حضرت نوح فرماتے ہیں "اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" میں مسلمانوں میں سے ہوں اور اس سلسلہ امامت ابراہیمی و نسل اسمعیل کا پہلا امام فرماتا ہے "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ" میں سب سے اول مسلمان ہوں "اَنَا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ" میں سب سے پہلا اسلام لانے والا ہوں "وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ" اولیت اسلام میری فطرت اور خلقت میں از روز تکوین داخل ہے - مفسرین کا جو یہ خیال ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے - حضرت خاتم النبیین اپنی امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں غلط ہے اور خلاف ظاہر آیہ کیونکہ اپنی امت میں ہر ایک نبی اول مسلم ہوتا ہے - کونسا پیغمبر ہے جو اپنی امت کے بعد خدا پر اسلام لایا ہو

پھر خاتم النبیین کے لیے کیا خصوصیت ہوئی - خصوصیت اور افتخار اس وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ جب مطلب یہ ہو کہ میں اسوقت سے مسلمان ہوں جبکہ کوئی مخلوق اسلام نہ لایا تھا سب پہلے میں ہی اسلام لایا ہوں اور یہ مرتبہ اول مخلوق ہی کو نصیب ہوسکتا ہے اور یہی "امرت ان اکون اول من اسلم" سے ثابت ہے اور یہ مقام مقام امامت کلیہ مطلقہ ہے "واللہ یختص برحمته من یشاء وذالك فضل عظیم" غرض من المسلمین ومن الصابرین ومن الصالحین سے ثابت ہے کہ ایک جماعت صابرین وصالحین ومسلمین مطلق پہلے سے موجود تھی جنمیں سے انبیاء علیہم السلام اپنے کو شمار کرتے ہیں اور یہ جماعت وہی اول من اسلم ہیں جو اس وقت سے مسلم ہیں جبکہ کوئی اسلام نہ لایا تھا۔

صبر انبیاء

بہر حال صبر فرع براحاطہ علمیہ ہے - مبداء و معاد۔ جو شخص مبدء و معاد مبتدا و انتہا اور آغاز و انجام امور پر نظر نہیں رکھتا - وہ کبھی صبر نہیں کرسکتا حضرت ابراہیم کو دیکھیے کہ وہ اپنے فرزند دلبند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل اسپر راضی ہوجاتے ہیں - اور فرماتے ہیں "یاابت افعل ما تومر ستجدنی انشاءاللہ من الصابرین" اے پدر بزرگوار جو کچھ خدا کا حکم ہے اسکو بجالایئے مجھ کو انشاءاللہ آپ صابرین میں سے پائیں گے - یہ صبر اسی وجہ سے تھا - کہ آپ نبی تھے اور انجام و آغاز امور پر احاطہ علمی رکھتے تھے ؛

صبر امام

اب صبر مظلوم کربلا کا ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے کمال الدین بن طلحہ شافعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مجھے روز عاشورا کے واقعات سے تعجب ہوتا ہے کیونکہ جو قلب حقائق اشیاء پر احاطہ رکھتا ہے وہ صبر رکھتا ہے حضرت ایوب کو "نعم العبد" اسی صبر کی وجہ سے کہا گیا ہے - لیکن جس وقت ناموس تک نوبت پہنچی ہے وہ بھی صبر نہ کرسکے اور حضرت ایوب نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی اور رفع تکلیف کی دعا فرمائی "رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" لیکن میں نے تمام کتب مقاتل کا مطالعہ و تفحص کیا

کسی مقام پر بھی نے امام کی شکایت یا رفع مصائب کی دعا نہیں دیکھی۔ حتیٰ کہ جس وقت آپ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گر پڑے ہیں اور اہل بیت عصمت و طہارت خیموں سے سر برہنہ نکل پڑے ہیں۔ اور آپ کے قریب آئے ہیں۔ اس وقت بھی آپ نے شکایت نہیں کی حالانکہ یہ مقام نامومی تھا۔ در حضرت ایوبؑ کے قصہ سے کہیں زیادہ قربان ہماری جانیں اس صابر مظلوم پر روحی و ارواح العالمین لہ الفداء لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

موعظۂ سوم

۵ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ

تقسیم وجود وجود بلحاظ غرض و غایت دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وجود فی نفسہ لنفسہ دوسرا وجود فی نفسہ لغیرہ یعنی ایک ایسا وجود ہے جس کے ایجاد و خلق کرنے سے موجد و خالق کی غرض و مقصود خود وہ موجود ہے۔ دوسرا وہ وجود ہے جس کی خلقت کی غرض و غایت خود وہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی دوسرے کے لئے خلق و ایجاد کیا گیا ہے:

پہلی قسم کے وجود حجج اللہ علیہم السلام یعنی انبیاء و آئمہ ہیں کہ اللہ نے انکو اپنی صفات کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا ہے اور مقصود ان کی خلقت سے وہ خود ہیں۔ کیونکہ ہر صاحب کمال حضوصاً کامل مطلق اپنے کمال کو محبوب۔ و دوست رکھتا ہے اور اپنے کمال سے

مسرور و مبتہج ہوتا ہے خدا کامل مطلق ہے ۔ پس جو موجود کامل مطلق سے اول صادر ہوئے ہیں وہ بھی کامل ہیں نہ ناقص کیونکہ نقص کو کامل مطلق کبھی محبوب نہیں رکھتا اور وہ اولین وہ حجج اللہ ہیں جن کے حق میں فرماتا ہے "السابقون السابقون اولئک المقربون" خصوصاً وہ نبی جو جملہ مخلوقات سے اول خلق کیا گیا ہے اور مصنوع اول ہے سب سے کامل تر ہے اور اس کا وجود کسی دوسرے کے لیے مخلوق نہیں ہوا بلکہ وہی مقصود و مراد ہے ۔ دیگر وجودات اسکے وجود سے منتفع ہوتے ہیں اور اسکے طفیل سے مستفید و مستفیض ؛

توضیح غرض و غایت خلقت انبیار

اگر پیغمبر کا وجود دوسری مخلوق کے لیے ہو اور اصل غرض و غایت خلقت انبیار سے بنی نوع انسان ہوں ۔ تو وہ بنی سے افضل و اشرف ہوں گے کیونکہ غایت ذی الغایت سے افضل و اشرف ہے مثلاً خداوند عالم فرماتا ہے "خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" جو کچھ کہ زمین میں ہے سب تم انسانوں کے واسطے پیدا کیا گیا ہے یعنی ارض و ما فی الارض انسان کے لیے خلق کیا گیا ہے اور ان کی خلقت سے مقصود خود ان کا وجود نہیں ہے بلکہ ان کا وجود از قسم "فی نفسہ لغیرہٖ" ہو اور غرض و غایت ان کی خلقت کی انسان ہے اور وہ ذی الغایت پس انسان تمام موجودات ارضی سے افضل و اشرف ہے اور تمام چیزیں اس کے لیے پیدا کی گئی ہیں ۔ اگر اسی طرح سے غرض و غایت خلقت انبیار انسان ہو اور وہ اس کے لیے خلق کیے گئے ہوں اور ان کا وجود بھی مثل موجودات ارضی از قسم "فی نفسہ لغیرہٖ" ہو اور مطلب یہ ہو کہ "خَلَقَ اللّٰهُ الْأَنْبِيَاءَ كُلَّهُمْ لِلْإِنْسَانِ" تو یقیناً عامۃ الناس انبیار علیہم السلام سے افضل و اشرف ہوں گے اور یہ بالبداہت باطل ہے اور صحیح یہی ہے کہ ان کا وجود "فی نفسہ لنفسہٖ" ہے اور خلقت سے وہ خود مقصود بالذات ہیں تمام لوگ ان سے مستفیض ہوتے ہیں اور ان کے اقوال و افعال سے ہدایت پاتے ہیں کیونکہ وہ مظاہر صفات الٰہیہ ہیں ۔ ہمیشہ سالک

طریق الٰہی وصراط مستقیم ہیں کبھی اس سے تخلی نہیں کرتے پس جو ان نفوس قادسہ مقدسہ کے
قول وفعل میں پیروی کرے گا لابد نجات پائے گا پس ہدایت طفیلی ہے - اور جو انبیار
مبعوث برسالت وتبلیغ ہیں ان کے وجود کی غرض ثانوی - اسی واسطے خداوند عالم
حضرت موسیٰ کے حق میں فرماتا ہے "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي" اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے
واسطے بنایا ہے یعنی "خَلَقْتُكَ لِتُوَحِّدَنِي وَتَعْبُدَنِي وَتَحْمَدَنِي وَتُقَدِّسَنِي وَتُؤْمِنَ
بِي وَلَا تَكْفُرَ بِي وَلَا تُشْرِكَ بِي شَيْئاً" چنانچہ امام علیہ السلام ابتدائے خلقت حضرت
آدم کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں جب روح حضرت آدمؑ دماغ تک پہنچی تو آپ نے چھینکا
خداوند عالم نے فرمایا اے آدمؑ کہو "الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" حضرت آدمؑ نے کہا
"الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" خداوند عالم کی طرف سے آواز آئی "یرحمک اللہ لھذا
خلقتک لتوحدنی وتعبدنی وتحمدنی وتومن بی ولا تکفر بی ولا تشرک بی شیئاً"
اے آدمؑ تجھ پر خدا کی رحمت ہو میں نے تجھے اسی واسطے خلق کیا ہے تاکہ تو مجھے واحد جانے
اور میری توحید کو ظاہر کرے اور میری عبادت کرے - اور حمد وثنا بجالائے اور مجھ پر
ایمان لائے اور میری ناشکر گزاری نہ کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے
یہی غرض وغایت خلقت انبیار ہے خصوصاً وجود خاتم النبیینؐ کہ اصل ومقصود ومراد
خلقت عالم ایجاد ہے کما قال عز وجل فی القدسی "یا عبدی انت المرید وانت
المراد وانت خیرتی من خلقی وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الافلاک"
یعنی اے میرے بندے اور میرے محبوب تو ہی مرید ہے اور تو ہی مراد ہے اور تو ہی میری
برگزیدہ مخلوق اور مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے اگر تو مقصود نہ ہوتا اور تجھے خلق نہ کرتا
تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا - ایک اور حدیث میں جناب امیر المومنین سے کیفیت خلقت نور محمدی
میں مروی ہے "قَالَ اللّٰهُ لِلْقَلَمِ فَلَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ وَمَا خَلَقْتُ خَلْقِي إِلَّا
لِأَجْلِهِ فَهُوَ بَشِيْرٌ وَنَذِيْرٌ وَسِرَاجٌ مُنِيْرٌ وَحَبِيْبٌ شَفِيْعٌ" اللہ تعالیٰ نے

قلم سے کہا اگر محمدؐ نہ ہوتا تو تجھے خلق نہ کرتا اور نہیں خلق کیا ہی میں نے اپنی مخلوق کو مگر اُس کے ہی واسطے پس وہ بشیر و نذیر ہے اور سراج منیر و شفیع و حبیب ہے الخ - غرض انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام نمونہ صفات الٰہیہ اور آیت کمالات خدائی ہیں ان سے خدا ملتا ہے - خدا کا رستہ ملتا ہے انہیں سے خدا پہچانا جاتا ہے ان کو دیکھا گویا خدا کو دیکھا خلائق اُن کے وجود کے طفیل سے ہدایت پاتے ہیں نہ کہ اُن کا وجود محض ہدایت خلق کے لئے مخلوق ہوا ہے جو شخص چراغ روشن کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے - دوسرے بالتبع روشنی کا فائدہ اُٹھاتے ہیں - لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام جسقدر آئے ہیں ایک دوسرے آنے والے کی بشارت دیتے آئے ہیں پس اگر مقصود بالذات ان کا وجود ہوتا تو دوسرے کی خبر دیتے نہ آتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام بھی ایک غرض و غایت کے تحت میں یعنی وہ بھی کسی دوسرے کی خبر دینے اور معرفی کرنے کے واسطے آئے ہیں اور وہ سب ایک غایت کے تحت میں ہیں ؛

اس بیان کی مزید توضیح

حضرت ابراہیمؑ افضل انبیاء سابقین و شجرۃ الانبیاء ہیں - اُن کو خدا حکم دیتا ہے "طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ" یعنی میرے گھر کو طواف کرنے والوں - اعتکاف کرنے والوں اور راکعین و ساجدین کے واسطے پاک کرو - یہ راکعین ساجدین - طائفین اور عاکفین کون ہیں ؟ جن کے واسطے تطہیر خانہ کعبہ کا حکم ابو الانبیاء شجرۃ الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو دیا گیا ہے اور خانہ کعبہ کے حق میں فرمایا ہے "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِينَ" گویا صفت خانہ کعبہ بیان ہوتی ہے کہ وہ تمام عالم بلکہ جملہ عالمین یعنی کل ما سوا اللہ کے لئے ہدایت کرنے والا ہے "ھُدًی للناس" بھی نہیں "ھدًی للعالمین" حالانکہ یہی خانہ کعبہ مدت تک بُت خانہ بنا رہا ہے اور اہل مکہ مشرکین - پس یہ کیونکر ہادی ہوا ؟ اگر ہادی ہوتا تو اول اپنے

اندر سے بُت نکالتا اور تمام اہل مکہ کو موحد بنا لیتا۔ ظاہر و بدیہی ہے کہ کوئی مکان کسی کو ہدایت نہیں کر سکتا۔ پس یہ کونسا بیت ہے جو تمام عالمین جملہ مخلوقات کی ہدایت کرنے والا ہے۔ لفظ وضع دال ہے کہ یہ گھر نہیں ہے جو اینٹ پتھر سے بنایا جاتا ہے کیونکہ وضع کے معنی گذاشتہ شدہ کے ہیں یعنی ایک چیز پہلے سے موجود تھی جسکو اُٹھا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پس اگر مراد اس مکان سے یہ مکان ظاہری ہوتا تو بُنِیَ آتا یعنی یہ پہلا گھر ہے جو بنایا گیا ہے۔ یا بنا کیا گیا ہے۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے۔ اور روایات سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ جب طاق تک پہنچ گیا تو اس وقت حضرت جبرئیلؑ ایک سفید پارچہ لائے اور بطور قبہ رکھا گیا۔ پس اگر یہ صحیح ہو۔ تو وہ سقف کہلائیگی نہ مکان۔ پس یہ آیت اگرچہ بظاہر آسان ہے۔ لیکن مشکل ترین آیات سے ہے۔ راکعین وساجدین وغیرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اُن سے مراد مصلین یعنی عام نماز گذار نہیں۔ کیونکہ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ (جب کافرین و مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے) ہرگز رکوع سے مراد نماز نہیں کیونکہ کافرین و مشرکین سے نماز کی توقع قبل ایمان بے معنی ہے اسی طرح آیہ مجیدہ یَا مَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرَّاکِعِیْنَ اے مریم اپنے پروردگار سے دعا کر اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ دال ہے۔ کہ اس رکوع سے مراد رکوع نماز نہیں۔ کیونکہ یہاں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں اور پھر وہ بھی راکعین کے ساتھ اگر یہ کہا جائے کہ نصاریٰ کی نماز میں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں تو غلط ہے۔ کیونکہ ان کی نماز میں رکوع ہی نہیں ہے اور سجدہ کے قبل رکوع ہونا خلاف فطرت و خلاف عادت ہے لہذا یہ رکوع اور ہی ہے اور یہ راکعین ایک جماعت خاص ہے اور اس کے معنی کچھ اور ہی ہیں یہ راکعین وہ راکعین

ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اسکا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں در آنحالیکہ وہ راکعین ہیں پس یہ راکعین آئمہ طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام ہیں جن کا فرد اول علیؑ ابن ابی طالبؑ سر اللہ فی العالمین امیر المومنین ہیں جنھوں نے حالت رکوع میں انگشتری سائل کو دی اور باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور یہ راکعین بایں معنی ہیں کہ رکوع حالت وسطی کا نام ہے۔ درمیان قیام و سجود۔ گویا یہ راکعین واسطہ ہیں درمیان خالق و مخلوق۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یعنی اسی واسطے ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید حاضر و ناظر رہو اور رسول تم پر شہید ہو اور اس صورت میں وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کے یہ معنی ہوں گے کہ اُن کی پیروی کرو اور اُن کے ساتھ ساتھ رہو جو خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ اور شہید علی الناس ہیں۔ عین اللہ الباصرہ ہیں لہذا تطہیر خانہ کعبہ انہیں راکعین اور ساجدین کے واسطے ہے اور اصل غرض و غایت عالم و مقصود خلائق یہی ہیں۔ علیہم الصلواۃ والسلام اور بعثت انبیاء سابقین مقصود بالذات نہیں بلکہ سب پیغمبر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفی کرنے اور ان کی بشارت دینے آئے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اصل سنگ و خشت و گل کو کوئی شرافت اور فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت مکان مکین سے اور شرافت خانہ اہل خانہ سے ہے اور عظمت محل بوجود حال۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ یعنی ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتے ہو میں قسم کھاتا

ہوں اُس شہر (مکہ) کی درانحالیکہ اے پیغمبر تو اس میں مقیم ہے۔ یعنی یہ شرافت وعظمت وکرامت کعبہ ومکہ معظمہ تیری وجہ اور تیرے وجود سے ہے۔ پس اصل خانہ کعبہ وبیت باطنی یہی ہے اور اول بیت جو تمام عوالم کے لئے ہادی ہے۔ بیت نبوت مطلقہ ہے جس کی صفت تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ہے۔ تمام عالمین کے لئے ہادی وہی ہے۔ جو تمام عالمین کے لئے نذیر قرار دیا گیا ہے اور وہی اول بیت ہے کہ مخلوق ومصنوع اول خالقِ عالم ورب العالمین ہے اور شرافت خانۂ کعبہ اسی صاحب خانہ کی وجہ سے ہے اور وہ اسکے اہل بیت کہ جو وارثان بیت نبوت ورسالت ہیں مقصودِ کائنات وغایتِ مخلوقات ہیں لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ!

نکتہ۔ تطہیر تمام خانۂ کعبہ حاصل نہیں ہوئی مگر اسی نفس رسولؐ ویداللہ کے ہاتھوں سے جو عام طور پر بت شکن مشہور ومعروف ہے اور جس نے مہر نبوت پر قدم رکھ کر خانہ کعبہ کو نجاستِ اصنام سے پاک کیا اور کمالات حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سے اور اس کی زبان سے ظاہر ہوئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو یہ دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ امت آخرین میں میرے لئے (میری ذریت سے) ایک زبان صدق وصداقت نشان قرار دے۔ خدا نے اس کو قبول فرمایا فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا یعنی امت آخرین میں ہم نے لسان صدق وصداقت نشان علیؑ کو قرار دیا یہاں علیؑ اسم صفت نہیں ہے اگر اسم صفت لیا جائے تو معنی مقصود مہمل ہو جائیں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اُن کے لئے ایک لمبی اور دراز زبان قرار دی اور یہ صفت قبیح ہے نہ حسن۔ پس علی اسم ذات اور علم ہے اور وہ علی نہیں ہے۔ مگر علی ابن ابیطالب اور مطلب یہ ہے کہ اے ابراہیم امتِ آخرین میں ہم نے علیؑ کو لسان صدق قرار دیا ہے اور وہی صدیق اکبر ہے پس کمالات ابراہیمی اس سے ظاہر ہوئے

اور اسی نے خانہ کعبہ کو نجاستِ شرک و اصنام سے پاک کیا۔

پس جملہ مخلوقات ایک غایت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ مقصود بالخلق نہیں ہیں بلکہ مقصود بالذات خلقت سے محمد و آل محمد ہیں اور وہی مقصود کائنات وغایت مخلوقات ہیں اور غایت الغایات حضرت حق عزوجل وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّهٗ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اَلَا اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ وَاِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی

فرقِ دین و شریعت وبیانِ نسخِ شرائع

تعلیم حضرت آدم علیہ السلام محض اسماء تک محدود تھی حضرت نوحؑ کے زمانے سے تدوین شرائع شروع ہوئی ہے قَالَ عَزَّوَجَلَّ۔ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَاوَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا شریعت دین قرار دیا ہم نے تمہارے لیے وہ جو وصیت کی تھی نوحؑ کو اور جو اے پیغمبر تجھ کو وحی کیا اور جو کچھ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو وصیت کیا تھا حضرت آدمؑ سے کر حضرت نوحؑ تک چالیس نبی گذرے ہیں اور اُن میں سے ایک بھی صاحب شریعت نہ تھا۔ یہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ دین نہ رکھتے تھے؟ اور لوگ کافر تھے؟ مگر وجود پیغمبران خود اسکی نفی کرتا ہے کیونکہ جب پیغمبر تھے تو دین نہ ہونا کیا معنی۔ علاوہ ازیں دین فطرت میں داخل ہے اور انبیاء تو اصل دین ہی پر مخلوق و مفطور ہوئے ہیں اور دین خدا ایک ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ پس معلوم ہوا کہ شریعت و دین دو چیزیں ہیں دین ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہے گا۔ مگر تدوینِ قانونِ شریعت حضرت نوحؑ سے شروع ہوئی نہ یہ کہ دین حضرت نوحؑ سے شروع ہوا بلکہ الفاظ آیہ خود دال ہیں کہ شریعت و دین دو چیزیں ہیں کیونکہ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ سے شریعت قرار دی دین سے

وہ جو وصیت کی تھی نوح کو الخ - پس شریعت عین دین نہیں ہے بلکہ جزو دین ہے ہاں اگر شرع لکم الدین ہوتا تو یہ اعتراض و شبہہ درست ہوسکتا - ہذا اس وقت دین تھا - مگر قانونِ شریعت مرتب نہیں تھا - شرع بمعنی راہ ہے پس شریعت دین پر چلنے کا راستہ ہے اور دین قابل تغیر و تبدل و نسخ نہیں ہے - بلکہ نسخ شریعت سے متعلق ہوتا ہے اور اسی واسطے شریعت ہر صاحب شریعت کی علیحدہ ہوتی ہے اور لاحقہ سابقہ کی ناسخ - وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا شریعت راہ و محل عبور بطرف دین ہے جس کو پیغمبر ظاہر فرماتا ہے اور یہ ایک مجموعہ قوانین و اصول ہے اور یہ حضرتِ نوح سے شروع ہوا اور دین ماہیت کلیہ باطنیہ ہے اور وہ قابل تقلید نہیں ہے اور نسخ شریعت میں واقع ہوتا ہے اور اسکی تفصیل یہ ہے کہ حسب اختلاف مادہ و زمان و مکان لوگونکی صورتیں اور حالتیں مختلف ہوتی ہیں - ہر ایک ایک صورت اور ایک حالت رکھتا ہے اور ہر ایک صورت و حالت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے مثلاً ایک شخص ہاتھ رکھتا ہے اور ایک شخص نہیں رکھتا - تو وضو میں ہاتھ دھونے کا حکم اُس کو دیا جائے گا جس کے ہاتھ ہیں نہ اُس کو جو ہاتھ نہیں رکھتا - پیر پر مسح کرنے کا حکم انہیں کو دیا جائے گا جو پاؤں رکھتے ہیں - اسی طرح حسب اختلاف مکان و زمان و فصل و موسم و سفر و حضر و صحت و علالت حکم بدلتا اور منسوخ ہوتا رہتا ہے - مثلاً سخت شدت سردی ہو اور پانی سے وضو کرنے میں خوف ہو تو اس سے وضو ساقط ہے اور سفر میں چار رکعتی نماز دو رکعتی رہجاتی ہے - حالانکہ اس کے اعضا و جوارح میں سے بھی کچھ کم نہیں ہوا ہے وقس علی ذالک بلحاظ اختلاف حالتِ انسان و مکان و زمان و فصل و موسم حکم بدلتا رہتا ہے اور پہلا حکم منسوخ ہو جاتا ہے - اسی طرح بموجب اختلاف حالت نوع انسان و اختلاف اوضاع خارجیہ و اطوار و ادوار و حالاتِ فطریہ انسانیہ تکالیف شرعیہ بدلتی رہتی ہیں اور اسی کو نسخ کہتے ہیں اور یہ نسخ بھی احکام میں واقع ہوتا ہے

اصل موضوعات ہیں بالغرض قانون شریعتی تکلیفی حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم پر پہنچا تو ختم ہو گیا۔ لہذا اُن کے واسطے حکم ہوا ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا اس لئے یہ شریعت تامہ کاملہ بلاواسطہ غیر عالم امری سے ہے۔ اور مقام ختم۔ لہذا حکم دینا صحیح ہوا کہ اسی کی پیروی کرو اب اس میں تغیر و تبدل نہ ہو گا اور انبیاء سابقین رفتہ رفتہ لوگوں کو اس شریعت کاملہ تامہ کے لئے عادی کرنے آئے تھے تاکہ ترقی کرتے کرتے تعلیم اعلےٰ کے لئے تیار ہو جائیں پس حضرت آدمؑ سے تعلیم اسماء شروع ہوئی اور حضرت ادریسؑ نے درس علوم شروع کی تاکہ لوگ قابل تکمیل معارف دین و شرائع ہو جائیں۔ اور اسی تعلیم علوم کی وجہ سے حضرت ادریسؑ کو یہ درجہ عالیہ ملا کہ خداوند عالم فرماتا ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ہم نے اسکو مکان عالی میں اُٹھالیا اور درجہ رفیعہ عالیہ عطا کیا کہ زندہ آسمان پر چلے گئے اور حضرت آدمؑ تا حضرت نوحؑ دین میں مستقلات عقلیہ فطریہ پر عمل تھا۔ علامہ طبرسی روایت کرتے ہیں کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام آیہ مجیدہ کَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کَانَ النَّاسُ قَبْلَ نُوحٍ أُمَّةً وَاحِدَةً عَلٰى فِطْرَةِ اللّٰهِ (الخ) یعنی حضرت نوحؑ سے پہلے تمام لوگ ایک امت تھے اور سب کے سب فطرت الٰہی پر جس سے صاف ظاہر ہے کہ قبل حضرت نوحؑ قانون تشریعی دشریعت نہ تھا۔ محض فطریات اولیہ و مستقلات عقلیہ تھے وغیر ذالک من الاحادیث والاخبار فارجع الیہما کہ خیرات تمام لوگوں کے نزدیک خیر ہیں اور شرورات سب کے نزدیک بد۔ خواہ وہ کوئی مذہب رکھتے ہوں چنانچہ ہر ایک کے نزدیک سچ اچھا ہے۔ جھوٹ بُرا ہے۔ ظلم قبیح ہے عدل احسن ہے رحم اچھا ہے بیرحمی بُری ہے وغیر ذالک۔ لہذا اس وقت دار و مدار معاشرت الٰہی مستقلات عقلیہ پر تھا۔ عہد حضرت نوحؑ میں حسب اختلاف اوضاع زمان بنی نوع انسان احکام شریعت مدوّن ہوئے۔ غرض مقام ختم نبوت مقام منتہائے تعلیم ہے

اسی واسطے فرمایا ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا۔

نکات وفرق درمیانِ دین وشریعت وملت

شرع لکم من الدین الخ۔ اس آیہ مبارکہ میں قابل غور یہ امر ہے کہ مخاطب لکم کون ہے؟ (شریعت قرار دی تمہارے لیے) جن کے لیے شرع دین مقرر کی گئی ہے۔ خود حضرت پیغمبر بظاہر ان میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن سے خود علیحدہ خطاب ہے یعنی وما اوحینا الیک اگر یہ کہا جائے کہ مخاطب ہم مومنین ہیں تو غلط ہے کیونکہ ہم پیرو دین وتبیع شریعت ہیں نہ صاحب شریعت۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی ذریت واولاد سے فرماتے ہیں یا بنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ اے بیٹو اللہ نے تمہارے واسطے دین کو برگزیدہ کیا اور چنا ہے پس تم نہ مرنا مگر مسلمان۔ پس یہاں سے معلوم ہوا کہ دین ذریت ابراہیمؑ کے واسطے ہے اور صاحبانِ دین وہ ہیں۔ لہذا صاحبان دین انبیاء ہوئے نہ عوام۔ اسلئے صاحبان شرع دین اور وہ لوگ جن کے لیے شریعت دین قرار دیگئی ہے انبیاء ہوتے ہیں اسواسطے اس آیہ مبارکہ میں مخاطب لکم کے عوام نہیں ہوسکتے۔ بلکہ وہ لوگ جن کے واسطے تمام شرائع سابقہ ولاحقہ جمع کی گئی ہیں جس میں شریعت خاتم النبیین بھی داخل ہے۔ خداوند عالم جواب دعائے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں فرماتا ہے "وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب" ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت وکتاب قرار دی ہے۔ اور یہ دعائے حضرت ابراہیمؑ مخصوص تھی حضرت اسمٰعیلؑ وذریت اسمٰعیلؑ کے لیے "اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل" (کما بیناہ سابقا) پس یہ ملت وکیش، حضرت ابراہیمؑ ہے کہ اُنھوں نے اس سلسلہ دین کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔ اسیواسطے بعد آیہ "وجعلنا مسلمین لک" فرمایا ہے "ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ" سوائے سفیہ کے کوئی شخص ملتِ ابراہیمی سے اعراض نہیں کرسکتا اور ہمارے پیغمبرؐ کو حکم ہوا ہے کہ "اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا" ملت ابراہیمی کا تم بھی اتباع کرو اور اس سلسلہ کو

اپنی اولاد اور ذریت میں قرار دو جو ذریت ابراہیمؑ واولاد اسمٰعیلؑ سے ہیں اور پیغمبرؐ نے حسب حکم خداوند عالم کتاب کو اپنی ذریت میں قرار دیا اور اُن کو تالی کتاب وثانی ثقلین فرمایا ملاحظہ ہو انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض پس کتاب ونبوت بعد نبی آخر الزمان ذریت ہی میں آئی - مگر بنص آیہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہو چکی - لہذا کتاب بحمل الٰہی بحال خود باقی رہی - بنا بریں بعد پیغمبرؐ صاحبان شریعت کلیہ مطلقہ تامہ اہل بیتؑ نبوت ورسالت ووارثان کتاب الٰہی ہیں - اور یہی مخاطب ہیں اس آیہ مجیدہ کے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا لفظ رَضِیْتُ ناظرین کو ملحوظ رہے اور پھر خدا ہم کو فرماتا ہے فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا تم بھی ملت ابراہیمی کا اتباع کرو اور بطور تہدید فرماتا ہے "وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ" کون ہے جو ملت ابراہیمی سے اعراض کرے سوائے اسکے جو اپنے نفس کو سفیہ واحمق بنائے - پس چاہیے کہ ہم بھی اسی ملت ابراہیمی کا اتباع کریں اور بعد پیغمبرؐ صاحبانِ شریعت عترت رسول وذریت ابراہیمی کو قرار دیں اور ان کو جدا نہ کریں اور سفیہ واحمق نہ بنیں -

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ملت اور چیز ہے اور شریعت اور اور دین اور - دین ماہیت کلیہ ہے اور شریعت راہ عبور اور ملت کیش کو کہتے ہیں اور اسی سے یہ شبہہ رفع ہو گیا کہ پیغمبر خاتم النبیینؐ کو کیوں اتباع ملت ابراہیمی کا حکم دیا گیا اسلیے کہ اتباع ملت کا حکم دیا گیا ہے نہ اتباع دین وشریعت کا - دین دینِ محمدی ہی اور ملت ملتِ ابراہیمی اور جب ملت واتباع ملت کے معنی معلوم ہو چکے تو اب کوئی محل شبہہ نہیں فافہم -

توضیح اس امر کی توضیح کہ شریعت وذریت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہی اور وہی بعد پیغمبرؐ وارث نبوت وصاحب شریعت ہیں - آیہ استخلاف بھی ہے -

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمْ دِیْنَہُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَہُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِہِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا" اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جملہ اعمال صالحہ بجالائے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا اور ان کو اُن کے اس دین پر قدرت وتمکن واقتدار عطا کرے گا۔ جو اُن کے لیے پسند فرمایا ہے اور خوشنودی ظاہر فرمادی ہے اور بعد خوف اُن کے لیے امن عطا کرے گا کہ وہ بلا خوف وخطر خالصًا لوجہ اللہ بکمال اطمینان اس کی عبادت کریں گے اور کسی شے کو اسکا شریک نہ گردانینگے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں نہ عبادت میں نہ ظاہرًا نہ باطنًا اور نہ خوف وتقیہ سے۔ کیونکہ یہ وعدہ مومن وصالح کے لیے فرمایا ہے پس دو حال سے خالی نہیں ہے کہ یا تو بالاستحقاق یا بلا استحقاق محض تفضلاً۔ اگر یہ وعدہ بالاستحقاق ہے تو مستحق اس کا فرد کامل مومن صلح ہے اور بالاتفاق بلحاظ ایمان وعمل صالح اول فرد کامل واکمل ذات حضرت خاتم النبیین واول المسلمین ہے اور وہ ہی اول خلیفہ مطلق خدا ہے اور یہ وعدہ اسکی امت میں سے ان افراد کے لیے ہے جو کامل مومنین وصالحین ہوں اور نفس قدسی باب شہر علوم نفس نبی وسابق الاسلام ہے بلکہ خود امت مسلمہ ہے پس بعد پیغمبر مستحق خلافت الٰہیہ وخلیفۃ اللہ وہی نفس نبیؐ ہے اور اگر یہ وعدہ بطور تفضل ہے تو بھی بحکم آیہ شریفہ "وَیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ" ہر صاحب فضیلت کو اسکی فضیلت عطا کرتا ہے مستحق خلافت الٰہی وہی افضل الناس وخیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے اور بعد از اُن جو نفس رسولؐ ہے اور بعد رسولؐ افضل الناس۔ اور یہ ہی خلفاء اللہ ہیں جن کے لیے خدا نے دین کو پسند فرمایا ہے "وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" اور ایک روز اسکی اشاعت کلیہ پر قدرت تامہ عطا کی جائے گی "وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمْ دِیْنَہُمْ"

الذی ارتضی لہم لفظ ارتضیٰ قابل غور ہے تین لفظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔
اصطفا۔ اجتبا۔ ارتضا جن کی تحقیق سے ایک بڑا باب علوم کا کھلتا ہے۔ اصطفا صفا
سے ہے جس کے معنی پاکیزگی اور صفائی ہیں۔ اور اجتبا جبا سے ہے جس کے معنی جمع
کرنا اور چن لینا ہیں۔ ارتضا رضا سے ہے جس کے معنی خوشنودی اور پسندیدگی ہیں اور ہر ایک
علیحدہ معنی رکھتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کسی مجرد کو مزید فیہ میں لیجاتے ہیں تو علاوہ
زیادتی خاصیت باب جس میں وہ منتقل ہوا ہے معنی مصدر ثلاثی باقی رہتے ہیں یعنی جب
صفا کو باب افتعال میں لے جاکر اصطفا کیا ہے تو اصطفا میں معنی صفا کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے
مگر اہل لغت نے ان لفظوں کو باب افتعال میں لیجاکر خلاف قاعدہ سبکو ایک کردیا اور
سب کے معنی (برگزیدہ) کردیے ہیں اور ایسا کرنے سے انھوں نے ایک باب علوم مسدود کردیا
ہے۔ کلام حمید مجید میں تینوں لفظ علیحدہ معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً لفظ
اصطفا بنی وغیر بنی دونوں کے واسطے استعمال ہوا ہے "یصطفی من الملٰئکۃ رسلا و من
الناس" آدمیوں اور ملائکہ میں سے اپنے لیے رسل مصطفے قرار دیتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اَصْطَفٰی
اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" اور حضرت طالوت جو بادشاہ
تھے اُن کے حق میں فرماتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْکُمْ الطَّالُوْتَ مَلِکًا" اور لفظ اجتبا
تمام رسولوں کے واسطے بھی نہیں ہے بلکہ خواص کے واسطے ہے "وَمَا کَانَ اللّٰہُ
لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ" اللہ ایسا نہیں ہے
کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے لیکن وہ رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے
پس اجتبار میں تمام رسول بھی داخل نہیں ہیں۔ لہذا یہاں سے فرق اصطفا اور
اجتبا و مصطفی و مجتبیٰ معلوم ہوگیا اور لفظ ارتضا ان دونوں سے فوقیت رکھتا ہے
اور خاص سلسلہ نبویہ خاتم النبیین سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ خداوند عزوجل فرماتا ہے
"عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"

خدا عالم غیب اور عالم شہود سب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب خاص و غیب ہویتی پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اسکو جو مرتضیٰ من الرسول ہو اور اس مقام پر من بیانیہ نہیں ہے جس کے معنی یہ ہوں کہ اپنے رسول مرتضیٰ کو غیب پر مطلع کرتا ہے کیونکہ اسکے بعد ہی فرمایا ہے "فَانَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا" کیونکہ اللہ نے اُسکے آگے اور پیچھے دونوں طرف رصد قرار دیدی ہے اور دونوں طرف نگھبان ہیں پس اگر اس سے رسول مراد لیا جاوے تو معنی آیت کے درست نہیں ہوتے کیونکہ پیغمبر رصد و شاہد اپنے اوپر نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ شہید ہے لِتَکُوْنُوْا شُہَدَاءَ عَلَی النَّاسِ ویکون الرسول علیکم شہیداً بلکہ مراد اس مرتضیٰ من الرسول سے علی مرتضیٰ ہیں کیونکہ نہیں ہیں مرتضیٰ از جانب رسول مگر مرتضیٰ اور وہی دونوں طرف رصد کہتے ہیں ایک طرف رسول اللہ ہیں جو کہ شہید ہیں۔ یہ ان سے لیتے ہیں اور اپنے مابعد کو دیتے ہیں اور اس پر خود شہید ہوتے ہیں۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ، آخر اوصیا عجل اللہ ظہورہٗ اور لفظ "یسلک" خود اسپر دلالت کرتا ہی کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل وابستہ اور ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ کیونکہ سلک بخیر کی کڑیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے کو کہتے ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے "خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُہَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ" پس نبوت یہاں سے جدا ہے کہ مقام نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ مقام امامت ہی اور دوازدہ امام ایک سلسلہ میں منسلک ہیں۔ اسی بیان سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بارہواں امام اس وقت موجود ہے کیونکہ اگر یہ کہا جاوے کہ اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ ایک مدت بعد پیدا ہوگا تو سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور آیت غلط۔ پس ضرور موجود ہے اور اس میں متصل و منسلک۔ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں اس لئے کہ بحکم آیہ اُن کا سلسلہ دار ہونا ضروری ہے۔ لہذا واجب ہوا۔ کہ گیارہویں کے بعد بارہواں موجود ہو۔ پس وجود مہدی آخر الزمان ثابت ہے عجل اللہ ظہورہٗ۔

(آمدم برسر مطلب) چاہیے کہ امام ہر زمانہ میں موجود ہو اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہو۔ لیکن ممکنات عالم سے اس حجت اللہ کا تعلق کیا اور کونسا ہے؟ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حرکت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حرکت طبعی ذاتی۔ دوسری حرکت غیر ذاتی خارجی وقسری۔ مثلاً انجن کو جو چیز حرکت دیتی ہے وہ اسکی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ خارج از ذات ہے اور وہ اسکی محرک ہے اور انجن محرکِ ریل ہے اور جس قدر اس محرک میں قوت ہوگی اتنا ہی ریل یا جہاز کام کریں گے اور حرکت کریں گے۔

اس بدن انسانی کو دیکھئے کہ یہ ایک مدبر خارجی رکھتا ہے جو روح انسانی ہے وہ اسپر تصرف رکھتی ہے اور اسکو حرکت دیتی ہے چلاتی پھراتی ہے۔ اور اسکے واسطے سے وہ جسم انسانی موجود و باقی ہے۔ جہاں اس کا تعلق بدن سے منقطع ہوا وہ خراب ہوجاتا ہے اور سڑ جاتا ہے۔ اور انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے مرنے پر بدن مع تمام اعضا و جوارح موجود ہوتا ہے۔ مگر انسان نہیں ایک جسم جمادی ہے اور بدیہی وضروری ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کردے اور پھر خود مرجائے یا مارا جائے۔ تو اس مقتول کے قصاص میں اس مردہ قاتل کا سر جدا نہ کیا جائے گا کیونکہ اس وقت وہ انسان نہیں ہے پس انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے اور یہ اپنے بدن اور تمام اعضاء و جوارح پر ایسا تصرف اور اس سے ایسا تعلق رکھتی ہے کہ کہیں ہو اور کسی حال میں اس کو اپنی تمام مملکت بدن کے ذرہ ذرہ کی خبر رہتی ہے۔ اور اسپر تصرف حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں میل پر ہوتی ہے اور یہاں بدن کے کسی حصہ میں ایک مچھر کھٹمل کاٹتا ہے تو اسکو فوراً اطلاع ہوجاتی ہے اور فوراً ہی اسکا دفعیہ کرتی ہے کیونکہ اسپر حکومت رکھتی ہے اور اس کے تصرف کے لئے اسکا قرب و بُعد مساوی ہے۔

اسی طرح یہ تمام عالم امکان بمنزلہ ایک جسم اور ایک بدن کے ہے قال عزّ وجلّ وما کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبداً اس آیت میں خدا جملہ موجودات ارضی

وسمادی کو ایک عہد کہتا ہے اور اسی طرح سے تمام عالم امکان ایک کتاب وجودی ہے قال الذین
اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث کہا اہل علم و ایمان نے تم
روز حشر ونشر و بعث تک کتاب خدا میں رہے ہو۔ پس اس جسم عالم امکان میں حجت اللہ روح
اور قلب عالم امکان ہے اور وہ موجود ہے اور متصرف۔ اور اس کے ظاہر ہونے اور سامنے
حکم کرنے کی ضرورت نہیں وہ جہاں کہیں بھی ہے اور جس حال میں بھی ہے اس عالم کی خبر اور
اس سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر متصرف ہے اور اس کے لئے حضور و غیاب مساوی لہذا
غیبت امام قابل اعتراض نہیں۔ وہ روح عالم و قلب عالم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب قلب
پر صدمہ ہو۔ تو اور اعضا اپنی تکالیف محسوس نہیں کرتے اور اگر انسان کے عضو عضو
جدا کر دئے جائیں انہیں خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تمام قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں
اسی طرح پر جب قلب عالم امکان مضطرب و متزلزل ہوتا ہے۔ تمام اعضا و جوارح
متزلزل ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں اپنی خبر نہیں رہتی اور جو عضو قلب سے جسقدر
قریب رکھتا ہے۔ اسی قدر اسکو صدمہ زیادہ محسوس ہوتا ہے اور اسکے صدمے سے اس
کو اپنی خبر نہیں رہتی اگر اُسے پارہ پارہ کر ڈالو تو محسوس نہیں کرتا ایک حدیث میں آنحضرتؐ
سے مروی ہے کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا یَا بُنَیَّ اِنَّکَ سَتُسَاقُ اِلَی الْعِرَاقِ وَمَعَکَ
جَمَاعَةٌ لَا یَجِدُوْنَ اَلَمَ مَسِّ الْحَدِیْدِ اے فرزند تجھ کو دشمن زبردستی عراق کی
طرف کھینچ لے جائینگے۔ اور تیرے ساتھ کچھ لوگ ہونگے جو زخم آہن کو محسوس تک نہ کریں گے
وہ تیرے صدمے میں ایسے مصروف ہوں گے کہ ان کے تلواریں لگتی ہونگی۔ تیر آتے
ہونگے۔ نیزے چبھتے ہونگے مگر وہ متاثر نہ ہونگے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب
حسین علیہ السلام کا یہی حال تھا کہ جب وہ حضرت امام مظلومؑ کو متاذی دیکھتے تھے۔ اپنے
وجود سے غافل ہو جاتے تھے کیونکہ وہ قلب عالم امکان ہیں جب قلب مضطرب ہو تو
دوسرے اعضا کو اپنی کیا خبر رہے بعد ازاں حضرتؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

یا نار کونی برداً وسلاماً اے آتش اپنر سرد و سلامتی بنجا۔ گویا حضرتؑ نے تمام اصحاب امام مظلوم کو درجہ حضرت ابراہیم میں داخل فرمایا ہے۔ دیکھیے کہ چھوٹے بڑے مرد و زن نے روز عاشورا کیا کیا کارنمایاں کیئے اور ان اصحاب نے کیا کیا اپنے جوہر ذاتی دکھلائے۔ مورخین لکھتے ہیں۔ عابس ابن ابی شبیب شاکری جس وقت میدان میں گئے تو لشکر میں تہلکہ پڑ گیا۔ آپ بار بار الا رجل الا رجل پکارتے تھے۔ مگر کوئی لشکر سے مقابلہ کے لیے باہر نہ نکلتا تھا کیونکہ عابس کی شجاعت اور بہادری سے لوگ واقف تھے۔ ربیع ابن تمیم نے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا اسکو جانتے ہو یہ کون ہے۔ میں نے اسکو جنگ آذربایجان میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے تنہا حملہ کرکے ساٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ سنکر تمام لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے۔ عمر سعد نے جب یہ حال دیکھا تو سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ سنگ باری شروع کردیں۔ یہ سنکر عابس نے خود سر سے اتار پھینکا اور کمر تک بدن کو برہنہ کر لیا اور فرمانے لگے کہ مجھکو پتھروں کی دھمکی دیتے ہو اور حملہ شروع کیا ادھر چار ہزار سنگ اندازوں نے سنگباری شروع کی نہ معلوم ان چار ہزار سنگ اندازوں کے پتھروں سے ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر وہ بکمال قوت قلب لڑتے رہے اور آخر کار شہید ہو گئے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

موعظہ چہارم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْ کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ

ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّہِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَہُمْ

ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الْحَمِیْمُ۔

علوم نبوت جزئیہ وکلیہ

پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ طریق سعادت پر یا عالم ہے یا متعلم۔ اور ان دونو کے سوا جو کوئی بھی ہو اہل شقاوت وضلالت سے ہے اور علم عام نوع بشر "وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" ہے اور علم خواص اُوتو العلم پس اہل علم گویا دو جماعتیں ہیں پھر صاحبان اوتو العلم بھی دو قسم کے ہیں ایک صاحبان علم جزئی دوم دارائے علم کلی۔ چنانچہ حضرت آدم سے لیکر تا حضرت خاتم جسقدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں سب کا علم بہ نسبت آنحضرت جزئی تھا اور وہ بطور مقدمہ آئے تھے حتے کہ حضرت ابراہیم میں بھی جو شجرۃ الانبیاء ہیں اور افضل انبیاء سابقین ہیں۔ علم بطور کلیت واطلاق نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام باواز بلند فرماتے ہیں "یَا اَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَھْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا" اے میرے باپ مجھے علم میں سے وہ حصہ ملا ہے۔ جو تجھے نہیں ملا ہے پس میرا اتباع کر میں تجھے ٹھیک راستہ دکھلاؤں گا یعنی حضرت نے مِنَ العلم فرمایا جو جزئیت کی دلیل ہے "جاء نی العلم" نہیں فرمایا۔ جو کلیت اور اطلاق پر دال ہو جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کا علم بھی بطور کلیت واطلاق نہ تھا۔ اور خداوند عالم جملہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتا ہے "وَلَقَدِ اخْتَرْنٰھُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" یعنی ہم نے اُن کو ایک علم میں تمام عالمین سے برگزیدہ بنایا ہے اور اس علم کے لئے اُنہیں پسند کیا ہے۔ نہایت درجہ اُن کے علم کا یہ ہے کہ بعضے علم حقائق میں بطور جزئیت شریک ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم کو خدا خود فرماتا ہے "وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اسی طرح سے ہم ابراہیم کو بواطن زمین وآسمان دکھلاتے ہیں کیونکہ

نبوت جملہ انبیار سابقین کی محدود و جزئی تھی۔ ایک قوم خاص و ایک ملک مخصوص پر مبعوث ہوئے تھے نہ تمام عالمین پر مثلاً جناب آدم کی شان میں آیا ہے "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" بتحقیق کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں لہذا خلافت آدم زمین ہی سے مخصوص تھی۔ اس طرح دیگر انبیار "یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض" اسی وجہ سے ایک وقت میں چند نبی بھی ہوتے ہیں بعض ایک قریہ میں اور بعض دوسرے قریہ میں چنانچہ حضرت لوطؑ زمانہ حضرت ابراہیم میں ایک قریہ میں اپنی قوم پر مبعوث تھے۔ لیکن جب سلسلۂ نبوات بمقام ختم پہنچا اور حضرت خاتم النبیین مبعوث برسالت ہوئے تو اُن کے لئے خصوصیت کسی قوم یا کسی ملک کی نہ رہی۔ بلکہ اختصاص ارضی بھی مرتفع ہوگیا۔ اور تمام عوالم یعنی جملہ ماسوائے اللہ۔ عالم مواد۔ عالم ارواح۔ عالم نفوس۔ عالم عقول۔ عالم ملکوت۔ عوالم ارضی و عوالم سماوی۔ جن و انس۔ چرند و پرند۔ قریب و بعید۔ مرئی و غیر مرئی سب پر مبعوث ہوئے کما قال عزوجل "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا" بزرگ اور برتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے۔ تاکہ اسکے ذریعہ سے تمام عوالم پر رسول نذیر و بشیر ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس وقت سے تمام عوالم کے نذیر قرار پائے بلکہ خود لفظ عالمین دال ہے۔ کہ آپ ہمیشہ سے اس صفت سے متصف ہیں ورنہ تو بہت سے عوالم نذارت سے خارج ہو جائیں گے۔ پس جس طرح آپ کی رسالت باعتبار مکان غیر محدود و کلی ہے۔ اسی طرح بلحاظ زمان بھی غیر محدود و کلی ہے۔ کسی ایک زمانہ سے مخصوص نہیں ولذا قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کُنتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ اَوْ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ حتی کہ تمام انبیار بھی آپ کی نبوت مطلقہ کلیہ کے تحت میں داخل ہیں اور امت مرحومہ محمدی میں شامل۔ پس علم آپ کا بہ نسبت جمیع مخلوقات جن و انس ملائکہ و عقول قادسہ و انبیاء و رسل

کے کلی ہوگا:

نکتہ | قرآن شریف میں بعض الفاظ و بعض محاورات ایسے ہیں کہ اگر انسان اُن میں غور کرے اور اُن کے سر سے آگاہ ہو تو ابواب علوم منکشف ہوتے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک لفظ (اتی) ہے کہ علم اور کتاب دو چیزوں کی طرف علی العکس منسوب ہوا ہے یعنی جب لفظ (اتی) بصیغہ ماضی معروف علم کی طرف منسوب ہوتا ہے تو وہاں علم سے مراد علم جزئی ہوتا ہے مثلاً وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (نمل) البتہ ہم نے داود و سلیمان کو ایک علم عطا کیا وَ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (سورہ یوسف) اور ہم نے اسکو حکم اور کچھ علم عطا کیا وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (سورہ انبیاء) پھر جملہ انبیاء کے حق میں فرماتا ہے وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیا) اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور کچھ علم عطا کیا اور جہاں کتاب کی طرف منسوب ہے وہاں کتاب سے حقیقت کتاب مراد ہے اور اسی واسطے انبیاء کی طرف منسوب ہوتا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کے باب میں آیا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (بقر) اور دیگر انبیاء کی شان میں فرمایا ہے وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ (والصافات) اور ہم نے اُن کو کتاب روشن عطا کی اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا مجھے اللہ نے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے ظاہر ہے کہ یہاں کتاب سے مراد علم کتاب حقیقت کتاب ہی ہے جو صفت انبیاء ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ۔ البتہ ہم نے اپنے رسول کو بھیجا اور اُنکے ساتھ کتاب و میزان نازل کی۔ پس اس کتاب سے مراد علم کتاب ہی ہے۔ جو ہر نبی کے وجود کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک اور جماعت کی صفت میں آیا ہے كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ (عنکبوت) اسی طرح ہمنے تجھپر کتاب کو نازل کیا ہے۔ پس وہ لوگ جنکو ہم نے کتاب دیدی ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں اور

ان میں سے بھی بعض اسپر ایمان رکھتے ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر کافرین
اور جہاں کہیں لفظ اتی (بصیغہ مجہول یعنی (اوتی) کتاب کی طرف منسوب ہوا ہے
وہاں کتاب سے مراد علم کتاب وحقیقت کتاب نہیں ہے بلکہ کتاب آسمانی لیکر کسی پیغمبر کا انکی
طرف آنا مراد ہوتا ہے اعم اس سے کہ وہ لوگ عالم کتاب پیغمبر ہوں یا نہوں یس پر عمل کرتے
ہوں یا نہ کرتے ہوں - چنانچہ قرآن شریف میں اوتو الکتاب سے مراد یہود و نصارے
اہل کتاب ہیں جو مقابل مشرکین ہیں جن پر کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا تھا اور ان میں کوئی کتاب
نہ آئی تھی مثلاً وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (حدید) اور چاہیے کہ تم ان لوگوں
کی مانند ہو جن کی طرف کتاب بھیجی جا چکی ہے وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ (توبہ) وغیرہا اور جس جگہ علم کی طرف مضاف ہے وہاں علم سے علم کلی مراد
ہے يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ اللہ بلند
کرتا ہے ان کے درجات کو جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جنکو علم عطا کر دیا گیا ہے
بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ
(عنکبوت) بلکہ قرآن شریف آیات بینات ہی سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا ہے
اور نہیں انکار کرتے ہیں۔ ہماری آیات کا مگر ظالمین اور یہ صاحبان اوتو العلم وعلم مطلق
حضرت خاتم الانبیاء اور ان کے اوصیاء ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علم پیغمبر خاتم النبیین
بہ نسبت جمیع انبیاء سابقین کلی ہے:-

انقسام سلسلہ نبوت اور حضرت شجرۃ الانبیاء

کتب آسمانی جو بطور تنزیل نازل ہوئی ہیں اور جن پر
کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اور لفظ کتاب بولا جاتا ہے
وہ صرف چار ہیں توریت و زبور و انجیل اور فرقان
حتی کہ حضرت ابراہیم بھی اس معنی میں صاحب کتاب نہیں کہلاتے۔ بلکہ صاحب صحف
کہلاتے ہیں اور صحف ابراہیمی مشہور ہیں اور اسی طرح حضرت اسمعیل بھی صاحب کتاب نہیں ہیں

لیکن کتاب وجودی کہ مراد علم کتاب وحقیقت علمیہ ہے وہ عام ہے تمام انبیاء میں جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا کہ خدا تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَاَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا در آنحالیکہ وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ اور یہ سلسلہ کتاب ذریت انبیاء میں ہمیشہ جاری رہا چنانچہ حضرت نوحؑ وحضرت ابراہیمؑ کے حق میں فرماتا ہے اَرْسَلْنَا نُوحًا وَّاِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور انکی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی شان میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ہم نے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت وکتاب قرار دی ہے اور حضرت ابراہیمؑ سے نبوت وکتاب منقسم ہوئی - ایک سلسلہ بنی اسرائیل میں جو بنی اسحاقؑ ہیں دوسرا سلسلہ اسمٰعیلؑ لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے جو صاحب نبوت وکتاب ہو اور جعل الٰہی مقتضی ہے کہ ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں نبوت اور کتاب موجود ہو پس حضرت اسمٰعیلؑ سے حضرت خاتم النبیینؐ تک نبوت اور کتاب جو مابہ النبوۃ ہے کس کے پاس رہی کیا وہ مشرکین مکہ حامل کتاب تھے جو اولاد حضرت اسمٰعیلؑ سے ہیں ؟ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا بھی ہے اگر ایسا ہے تو مشرکین نبی ہوئے - کیونکہ نبوت اور کتاب ساتھ ساتھ ہیں اور مابہ النبوۃ کتاب ہی ہے حالانکہ نبی مشرک غیر معقول وغیر متصور ہے اور یہ خیال غلط محض بلکہ دعائے حضرت ابراہیمؑ (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ) دلالت کرتی ہے کہ ایک امت مسلمہ باسلام نبوتی ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود رہی ہے - کیونکہ یہ بھی جعلِ الٰہی ہے - جس کو کبھی انقطاع نہیں پس حامل کتاب یہی امت مسلمہ ہوگی نہ مشرکین اور یہیں سے ثابت ہے کہ آباؤ اجداد جناب ختمی مرتبتؐ کل کے کل مسلم وموحد تھے

اور نطفہ حضرت ختمی مرتبت انہیں اصلاب میں رہا ہے اور منتقل ہوتا آیا ہے۔ جو حامل کتاب نبوتی و مسلم تھے۔

یہ بھی کتاب اللہ ہی سے ثابت ہے کہ یہ دعاے حضرت ابراہیم مخصوص و مختص ہے اولاد حضرت اسمٰعیل سے نہ حضرت اسحاق سے۔ بہر لئے کہ صدر آیہ یہ ہے وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (بقرہ ع ۱۵)

اور یاد کر اس وقت کو جبکہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں ملبند کر رہے تھے (تو انھوں نے عرض کیا) اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان مطیع و منقاد مطلق بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک جماعت ایسی ہی پیدا کر جو مثل ہمارے تیری مطیع و منقاد مطلق ہو اور ہمارے مناسک ہمیں دکھلادے اور ہمارے رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی رجوع کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔

پروردگارا ان میں انہیں میں سے ایک کو رسول بنا۔ جو ان پر تیری آیات کو تلاوت کرے اور انکو کتاب و حکمت تعلیم دے اور انکا تزکیہ کرے بہ تحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہی ہے اور پھر فرمایا ہے رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ (ابراہیم ع ۵) اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو تیرے خانہ محترم کے پاس وادی بے زراعت میں سکونت پذیر کیا ہے اے ہمارے پروردگار اس لئے کہ وہ نماز کو قایم کریں۔ پس اے خدا

کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور ان کو ثمرات عطا فرما کہ وہ تیرا شکر بجا لائیں۔ اور مسلم و محقق ہے کہ مکہ معظمہ میں جناب ابراہیمؑ نے اپنی ذریت میں سے صرف حضرت اسمٰعیلؑ کو مقیم کیا تھا۔ لہذا یہ دعا بھی ذریت ابراہیمؑ میں سے اولاد اسمٰعیلؑ ہی سے مخصوص ہے اور اسی آیت کے بعد فرمایا ہے رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۔ میرے پروردگار مجھ کو اور میرے بعض ذریت کو نماز کا قائم کرنے والا قرار دے اور ہماری دعا کو قبول فرما۔ لہذا ثابت ہے کہ یہ امت مسلمہ اور یہ ذریت مقیمین الصلوٰۃ اور ساکنین مکۃ اللہ الحرام اولاد حضرت اسمٰعیلؑ ہی سے ہے اور یہ وہی امت ہے جس میں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ اسی امت مسلمہ کے ایک فرد ہیں۔ پس لابدوہ امت مسلمہ باسلام نبوتی اس وقت موجود تھی جس وقت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ انہیں میں سے تھے۔ لہذا یہی امت جو ذریت ابراہیمؑ ہے حامل کتاب ہے۔ نبوت خاتم النبیینؐ پر ختم ہو گئی۔ مگر کتاب بحال خود باقی ہے اگر بنص آیہ نبوت خاتم النبیینؐ پر ختم نہوتی تو یہ تمام افراد امت مسلمہ انبیاء ہوتے کیونکہ مابہ النبوۃ کتاب ہی ہے اور کتاب ان میں موجود ہے (اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا) دال ہے کہ اول کتاب دیجاتی ہے اور بعد میں نبی بنایا جاتا ہے۔ جاہل نبی نہیں ہوتا۔ نبی جاہل غیر معقول ہے اور نبوت ایک درجہ رفیعہ عالیہ ہے۔ جو بلا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ رفعت درجات علم پر موقوف ہے وَیَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ اس لئے کہ نبی در اصل نبوۃ سے مشتق ہی جس کے معنی بلندی اور رفعت کے ہیں اور اسی طرف اشارہ ہی اس آیہ مجیدہ میں جس میں حقیقت نبوت کو بیان کیا گیا ہے وَھِیَ ھٰذِہٖ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ خداوند عالم درجات کا بلند کرنے والا صاحب عرش علم ہے وہ اپنے عالم امر سے اپنے

بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ روح عطا کرتا ہے تاکہ وہ روز قیامت سے ڈرائے پس نبی صاحب درجہ رفیعہ ہے اور مقام نبوت مقام عرش ہے اور جو کچھ اسکو پہنچتا ہی عرش الہٰی سے پہنچتا ہے اور (انباء) یعنی خبر دینا اثرات نبوت میں سے ہے کہ جو نبی مبعوث برسالت ہوتے ہیں پیغام خدا پہنچاتے ہیں۔

مزید توضیح وتشخیص صاحبانِ کتاب در امتِ محمدی

یہ تو معلوم ہو چکا کہ جہاں "اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ" آیا ہے اس سے کتاب وجودی یعنی علم کتاب وحقیقت کتاب مراد ہے۔ لہذا فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ الخ" میں بھی کتاب سے مراد حقیقت کتاب ہی ہے۔

اب معلوم کرنا یہ ہے کہ امت محمدی میں یہ کون لوگ ہیں؟ اس واسطے کہ پیغمبر تو ان میں داخل نہیں کیونکہ پیغمبر خود مخاطب ہیں پس ضرور یہ صاحبان کتاب غیر از پیغمبر خدا ہیں اکثر مفسرین کی تو یہ رائے ہے کہ ان سے مراد یہود و نصارے اہل الکتاب ہیں لہذا بنابراین مطلب آیت یہ ہوا کہ اے پیغمبر یہود و نصارے تو تمام کے تمام اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں میں سے بھی بعض بعض اسپر ایمان لائے ہیں لہذا اصل اہل ایمان یہود و نصارے ہوئے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ؛

واقعی جب علم کلبی زجاج قتادہ وغیرہم پر منتہی ہو گا۔ تو یہی گندہ کاری پیدا ہو گی۔ اگر انسان ذرا نور ایمان دل میں رکھتا ہو اور قرآن پر اعتماد۔ تو یقین کرے گا کہ ہرگز اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ کا مصداق عام یہود و نصارے تو کیا خاص علماء بھی نہیں کیونکہ جو صفات ان صاحبانِ کتاب کی کتاب اللہ میں مذکور ہیں وہ کبھی اور کسی صورت سے ان پر صادق نہیں آسکتی ہیں قال اللہ عزوجل اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ

مِنْ رَّبِّنَا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ - اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (قصص ع) یعنی جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دیدی ہے - وہ سب اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں - اور جب اُن پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں - بتحقیق کہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے بتحقیق کہ ہم اس سے پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے ہیں - یہی وہ لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا کہ اُنھوں نے صبر کیا اور بدی کا بدلا نیکی سے دیتے رہے اور جو کچھ ہم نے ان کو قوت ورزق دیا تھا اسکو وہ راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے - اور جب وہ لغو سنتے تھے تو اس سے اعراض کرتے اور کہتے کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے سلام ہو تم پر ہم جاہلین کو نہیں چاہتے اس آیت کی تفسیر نہیں صرف اگر لفظی ہی ترجمے میں ادنیٰ تامل کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے یہود و نصاریٰ ہرگز مراد نہیں ہو سکتے - یہود کب قرآن پر پہلے ایمان رکھتے تھے اور اسکی تصدیق کرتے تھے اور کب وہ قبل نزول قرآن مسلمان تھے - کب اُنھوں نے صبر کیا ہے - جس کی وجہ سے اُن کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا - کون سے یہود ہیں - جو بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں اور لغو سے اعراض کرتے ہیں اور جاہلوں کی صحبت سے بچتے ہیں اگر ایسے ہیں تو پھر ان سے بہتر مومن و مسلمان دنیا میں متصور نہیں؛

اور اگر یہ صحیح ہے تو وہ آیات غلط ثابت ہوتی ہیں جو مذمت یہود سے پر ہیں علاوہ ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے مراد حقیقت کتاب ہے جیساکہ حضرت عیسیٰ اسی کے مصداق ہیں کہ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ فرماتے ہیں اور کیا

معاذ اللہ حضرت عیسیٰ بھی بیہودہ تھے؟ اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ کتاب اُن کے وجود کے ساتھ ہوتی ہے۔ نہ کہ بعد میں تعلیم دیجاتی ہے۔ پس کونسے بیہودہ ہیں۔ جو قبل وجود ظاہری جسمانی عالم کتاب وحامل حقیقت کتاب تھے اِنَّ ھٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ

پس اٰتَیْنٰاھُمُ الْکِتٰبَ کا مصداق وہ ہیں جو صلاحیت نبوت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ہی مابہ النبوت ہی۔

معانی کتاب

کتاب کے چند معنی ہیں اوّل کتاب مکتوب یعنی خطوط ونقوش کما قال سبحانہ وتعالیٰ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْہُ بِاَیْدِیْھِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (انعام ع) اور اگر ہم اے پیغمبر تجھ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ اور یہ لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوکر دیکھ لیتے۔ تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

دوم۔ کتاب ملفوظ اور صورت لفظی کما قال عزوجل وَاتْلُ عَلَیْھِمْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ (کھف) اے پیغمبر پڑھ ان پر وہ کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے۔

سوم۔ کتاب ذہنی یعنی معانی متخیلہ متصورہ فی الذہن المدلولۃ بالالفاظ قال عز اسمہ وَمِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّا اَمَانِیَّ (بقرہ ع ۱۱) اور بعض اُن میں سے اُمی ہیں جو نہیں جانتے ہیں کتاب کو مگر آرزوئیں جو خواہش طبع ہوتی ہے وہ معنی کر لیتے ہیں چہارم کتاب حقیقی جو قلوب انبیاء پر نازل ہوتی ہے نہیں بلکہ وجود کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ کما فی (اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَاٰتَیْنٰاھُمُ الْکِتٰبَ۔ وَاٰتَیْنٰاھُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ) پس وہ ایک حقیقت نوریہ علمیہ ہے جو وجود نبی میں ہے بلکہ نفس روح نبی ہی کتاب ہے کیونکہ وہ ایک حقیقت نوریہ علمیہ ہے اور وہی ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ہے اور قرآن اسی کی صورت مقروہ ہے قال عزوجل اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ

لا یمسّہٗ الّا المطہرون ۔ تحقیق کہ یہ قرآن کریم ہے کتاب مکنون میں جس کو سوائے مطہرین اور کوئی مس نہیں کر سکتا ۔ پس بعد پیغمبرؐ غیر از پیغمبرؐ وہ نفوس صاحبان کتاب ہیں جو نفس رسولؐ ہیں اور اُس کے ساتھ اتحاد نوری روحانی رکھتے ہیں اور قرآن اُن کے وجود میں ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنکی حقیقت یہ ہے ماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطّہٗ بیمینک اذا لارتاب المبطلون بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد بآیاتنا الا الظالمون (عنکبوت) اے پیغمبرؐ تو اس سے پہلے کوئی کتاب توریت وغیرہ پڑھتا نہ تھا ۔ اور نہ تو اُسکو اپنے ہاتھ سے لکھتا ہے اگر ایسا ہوتا تو مبطلین اسلام کو شک وریب کا پورا موقع مل جاتا ۔ لیکن قرآن ایسا نہیں ہے ۔ بلکہ وہ آیات بینہ ہیں اُنکے سینوں میں جن کو علم عطا کیا گیا ہے ۔ چونکہ پہلے علم اُن کو عطا کر دیا گیا ہے اسی واسطے وہ اس کو جانتے ہیں اور حقیقت کتاب سے واقف ہیں اور اسپر ایمان رکھتے ہیں اور یہی اہل قرآن ہیں ۔ چونکہ لوگوں نے قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا اور زجاج و کلبی وقتادہ زمخشری سے قرآن لیا ۔ یہ گندہ کاریاں پیدا ہوئیں اور اندھی تقلید کی وجہ سے قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور نصوص آیات کو مفسرین کے اقوال کے مقابلہ میں قبول نہیں کرتے اور ملا نقطی[1] بنے ہوئے ہیں ۔ ورنہ اگر کلام اللہ میں تدبر کریں

نوٹ[1] ایک ملا خوشنویس تھا اُسنے ایک کتاب لکھی اور اسپر نقطے ایک ترتیب خاص سے لگائے لکھتے ہوئے جب اُسنے ایک سطر تمام کی اور نقطوں پر غور کیا تو اس ترتیب میں کسی ایک حرف کا نقطہ باقی رہ گیا تھا ۔ غور و فکر کے بعد اُس نقطے کے عوض ایک نقطہ حاشیہ پر لگا دیا پھر خود ہی سوچا کہ مطالعہ کرنیوالا کیونکر سمجھیگا کہ یہ نقطہ فلاں حرف کا ہے ۔ پس اُسکے سمجھانے کے لئے اُسنے اس حرف سے شروع کر کے اس حاشیہ کے نقطہ تک برابر نقطے لگا دئے ۔ مگر پھر خیال آیا کہ دیکھنے والا کیونکر سمجھیگا کہ مراد اس نقطے سے کون سا نقطہ ہے ۔ کیونکہ یہاں تو بہت سے نقطے ہو گئے ۔ لہذا پھر اس نے سوچا اور رائے قرار پائی کہ اس اصل نقطہ کو بڑا کر دیا جائے پس اسکو بڑا کر دیا ۔ مگر پھر بھی اطمینان نہ ہوا اور یہ شک باقی رہ گیا کہ پڑھنے والے کو کیسے معلوم ہوگا کہ نقطہ متروکہ سے یہ بڑا نقطہ مراد ہے آخر مجبور ہو کر اس نقطہ پر لکھدیا المراد من النقطۃ ھذہ النقطۃ الکبیرۃ (مولف)

تو یہ بھی صاف معلوم ہو جائے کہ وہ صاحبان اُوتُوا العِلم کون ہیں جن کی صفت یہ ہے
قُلْ اٰمِنُوْا اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا یَخِرُّوْنَ
لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۔ اے پیغمبر کہدو۔ کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تحقیق کہ وہ لوگ جن کو علم
عطا کیا گیا ہے جب اُن پر آیات پروردگار تلاوت کیجاتی ہیں۔ تو وہ منہ کے بل
سجدے میں گر پڑتے ہیں ؛ اور یہ لوگ زمانہ پیغمبرؐ میں موجود تھے لما اخبر بہٖ سبحانہٗ
وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔ اور اے پیغمبرؐ بعض تیرے اصحاب ایسے ہیں جو خوب غور سے قرآن سنتے
ہیں اور جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں تو وہ اُن لوگوں سے جنکو علم دیا گیا ہے
کہتے ہیں کہ پیغمبر نے ابھی کیا فرمایا ہے ہم نہیں سمجھے۔ پس صاحبان اوتوا العلم موجود تھے
اور لوگ اُن کو پہچانتے تھے اور یہی وہ ہیں جن کے سینوں میں قرآن ہے اور اُن کے
وجود کے ساتھ حقیقت کتاب عطا ہوئی یعنی حقیقت نوریہ علمیہ۔

اور سورہ قصص کا یہ جملہ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ انکی صاف تصریح و تشخیص
کر دیتا ہے کہ یہ پہلے سے مسلمان وہی امت مسلمہ ذریت ابراہیمؑ ہے پس کتاب بجعل الہی
ذریت و سلسلہ اسمٰعیلؑ میں باقی ہے وَجَعَلَ فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ اور یہ غیر
از نبیؐ ہیں۔ نبیؐ اصل اصیل ہے اور یہ فروع یعنی اس شجر نبوت کی شاخیں ہیں؛

تصریح پیغمبرؐ اور صاحبانِ کتاب

پیغمبر خدا نے انکی تصریح و تشریح فرما دی ہے کہ میرے بعد صاحبان کتاب وہ ہیں
جو میری اصل سے ہیں۔ اور کتاب اُن کے ساتھ اور وہ کتاب کے ساتھ۔ اور دونوں میں
ہرگز افتراق نہیں فقال النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم اِنِّی تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ
كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّهُمَا
لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ تحقیق کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں

اول کتاب خدا اور دوسرے میری عترت جو اہل بیت نبوت و رسالت ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہوگے۔ ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور وہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہوں گے۔ تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچیں اور لوگ حساب وکتاب سے فارغ ہوں گے یہ حدیث ستر سے زاید طرق سے کتب اسلامیہ میں مذکور ہے تقریباً پندرہ طرق کو صاحب صواعق محرقہ نے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ پس یہی وہ سینے ہیں جن میں قرآن بطور آیات بینات موجود ہے نہ وہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن ان سے علیحدہ۔ لہذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مراد اُن سے حفاظ ہیں کہاں اُن سینوں میں علم قرآن ہے اور کہاں اُن میں قرآن بطور آیات بینات موجود ہے؟

وجہ تقدم کتاب بر عترت

حدیث میں کتاب کو عترت پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ کتاب حقیقت نوریہ الٰہیہ ہے جسکی بابت خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ وہ ایک رسی ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے یہاں کتاب کی صفت پیغمبر نے کاغذ یا آواز نہیں فرمائی بلکہ اسکو حبل ممدود سے تعبیر کیا اور یہ حبل ممدود وہی حقیقت نوریہ ہے جس کو بلا واسطہ خدا سے تعلق ہے اور ادھر وجود نبی وامام سے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یہ کتاب اول رسول کو پہنچی اور رسول سے عترت رسول و ذریت رسول دونوں ایک ہی نور سے ہیں عترت اصل شئے کو کہتے ہیں اور اصل رسول بنی ہاشم ہے اور ذریت رسول بھی اسی اصل سے ہیں اور وہ اہل بیت رسالت و وارثان نبوت ہیں

معانی اہل بیت

بیت کی تین قسمیں ہیں۔ بیت سکنیٰ۔ بیت نسب۔ بیت شرف۔ بیت سکنیٰ میں تمام وہ افراد داخل ہیں۔ جو اس میں سکونت

رکھتے ہیں۔ نوکر۔ چاکر۔ لونڈی۔ غلام حتیٰ کہ گھوڑا گدھا اور کتا غرضکہ جو کوئی بھی اس میں رہتا ہے؛

بیتِ نسب میں تمام اہل خاندان داخل ہیں - خواہ مومن ہوں - خواہ کافر۔ نیک ہوں یا بد۔

بیتِ شرف میں صرف وہ نفوس شریک ہوتے ہیں جو اس شرافت سے متصف اور صاحبِ شرف کے شریک ہیں اور یہ معلوم ہے کہ اہل بیتِ نبی سے نہ اہل بیتِ سکنی مراد ہو سکتے ہیں۔ جن میں نوکر چاکر سب شامل ہیں - اور نہ اہل بیتِ نسب مراد ہو سکتے ہیں جن میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔ بلکہ مراد اہل بیت سے اہل بیت شرف ہیں اور شرف نبی نبوت ہے - پس اہل بیتِ نبی اہل بیتِ نبوت و رسالت ہیں یعنی حامل کتاب ہیں جو ابہ البنوت ہے - گویا یہ حدیث ترجمہ آیہ مجیدہ ہی وَجَعَلْنَا فِی ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ) کا کہ ہمنے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت و کتاب قرار دیدی ہے) پس غیر از عترت رسولؐ ہو شریک شرف نبوت ہیں اور ذریت ابراہیمؑ ونسل اسمٰعیلؑ ہیں اور کوئی اہل بیت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے استفسار پر آنحضرتؐ نے اَنْتِ مِنْ اَهْلِی وَاَنْتِ عَلَى الْخَيْرِ (تو میرے اہل سے ہے اور تو خیر پر ہے) فرمایا مگر اہل بیت میں داخل نہ فرمایا - حالانکہ حضرت ام سلمہؓ آپ کے اہل بیتِ سکنی اور اہل بیتِ نسب میں داخل تھیں - مگر چونکہ مراد اہل بیت سے اہل بیتِ شرف ہیں اور وہ وہی ہیں جو شریکِ شرفِ نبوت اور اس صفت سے متصف ہیں - لہذا ام سلمہؓ کو ان میں داخل نہ فرمایا اور اَنْتِ عَلَى الْخَيْرِ" فرما کر اُن کی تسلی کردی؛ اگر لفظ اہل بیت و بیت کے موارد استعمال کو قرآن میں دیکھا جائے اور انہیں غور و تامل کیا جائے تو مطلب صاف معلوم ہوجاتا ہے - مثلاً خدا حضرت ابراہیمؑ کے حق میں فرماتا ہے "رَحْمَتُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ" اے اہل بیت نبوت تم پر خدا کی خاص رحمت و برکت ہے اور حضرت لوط کے حق میں فرماتا ہے

"فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ" پس نہ پایا ہم نے اس میں کوئی مومن سوائے
ایک خانہ نبوت و بیت المسلمین کے:

جواب سوال ایک شخص نے سوال کیا کہ صفت کتاب اللہ کی یہ مذکور ہوئی ہے "حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ" پس اس سے تمسک کس طرح
کر سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے کتاب منشار احکام
وتکالیف ہے۔ اور مدلول نبوت یعنی جو کچھ نبیؐ لائے ہیں۔ وہ کتاب میں ہے اور یہی دلیل
نبوت بھی ہے۔ کیونکہ اپنی صداقت کی دلیل اور بینہ نبوت بھی یہی کتاب ہے "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ
مِنْ مِثْلِهٖ" اسکی تحدی ہے۔ بخلاف دیگر انبیاء کے۔ کہ ان کی کتب بینہ نبوت نہ تھیں
یعنی نفس کتب دلیل صداقت نہ تھیں۔ بلکہ بینات و معجزات انبیاء غیر از کتب تھے اور
قرآن خود ہی دلیل نبوت ہے۔ اور خود ہی مدلول نبوت اور ایک بینہ بزرگ اسکی حقیقت
پر یہ ہے کہ جو کچھ سوال کرو اس میں موجود ہے اور علاوہ اس کے "وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا
سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ
جَمِيْعًا" اگر کوئی قرآن ہے کہ اگر اسکو پہاڑ پر پڑھا جائے تو وہ چل نکلیں یا زمین پارہ
پارہ ہو جائے یا طی الارض ہو جائے و مردے باتیں کرنے لگیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے سر انجام پا جائے
تو یہی قرآن ہے۔ پس جنکے سینوں میں یہ بینہ نبوت ہے۔ اور وہ حامل قرآن
ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو مشرق عالم کو مغرب کردیں اور مغرب کو مشرق
اور صفت انکی یہ ہے کہ جس امر کا اُن سے سوال کیا جائے قرآن سے جواب دیں اور اپنی
آراء کو دخل نہ دیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ اہل بیت میں گیارہ حامل قرآن گذرے کبھی
کسی نے کسی مسئلہ کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میری رائے یہ ہے۔ کیونکہ وہ حامل قرآن
ہیں۔ جس میں ہر خشک و تر کا بیان موجود ہے۔ "والحجۃ من لا یقول لا ادری" (فتدبر فیہ)
لہذا تمسک بالقرآن کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کو صاحبان قرآن سے پوچھو وہ

ہر ایک مسئلہ کے جواب میں ایک آیت پڑھ دیں گے اور ہر حکم کا مدرک قرآن سے بتلائیں گے
پس تمسک بالقرآن اور تمسک بہ اہل بیت ایک ہی ہوگا۔ جو متمسک بالقرآن ہے وہ متمسک بہ
اہل بیت نبوت ہے اور جو متمسک با اہل بیت نبوت ہے وہی متمسک بالقرآن ہے جس نے
اہل بیت کو چھوڑا اور اُن سے قرآن نہ لیا اس نے قرآن کو چھوڑا اور وہ گمراہ ہے۔

لہذا جنھوں نے اہل بیت نبوت کو چھوڑ دیا ہے انھوں نے قرآن کو بھی چھوڑ دیا ہے
اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر خدا روز جزا بارگاہ ذوالجلال میں عرض کریں گے اور اپنی قوم کی
شکایت کریں گے "رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا" اے پروردگار میری
قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے قرآن کو ترک نہیں کیا
اور متبع قرآن و متمسک بالقرآن ہیں تو معاذ اللہ پیغمبر جھوٹ بولیں گے اور غلط شکایت کریں گے
مگر کوئی مسلمان تکذیب پیغمبر پر راضی ہو گا اور تسلیم کرے گا کہ ضرور انھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا
اور شکایت پیغمبر بجا ہے۔ پس متمسک بالقرآن وہی ہیں۔ جو متمسک با اہل بیت نبوت
و رسالت ہیں غرض ایک شناخت اہل قرآن کی یہ ہے کہ جو بات پوچھی جائے
اسکا جواب دے اور کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا "اَلْجُنَّةُ مِنْ لَا یَقُوْلُ
لَا اَدْرِیْ" اور ہر سوال کا جواب قرآن سے دے اور آیت تلاوت فرمائے۔

مثال ایک شخص نے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے سوال کیا کہ ایک شخص مر گیا
اور وصیت کر گیا کہ اس کا ایک جزو مال فقرا کو تقسیم کر دیا جائے۔ پس کتنا مال
فقرا کو دینا چاہیے۔ فرمایا دسواں حصہ اسکو شک ہوا اور دل میں سوچ کر کہنے لگا۔ آپ
قرآن سے ایسا فرماتے ہیں؟ فرمایا قصہ حضرت ابراہیم پڑھ "قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ
الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا"
کہا کہ چار پرندے لے اور انکو مخلوط کر کے اُن کا ایک جزو ہر پہاڑ پر رکھ۔ پھر اُن کو بلا
تو وہ تیرے پاس دوڑ کر آئیں گے اور پہاڑ دس تھے۔ اُن پر ایک ایک جزو رکھا تھا۔ لہذا

جز کو مراد جبکہ کوئی قید و خصوصیت نہ ہو۔ دسواں حصہ ہے:۔

ایضاً ایک شخص نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے وصیت کی کہ اُسکا ہر ایک غلام قدیم آزاد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو غلام شش ماہہ ہے یعنی اس کے پاس اسکو چھ ماہ ہو گئے ہیں آزاد ہے۔ دریافت کئے جانے پر جواب قرآن سے فرمایا "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ" یعنی خدا فرماتا ہے کہ ہمنے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ پھر لوٹ کر مثل پرانی شاخ کھجور کے ہو جاتا ہے۔

اور یہ شاخ کھجور چھ ماہ تک جھک کر مثل ہلال ہو جاتی ہے اور اسکو عرجون قدیم کہتے ہیں۔ لہذا قدیم سے مراد شش ماہہ ہوگا:۔

ایضاً ایک شخص نے امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ فرائض سہام ارث چھ کیوں ہیں؟ فرمایا خلقت انسانی کے چھ درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کے لیے ایک دبت مقرر ہے قال عز و جل لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ اسی واسطے سہام ارث چھ مقرر ہوئے۔

ایضاً حضرت رضا علیہ الصلوٰۃ و السلام سے سوال کیا کہ خداوند عالم اس آیہ مبارکہ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں) فرماتا ہے کہ زمین بھی مثل آسمانوں کے سات ہیں حالانکہ زمین ایک ہے اس کا جواب کیا ہے؟ فرمایا هٰذِهٖ اَرْضُ الدُّنْيَا وَ السَّمَاءُ الدُّنْيَا عَلَيْهَا فَوْقَهَا قُبَّةٌ وَ الْاَرْضُ الثَّانِيَةُ فَوْقَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَ السَّمَاءُ الثَّانِيَةُ فَوْقَهَا قُبَّةٌ الخ یعنی یہ ہماری زمین ہے اور پہلا آسمان ہمارا گنبد ہے۔ اور دوسری زمین پہلے آسمان کے اوپر ہے اور دوسرا آسمان اسکا گنبد ہے

اسی طرح ساتوں زمینوں کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا "فوقہا عرش الرحمٰن" سب کے فوق عرش الہیٰ ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ علوم کی اتنی ترقی نہ تھی۔ اصولیین نے تو اس حدیث کا انکار ہی کر دیا اور محدثین کے نزدیک سند صحیح تھی کہا کہ معضلات اخبار سے ہے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ مگر انکار بھی درست نہیں اب ترقی علوم و تحقیقات جدیدہ سے سات زمینیں ثابت ہو گئیں۔ بلکہ اُن کی آبادی کا حال بھی منکشف ہو گیا پس جن کے سینہ میں قرآن ہے اور قرآن اُن کے وجود کے ساتھ متحد ہے وہی فرما سکتا ہے کہ میں قرآنِ ناطق ہوں۔ اور یہ سوائے ایک شخص یعنی علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور کسی نے نہیں فرمایا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر جب قرآن نیزوں پر بلند کر کے امان مانگی تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا "اِضرِبُوا وَلَو علیٰ مَصَاحِفِہِم اَنَا کَلَامُ اللّٰہِ النَّاطِقِ" مارو اگرچہ اُن کے قرآن پر لگے۔ کیونکہ قرآن ناطق میں ہوں یہ مصاحف خدائی نہیں ہیں۔ ان مصاحف کی نسبت اُن سے اس واسطے دی کہ اُن کے عقائد اور انکی تفسیر و تاویل مطابق مقصود الہیٰ نہ تھی اپنی خواہش طبع کی موافق تاویل کرتے تھے۔ اور دراصل سب قرآن ہی نہ تھے بلکہ اکثروں نے انہیں لپیٹ کر نیزوں پر بلند کی ہوئی تھیں پس مطلب آپ کا یہ تھا کہ یہ کلام اللہ نہیں اور خدا نے یہ نہیں فرمایا یہ گویا اُن کے خودساختہ قرآن ہیں جیسا کہ مثلاً یہی عقیدہ کہ "اٰتینا ھُمُ الکِتاب" سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور "اُوتُوا العِلمَ" کا مصداق اُبی بن کعب ہے یہ صحیفہ الہیٰ نہیں ہے:

پس یہی حال ہے اس قرآن کا جو قرآن کو اہل قرآن سے نہ لے جن کے سینوں میں قبل نزول ظاہری موجود ہے اور جس نے اُن سے تمسک کیا۔ وہی متمسک بالقرآن ہے اہل بیتؑ سے تمسک کرنا ہی دونوں سے تمسک کرنا ہی بعبارت دیگر کتاب حبل ممدود ہی۔ جس کی ایک طرف حضرت حق عزوجل سے متعلق ہے۔ اور دوسری طرف وجود امام ہے اسی واسطے

اسی واسطے اُن حضرت نے فرمایا ہے "بَیْنَنَا وَ بَیْنَ اللّٰہِ عَمُوْدٌ مِّنْ نُوْرٍ نَرٰی فِیْھَا اَعْمَالَ الْعِبَادِ" یعنی ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے۔ جس میں ہم اعمال بندگان خدا کو دیکھتے ہیں۔ لہذا امام سے تمسک کئے بغیر کتاب سے تمسک کرنا ممکن نہیں۔ اور کتاب عترت رسول اہل بیت نبوت و رسالت پر اس لئے مقدم ہے کہ حقیقت امام اہل بیت وہ ہی حقیقت کتاب نورانی ہے جسکو روح سے تعبیر کیا گیاہے۔ "وَیُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ" الخ دوسری دلیل تقدم و تمسک کتاب کی یہ ہے کہ کتاب ہی امام کی طرف رہنمائی کرتی ہے اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ بتحقیق کہ یہ قرآن ایک ایسے طریقہ کی طرف رہنمائی کرتاہے۔ جو محکم تر و مستقیم تر ہے۔ اور وہ صاحبان قرآن و قرآن ناطق ہیں جیساکہ آیات دعوات جناب ابراہیم خلیل اللہ مثل آیہ امامت و آیۂ امت مسلمہ و آیہ شہادت وغیرہا سے واضح ہوچکاہے کہ اس کتاب اور ان آیات سے تمسک کر کے امامت و کتاب کو ذریت حضرت ابراہیمؑ و اولاد رسولؐ ہی میں جانیں اور اُسے خارج نہ کریں۔ اور بعد از اں اہل بیتؑ سے تمسک کیا جائے اور جو کچھ وہ فرمائیں اسکو لیا جائے اور احکام قرآن اُن سے اخذ کئے جائیں اور یہی معنی ہیں تقدم کتاب و تمسک بکتاب و عترت کے فافہم و تدبر۔

ضرورت امام

یہیں سے یہ بھی مثل روز روشن آشکارا ہوگیا کہ ہر زمانے میں ایک اہل القرآن و صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے کیونکہ یہ آیت "وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ" مطلق ہے کسی وقت خاص سے مقید نہیں ہے۔ لہذا ہمیشہ ہمیشہ تا قیام قیامت ذریت رسولؐ میں جو کہ ذریت ابراہیمؑ ہیں۔ صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے اگر وہ چاہے تو پہاڑوں کو حرکت دیدے۔ زمین کو پارہ پارہ کردے۔ مردوں

کو زندہ کرو ے اور جو تصرف ارکان زمین و آسمان میں کرنا چاہے کر سکے کیونکہ قرآن اس کے سینے میں ہے جس کی صفت "وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا" ہے چنانچہ ایک مرتبہ ایک فلاسفر جناب صادق آل محمدؐ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے سوال کیا آپ نے فرمایا اگر قیامت تک سوال کئے جاؤ اور جو تمہارا دل چاہے۔ سوال کرو ہر ایک کا جواب قرآن سے دوں گا کیونکہ وہ "تبیان لکل شئی" ہے اور "حبل ممدود من السماء الی الارض" ہے ایک سرا اس کا متصل بجناب باری ہے اور دوسرا سرا امام وقت اور اس میں کبھی انقطاع نہیں "وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ" ہمنے اپنا کلام بلا انقطاع متصل بھیجا ہے کہ لوگ نصیحت پکڑیں اور اس سلسلے میں کبھی انقطاع نہیں ہو سکتا اور ایسا شخص ہر زمانہ میں موجود ہے اور یہی امام حق کا وجود حبل اللہ ہے اور یہی ارکان زمین اور ستون آسمان ہیں فقال عز وجل "رَفَعَ السَّمَآءَ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا"۔ اللہ نے آسمانوں کو بلا ایسے ستون کے بلند کیا ہے جنکو تم دیکھو پس ضروری ہے کہ یہ ستون ہمیشہ موجود ہوں۔ ورنہ آسمان قایم نہیں رہ سکتا:

امت وسط

یہی وہ امت وسط ہیں۔ جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ مطلقہ ہیں "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا" اسی طرح سے ہمنے تمکو امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسولؐ تم پر شہید رہے شاہد اور شہید دونوں ایک مادے شہد سے ہیں۔ مگر شاہد داخل شہید ہے اور شہید داخل شاہد نہیں۔ یعنی جو شہید ہے وہ شاہد بھی ضرور ہے مگر جو شاہد ہے وہ ضرور نہیں کہ شہید بھی ہو۔ کیونکہ شہید۔ حاضر علے الشئے کو کہتے ہیں اور شاہد

وہ ہے جو از روے علم و قرینہ شہادت دے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار چنانچہ شہادت برادران یوسف درباب بن یامین از روے علم تھی اسی واسطے اُنھوں نے کہا کہ "وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا" یعنی نہیں شہادت دی ہم نے مگر وہی جو ہمیں علم تھا اور قصہ زلیخا میں شہادت شاہد از روے قرینہ تھی وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ* فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ یعنی اور اسکے کنبے میں سے ایک شخص نے شہادت دی کہ اگر اُسکا کُرتہ آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اور اگر اُسکا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے ظاہر ہے کہ یہ شہادت محض از روے قرینہ تھی - اور وہ واقع پر موجود نہ تھا اور نہ اسکو واقع کا اصلی علم تھا اور شہید کے لیۓ واقع پر حاضر ہونا ضروری ہے - چنانچہ ثبوت زنا میں چار شہدا کی ضرورت ہی نہ شہود کی لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (اگر وہ اس پر چار شہید پیش کریں - تو زنا ثابت ہوگا، وَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اگر چار شہید پیش نہ کیۓ جائیں تو زنا ثابت نہیں ہو سکتا یعنی وہ لوگ شہادت دیں - جنھوں نے بچشم خود آلہ مرد کو فرج زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو اور شاہد اگر وقوع واقع پر موجود ہو - تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے اور ایک وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہو سکتا - بخلاف شہید کے کہ ایک وقت مین تمام واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے اور شہید کے لیۓ وقوع و قبل وقوع مساوی ہے - وہ قبل وقوع بھی واقع کو اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کہ وقت وقوع - بخلاف شاہد -

پس یہ امت وسط شہداء علے الناس ہے اور رسولؐ اُن پر شہید ہے - اور ایسے شہید کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے :

وجودِ شہید و واقعۂ کربلا	کیا حال ہوگا ان ایام میں اس بزرگوار کا - جو

* قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ

امام عصر و شہید زمان ہے۔ جو تمام واقعات کو بچشم خود مشاہدہ کرتا ہے۔ مصائبِ حسینی ہیں مثل اسماء حسنیٰ الٰہی چھوٹی بڑی نہیں ہے ہر ایک مصیبت اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ کوچک ترین مصیبت امام مظلوم بزرگ ترین مصائبِ انبیاء ہے امام مظلومؑ ایک ایسی بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ کہ کوئی پیغمبر اس بلا میں مبتلا نہیں ہوا وہ بلا شدت تشنگی ہے۔ کیسا تعجب کا مقام ہے کہ سیراب کنندۂ عالم۔ باعثِ نجاتِ عالم فرزند ساقی کوثر قطرۂ آب کو محتاج رہے۔ اور دنیا سے پیاسا ہی جائے۔ ششم محرم الحرام یا ہفتم کو جب نہر سے پانی کی قطعاً بندش ہو گئی تو حضرتؑ نے خیمہ گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر حکم دیا کہ یہاں زمین کھودی جائے۔ وہاں سے ایک چشمۂ آب جاری ہوا۔ تقریباً پچاس مشکِ آب پُر کیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ نویں اور دسویں کو وہ چشمۂ آب کہاں گیا۔ جو بچے ایک ایک بوند کو ترستے تھے اور پانی نہ ملتا تھا اُس دن وہ چشمہ کیوں نہ ظاہر ہوا۔

مادرِ ذبیح اللہ حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کی پیاس سے بیتاب ہو کر جب اِدھر اُدھر دوڑنے لگیں۔ تو اُن کے پاؤں کے نشان سے زمین سے پانی نکل آیا تھا۔ نہیں معلوم ذبیح کربلاؑ کے لیے پانی کہاں گم ہو گیا تھا کہ حضرت اپنے بچے کو ہاتھوں پر لے کر دشمنوں سے پانی کا سوال کرنے گئے روحی و روح المومنین لہ الفداء اس وقت شدتِ تشنگی سے تقریباً چھبیس بچوں نے آکر حضرتؑ کے گرد حلقہ کر لیا اور حضرتؑ کا دامن پکڑ لیا حضرتؑ نے اپنے بھائی عباسؑ کو حکم دیا۔ کہ بھائی پانی کی کوئی تدبیر کرو۔ حضرتؑ تلاش آب میں تشریف لے گئے۔ مگر مقام افسوس ہے کہ دوسرے سقے لوگوں کو سیراب کرتے ہیں۔ لیکن سقائے اہل بیت کو تادم مرگ ایک قطرۂ آب نصیب نہ ہوا۔ بچوں کی بہت کچھ آس و امید حضرت عباسؑ ہی سے وابستہ تھی۔ صبح روز عاشورا جس وقت یہ دونوں لشکر آراستہ

وآمادۂ پیکار ہوئے اور امام مظلوم نے اپنی چھوٹی سی جماعت کو مرتب کیا۔ علم لشکر حضرت ابی الفضل العباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا اور زہیر بن قین کو ایک علم دے کر میمنۂ لشکر پر مقرر کیا۔ اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر ؛

پہلے حملے میں حضرتؑ کے لشکر سے پچاس جان نثار شہید ہو گئے اور یہ حال دیکھ کر اطفالِ اہل بیتؑ نہایت ہراساں ہوئے اس کے بعد زہیر نے دیکھا کہ لشکر میں حضرت عباسؑ نہیں ہیں حضرت عباسؑ کے خیمہ میں آئے دیکھا کہ خیمہ میں موجود نہیں ہیں ایک لونڈی کھڑی ہوئی تھی۔ دریافت کیا کس کو دیکھتے ہو۔ فرمایا حضرت عباسؑ کو۔ وہ کہاں ہیں ؟ لونڈی نے عرض کیا۔ فلاں خیمہ میں ہیں اور سوائے اطفال خورد سال اور معصوم عورات کے اُن کے پاس اور کوئی نہیں ہے۔ قریب در خیمہ گئے آواز دی۔ حضرت عباسؑ چاہتے تھے کہ باہر آئیں۔ مگر جس وقت وہ آنے کا ارادہ کرتے تھے۔ بچے آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے اور ان سے لپٹ جاتے تھے۔ اس لیے کہ تمام کے تمام دہشت زدہ ہو رہے تھے پہلے پہل میدان جنگ دیکھنے کا موقع تھا۔ کسی نے باپ کو اور کسی نے بھائی کو اور کسی نے چچا کو شہید ہوا دیکھا اور ان سب کی ڈھارس حضرت عباسؑ سے بندھی ہوئی تھی۔ نہ معلوم اس وقت اُن بچوں کی کیا حالت ہوئی ہو گی جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام بے بھائی کے رہ گئے تھے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؛

موعظۂ پنجم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ

"هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ"

تمہید اس زمانہ میں کوئی دن ایسا باقی نہیں رہا۔ جو اقامہ دین و تبلیغ احکام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے مخصوص ہو۔ کیونکہ اعیاد متوالیہ متواترۂ اسلام یعنی جمعہ تبدیل بہ یکشنبہ ہو گئے ہیں اور باقی ایام سال میں اہل اسلام کے یہاں کوئی دن ایسا نہیں جس میں اقامہ دین کر سکیں اور احکام اسلام بیان کر سکیں۔ مجالسِ مواعظ بالکل مفقود ہیں تعلیماتِ حالیہ طریق دیانتی پر نہیں بلکہ مبنی بر غیر طریق دیانتی ہیں اس لئے ان تعلیمات کے ذریعہ سے اقامۂ دین قطعًا ناممکن ہے بلکہ جو ان تعلیمات میں کامل تر ہوتا ہے وہی زیادہ بیدین ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدے میں آرہا ہے۔ پس کونسا طریق اور کونسا دن ہے جس میں اقامۂ دین کیا جائے اور احکام اسلام بیان ہوں اور اس کام کے لئے مخصوص ہو سوائے ان چند ایام عشرۂ محرم الحرام کے کہ اس میں جو لوگ اس امر کے سزاوار ہیں وہ اپنے لئے ایک وقت فرصت کسی نہ کسی طرح پیدا کرتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں۔ انہی ایام میں انسان سے اگر ہو سکے تو تبلیغ اسلام کر سکتا ہے اور احکام و تعلیمات اسلامی سے لوگوں کو مطلع کر سکتا ہے ؛

علتِ شہادتِ سید الشہداؑ یہ فرصت بھی بالطبع و باقتضائے ایام ہے کہ یہ ایام خود مومنین کی توجہ اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں اور وہ لوگ فی الجملہ دین و احکام دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ بعض ایام غیر مومنین جملہ ملل و مذاہب والوں کی توجہ کو اس طرف کھینچ لیتے ہیں کیونکہ حضرت سید الشہدا محض اسی ایک غرض اور اسی ایک مطلب مخصوص یعنی اقامہ دین کے واسطے شہید ہوئے ہیں۔ اور غایت شہادت اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ بجز

اس کے اور کوئی مطلب مد نظر نہ تھا اگر امام علیہ السلام ایسا نہ کرتے تو دنیا سے دین مفقود و معدوم ہو جاتا اور کوئی متدین باقی نہ رہتا۔ اگر امام حسینؑ یزید کے مقابلہ میں نہ آتے۔ جو کوئی دین نہ رکھتا تھا اور کسی مذہب کا قائل نہ تھا اور اپنے کو شہید نہ کراتے تو دنیا میں کوئی اسلام کا نام بھی نہ لیتا۔ اسی غرض سے یہ صورت شہادت اختیار کی۔ کیونکہ اگر قوتِ امامت و قوتِ الٰہیہ سے یزید کو قتل کر دیتے۔ تو حق لوگوں پر ثابت ہوتا اور کوئی بھی حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتا۔ اس واسطے کہ لوگوں نے اسکو امام وقت و خلیفہ رسولؐ تسلیم کر لیا تھا اور انکے نزدیک محقق و مسلم تھا کہ خلافت وجوہات اربعہ میں سے کسی ایک وجہ سے ثابت ہو سکتی ہے یعنی اجماع۔ نص۔ شوریٰ اور سلطنت و غلبہ۔ چنانچہ خلیفہ اول اجماع سے خلیفہ مانے گئے تھے اور دوم بنص خلیفہ اول کہ وہ تصریح کر گئے تھے کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہے سوم شوریٰ سے خلیفہ ہوئے۔ چہارم اجماع سے لیکن یزید میں یہ چاروں صورتیں جمع تھیں۔ سوائے تین شخصوں حضرت سید الشہداؑ و عبد اللہ ابن عباسؓ اور عبد اللہ بن زبیر کے باقی سب نے اس کی خلافت پر اجماع کر لیا تھا اور معاویہ نے چند سال پہلے اسکی خلافت کے لئے شوریٰ بھی کر لیا تھا۔ اور لوگوں سے رائے لی تھی۔ اور اس نے خلافتِ یزید پر نص بھی کر دیا تھا کہ اسکے بعد وہ خلیفہ ہے اور سلطنت اور غلبہ بھی یزید کو حاصل ہو گیا پس اگر حسینؑ یزید پلید کو فی النار کر دیتے تو جہال کہتے کہ معاذ اللہ ایک خارجی باغی نے امام وقت پر بغاوت کی اور اسکو قتل کر دیا۔ پس حق و باطل لوگوں پر پوشیدہ رہجاتا اگر حسینؑ صلح کر لیتے تو وہی نتیجہ ہوتا۔ جو صلح امام حسنؑ کا ہوا کہ محض صلح کرنے سے لوگوں نے معاویہ کو خلیفہ و امام مان لیا پس اس صورت میں حق ثابت ہوتا۔ امام حسنؑ نے صلح کر کے مخالفین پر حجت تمام کی اور امام حسینؑ علیہ السلام کے لئے یہ صورت بھی ناممکن العمل ہو گئی۔ لہذا

سوائے اس کے حسینؑ مظلوم کے لئے کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے آپ کو شہید کرا دیں یہ بھی اس طرح نہیں کہ خود تنہا جائیں اور شہید ہو جائیں کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لوگ کہتے کہ حسینؑ سلطنت دنیا کے لئے لڑنے آئے تھے۔ دو شاہزادے لڑے ایک مارا گیا بلکہ اس کام کے لئے ایک ہیئت درست کی کہ اہل اسلام تو کیا غیر مسلمین یہود ونصاریٰ نے بھی اس کو دیکھ کر تصدیق کی کہ حسینؑ حق پر ہیں اور یزید باطل پرست حسینؑ اگر جنگ کرنے اور سلطنت کی خواہش میں عراق آئے تھے۔ تو ان بچوں کو کس غرض سے ہمراہ لائے تھے جن میں زیادہ تر خوردسال تھے اور چھ آٹھ اور نو سال کا سن رکھتے تھے۔ کیا ان کو لڑانے کے واسطے اور ملک فتح کرنے کے لئے لائے تھے؟ پھر ان مخدرات عصمت و طہارت ذریت رسولؐ و دختران علیؑ و بتولؑ کو کس واسطے اس میدان میں ہمراہ لائے تھے؟ کیا اُن سے ملک گیری کا خیال تھا نہیں۔ نہیں۔ یہ مدعا نہ تھا۔ غرض اور ہی تھی۔ چنانچہ جس وقت مکہ معظمہ سے کوچ کیا ہے اُسی وقت لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ اگر آپ تشریف ہی لئے جاتے ہیں تو ان عورتوں کو اور بچوں کو کہاں لئے جاتے ہیں۔ جواب میں فرمایا شاء اللہ ان یراھن سبایا مشیت خدا میں یہی ہے کہ اُن کو قیدی دیکھے اور مطلب یہی تھا کہ یہ بھی اقامۂ دین میں شریک ہیں بغیر ان کی اسیری کے شہادت کی غرض پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر عورتیں اور بچے جو فرزندان رسولؐ و ذریت بتولؑ تھے۔ اسیر نہوتے اور اس طرح قید ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام تک نہ جاتے تو کفر یزید ہرگز ہرگز ثابت نہ ہوتا۔ اور کم فہم اور جہال پر حق پوشیدہ رہ جاتا۔ مگر ان کے اسیر ہونے اور ذلیل کئے جانے سے سب پر کفر و الحاد یزید ثابت ہو گیا کہ اگر یہ خلیفۂ رسولؐ و امام ہوتا تو اس طرح سے ذریت رسولؐ کو دربدر نہ پھراتا جس کی خلافت و جانشینی کا مدعی ہے۔

اوصاف امام اور اس کی شناخت

لوگوں نے اصل باب امامت کو مسدود کر دیا ہے اور ہر فرقے نے اپنی طرف سے ایک امام بنا لیا ہے۔ حالانکہ کلام حمید مجید میں اوصاف امام اس طرح بیان ہوئے ہیں۔ کہ اگرچہ من حیث الکیفیات ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ لیکن اوصاف مخصوصہ خاصہ ایسے ہیں۔۔ کہ اگر انسان ادنیٰ تدبر سے کام لے تو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور حق اسپر ظاہر ہو سکتا ہے اور کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت باقی رہتی۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک معلم کی ضرورت ہے اور خداوند عالم نے بندوں سے پہلے معلم کو پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم ابوالبشر۔ اسی طرح وجود معلم ہر زمانے میں ضروری ہے اور ایک صفت اس معلم کی شہید ہونا ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا تمکو اس لیے امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور رسول تمپر شہید ہو۔ فرق شاہد و شہید بھی بیان کیا جا چکا ہے شَهِدَ اگر متعدی بنفسہ ہو تو معنی حضر آتا ہے ورنہ بمعنی علم قَالَ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا خدا ہر شئے پر شہید ہے پس وہ از روئے قرآن و اخبار شہید نہیں بلکہ وہ ہر شئے پر حاضر و ناظر اور کل اشیا پر محیط ہے اور اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے وَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا کیا حال ہو گا اسدن جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک شہید کو لائیں گے اور اے پیغمبر تجھ کو تمام شہید و نیز شہید قرار دیں گے۔ خاتم النبیین اول البشر و ابوالبشر و اول النبیین پر شہید ہے۔ وہ بیٹا باپ پر شہید ہے جو باپ سے چھ ہزار سال بعد پیدا ہوا ہے وَقِیْلَ مِنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

وَاِنِّی وَاِن کُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَۃً
فَلِی فِیْہِ مَعْنًی شَاھِدٌ بِاُبُوَّتِی

میں اگرچہ بصورت ظاہر فرزند آدمؑ ہوں مگر اس کے وجود میں ایک شاہد بین موجود ہے کہ میں پدر آدمؑ ہوں وقال امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام اِنِّی خَمَّرْتُ طِیْنَۃَ اٰدَمَ بِیَدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ملائکہ حضرت آدمؑ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو کر تعظیم بجا لائے تھے۔ حضرت آدمؑ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ تم میرے پیچھے کیوں کھڑے ہوتے ہو۔ آگے کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ عرض کیا ہم اس نور کی زیارت کے لیے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں جو آپ کی پشت میں ہے پس دراصل یہ تعظیم وتکریم نور محمدی کے واسطے تھی۔ نہ صورت بشری آدمی کے لئے اور باطن و حقیقت آدمؑ اسی نور کی ایک شعاع تھی ؎

سجدے بنی آدم کے نہ آدم کے لئے تھے
سرانکی سلامی کو فرشتوں کے جھکے تھے

ملاحظہ ہو فضیلت محمدؐ و نور محمدؐ کہ خدا حضرت آدمؑ کے حق میں فرماتا ہے۔ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ یعنی اللہ نے اسکو تراب سے پیدا کیا ہے۔ یعنی فرزند تراب ہے اور نفس نبی وجزو نور محمدی کی کنیت ابوتراب ہے۔ اسی وجہ سے اس کنیت کو حضرت سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے آدمؑ فرزند تراب ہیں اور علیؑ پدر تراب وابوتراب ؎

پھر خداوند عالم نے غیر پیغمبرؐ کے حق میں اسی شہیدیت کی نسبت فرمایا ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ پس یہ نفوس بھی مثل پیغمبرؐ شہید بر خلق ہیں اور پیغمبر ان پر شہید ہے۔ جس طرح کہ وہ جناب اور تمام انبیاء پر شہید ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی امت پر شہید ہوتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ آیہ مبارکہ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمّۃً

وَسَطًا سے مراد تمام امتِ محمدیؐ ہے اور امتِ وسط بھی امتِ محمدی ہے جو تمام امم سابقہ پر شہید ہے اور اُن کی بابت شہادت دے گی اور پیغمبر اپنی امت پر شہید ہے مگر یہ بالکل غلط اور باطلِ محض ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اور قرآن میں معنون ہے کہ امت محمدی کی شہادت خود اپنے معاملات میں قبول نہیں۔ بلکہ اسکی تصدیق کے لئے شہود کی ضرورت پڑتی ہے خود اپنے اوپر اسکی شہادت شرع میں مقبول نہیں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔ تو دو شاہد عادل موجود ہوں۔ جب وہ تصدیق کردیں اور شہادت دیدیں اس وقت طلاق صحیح ہوگا وغیرِ ذالک من المعاملات پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ دوسروں کے حق میں اسکی شہادت قبول کرلی جائے گی درانحالیکہ اُس امت میں فساق وفجار بھی موجود ہیں اور فاسق کی شہادت کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے اِذَا جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْہُ جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کی اُس سے تصدیق کراؤ اور گواہ و بینہ اس پر طلب کرو۔ جب تک وہ اس خبر کی صداقت پر گواہ پیش نہ کرے ہرگز اسکی خبر پر اعتماد نہ کرو علاوہ ازیں کون سا مسلمان ہے۔ جو تمام امم سابقہ اور کل یہود ونصاریٰ کے جملہ اعمال وافعال واقوال کی پوری اطلاع رکھتا ہے۔ جو انکی بابت وہ شہادت دیگا اور خدا اس کی شہادت کو قبول کرے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کے بتلانے اور تعلیم سے یہ لوگ اُن کے افعال واعمال واقوال کی شہادت دیں گے تو پھر یہ اُن کی شہادت کب ہوئی۔ یہ تو پیغمبرؐ کی شہادت ہوگی اور وہ کافی ہے شہادت کے لئے۔ پھر انکی کیا ضرورت ہے؟

نیز یہ جو کچھ بھی ہے شاہد کے متعلق ہے کہ اسکی شہادت عند الشرع مقبول نہیں اور فاسق کی خبر قابل اعتماد نہیں۔ جتبک کہ وہ تصدیق نہ کرائے۔ پس لشہید کا کیا حال ہوگا یعنی جبکہ تمام امت محمدی شاہد بھی نہیں ہوسکتی تو شہید

کیونکر ثابت ہو گی جس کی صفت احاطہ بر اشیار و حاضر علے لشئے ہوتا ہے - کیونکہ جہاں کہیں خدا نے شہید کا ذکر کیا ہے - وہاں شہادت از روے قرائن مراد نہیں ہے بلکہ شہادت حضوری مراد ہے - چنانچہ در باب شہدا زنا مذکور ہی یعنی زنا اس وقت ثابت ہو سکتا ہے - جبکہ چار ایسے شخص گواہی دیں - جو واقع پر حاضر رہے ہوں اور انھوں نے خود آلہ مرد کو فرج زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو دکھا ذکر ناہ) اگر از روے قرائن یا سماعی شہادت دیں تو قبول نہیں اور زنا ثابت نہو گا - لہذا تمام امت محمدی ہرگز ہرگز شہید علی الناس نہیں ہو سکتی بلکہ یہ شہداء علے النّاسِ خاص خاص نفوس قدسیہ عترت رسولؐ و ذریت خلیل ہیں چنانچہ بتصریح فرماتا ہے وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ جہاد کرو راہ خدا میں جو حق جہاد کرنے کا ہے - اللہ نے تمہیں اس کے لئے پسند فرمایا ہے (اور باوجود اس کے کہ تمہیں حق جہاد ادا کرنے کی تکلیف دی ہے) تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی - کیونکہ تم باسانی حق جہاد فی سبیل اللہ ادا کر سکتے ہو) یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (کیش) ہے اسی نے تم کو مسلم قرار دیا ہے پہلے بھی اور اس میں بھی تمہارے اس نام کا ذکر ہے - کیوں؟ اس لئے کہ تم تمام لوگوں پر شہید رہو اور پیغمبر تم پر شہید -

پس یہ وہ ذریت ابراہیم ہے جو مثل حضرت ابراہیم مسلم باسلام بنوتی ہے اور جس کو حضرت خلیلؑ نے امت مسلمہ کا خطاب عطا کیا ہے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (مجھ کو اور اسمعیل) کو اپنا خاص مطیع و منقاد مطلق بنا اور ہماری ذریت میں

ے بھی ایک امت خاص کو ایسا ہی مسلمان بنایا یہ امت مسلمہ وہ ہو۔ جس میں نبوت وکتاب ہمیشہ بحبل الٰہی رہی ہے اور رہے گی کہ خدا فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتَابَ ہم نے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت وکتاب کو قرار دیدیا ہے نبوت بنص آیہ خاتم النبیین پر ختم ہو گئی۔ مگر بابہ النبوۃ یعنی کتاب عترتِ رسولؐ میں ہمیشہ ہمیشہ باقی ہے۔ جو ذریتِ ابراہیم و امت مسلمہ ہیں۔ اور امام امتِ محمدی و وارثِ رسالت و اہل بیتِ نبوت ہیں۔ پس یہ شہداء اوصیاء رسولؐ خدا یعنی ائمہ ہدےٰ علیہم الصلواۃ والسلام ہی ہیں نہ اور کوئی (کماتر) تمام امتِ محمد ہر گز ہر گز شہید علی الناس نہیں ہو سکتی ؛

طریق شہادت

جب یہ معلوم ہو گیا کہ شہید تین ہیں۔ خدا۔ پیغمبرؐ اور ائمہ ہدےٰ اور ہر پیغمبر اپنی اپنی امت میں شہید ہوتا ہے جیسا کہ آیہ شریفہ وکیف اذا جئنا من کل امة بشہید (الخ) سے ظاہر ہے اور حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کُنْتُ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مَّا دُمْتُ فِيهِمْ جب تک میں بنی اسرائیل میں رہا ان پر شہید تھا۔ مگر ہر ایک پیغمبر صرف اپنی ایک امت پر اس زمانہ خاص کے لئے شہید ہوتا ہے اور ہمارے پیغمبرؐ چونکہ نبی مطلق ہیں۔ اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق انکی نبوت سے خارج نہیں ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا بزرگ و برتر ہے وہ ذاتِ پاک جس نے اپنے بندہ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہو پس چونکہ پیغمبرؐ تمام عوالم یعنی جملہ ماسوائے اللہ پر نذیر ہے اس لئے تمام عوالم پر شہید ہے

اور ہمارے پیغمبرؐ چونکہ نبی مطلق ہیں اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق انکی نبوت سے خارج نہیں ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا بزرگ و برتر ہے وہ ذاتِ پاک جس نے اپنے بندہ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہو۔ پس چونکہ

پیغمبر تمام عوالم یعنی جملہ اسوائے اللہ پر مدبر ہے اس لئے تمام عوالم پر شہید ہے اور اسی طرح قائم مقام پیغمبر حضرت ائمہ علیہم الصلواۃ والسلام بھی جملہ اسوائے اللہ پر شہید ہیں۔ لہذا اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر یا امام کس طرح تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور کس طرح ان پر حاضر و ناظر رہتا ہے آیا ہر ایک چیز اس کے سامنے حاضر ہوتی ہے یا وہ تمام چیزوں پر حاضر ہوتا ہے صورت اول شکل بلکہ ناممکن اور خلاف مشاہدہ ہے کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبر و امام کے سامنے جاتا ہے اور اس کے سامنے ہر ایک عمل کرتا ہے اور نہ اور دوسری چیزیں اسکے پاس جاتی ہیں اس لئے صورت دوم ہی صحیح اور درست ہے اور پیغمبر و امام ہر شے پر حاضر ہوتا ہے اور تمام چیزیں اسکے پیش نظر رہتی ہیں لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ پھر کس طرح سے وہ تمام اشیاء پر حاضر ہوتا ہے؟ اور وہ کون سی قوت ہے جس کے ذریعہ سے تمام چیزوں پر احاطہ رکھتا ہے ؛

شہید داخلی و شہید خارجی

انسان دو شہید رکھتا ہے۔ ایک شہید داخلی اور اسی کی طرف اس آیہ مبارکہ میں اشارہ فرماتا ہے وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَہُمْ یُوْزَعُوْنَ حَتّٰی اِذَا مَا جَاءُوْہَا شَہِدَ عَلَیْہِمْ سَمْعُہُمْ وَاَبْصَارُہُمْ وَجُلُوْدُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ؛ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِہِمْ لِمَ شَہِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَّہُوَ خَلَقَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْہَدَ عَلَیْکُمْ سَمْعُکُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُکُمْ وَلَا جُلُوْدُکُمْ وَلٰکِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعْلَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ اور جس دن دشمنانِ خدا آتش جہنم کی طرف اکھٹے کئے جائیں گے پس وہ محبوس ہونگے یہانتک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو ان پر ان کے کان آنکھیں اور انکی شرمگاہیں اُس پر شہادت دیں گی جو کچھ کہ وہ

کرتے تھے اور وہ اپنی شرمگاہوں سے کہینگے کہ تمنے کیوں ہمارے خلاف شہادت دی۔ تو وہ کہیں گی کہ ہمکو اُس خدا نے گویائی عطا کی جس نے ہر شے کو نطق عنایت فرمایا ہے اور اسی نے پہلے تم کو خلق کیاہے اور اسی کی طرف تم رجوع کرتے ہو اور تم اسبات کو چھپا نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان آنکھ اور شرمگاہیں تمہارے اوپر گواہی دیں لیکن تم یہ گمان کرتے تھے کہ خدا تمہارے بہتسے عملوں کو نہیں جانتا ہے پس اس گمان نے تم کو ہلاک کیا ہے اور تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوئے۔ پس اعضائے انسانی اعمال انسان پر شہید ہیں۔ اور کوئی انسان اسپر قادر نہیں ہے کہ اپنے کان آنکھ اور شرمگاہوں سے اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھ سکے۔ یہ کان آنکھ کس طرح شہید ہیں؟ یہ خود شاہد نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک قوت ہے اسکے ذریعہ سے یہ شاہد ہیں۔ وہ قوت انسانیہ ہے تمام اعضا و جوارح اسکے تابع ہیں۔ گویا شہید باطنی انسانی خود نفس انسانی ہے جو کچھ عمل انسان کرتا ہے نہیں ثبت و ضبط ہوتا رہتا ہے اور کوئی شے نفس سے پوشیدہ نہیں رہتی اعضا و جوارح جو اسکے آلات ہیں روز قیامت اُن سے یہ باتیں ظاہر ہونگی۔ اور صاف صاف بیان کردیں گے۔ لیکن جب انسان مرجاتا ہے۔ تو یہ قوت انسانی اس سے جاتی رہتی ہے۔ لہذا اس وقت اسکے اعضاء و جوارح قابل شہادت نہیں رہتے۔ کیونکہ وہ اسی قوت کے ذریعہ سے شہید تھے نہ خود "وجاءت کل نفس معہا سایق وشہید"۔

دوسرا شہید خارجی ہے اور وہ نبی یا امام ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ یہ شہید خارجی کس طرح سے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟ یہ بھی اپنی قوت روحانی باطنی کے ذریعہ سے تمام عوالم پر شہید ہے۔ جس طرح انسان بہ قوت انسانی اپنی مملکت پر شہید ہے اور اسی قوت کے ذریعہ سے اس کے تمام اعضاء و جوارح۔ اس انسان میں جو تمام عوالم پر شہید ہے۔ ایک ایسی قوت دقوت روح نبوتی و امامتی ہوتی ہے۔ کہ اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ وہ سب سے فوق اور سب پر غالب ہے جس طرح روح انسانی

جسم انسان پر غالب ہے اور اس پر احاطہ رکھتی ہے۔ اسی طرح روح اعظم نبوتی جمیع عوالم پر احاطہ رکھتی ہے۔ پس نبی و امام اسی روح کے ذریعہ سے شہید ہیں نہ از روے جسم مثال اسکی مثل آفتاب عالم تاب ہے کہ اسکا محل اور مقام ایک جگہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی نورانی شعاعیں تمام عالم میں پھیل جاتی ہیں علاوہ بریں جو اس سے پرے ہیں ہو روح انسانی عالم خواب میں بھی اپنی مملکت جسمانی پر شہید ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو روح اسکی مثلاً ایک دور دراز مقام پر سیر کرتی ہے لیکن اس عالم سیر و سیاحت میں اپنے جسم سے بے خبر نہیں رہتی البتہ ایک معمولی اعراض ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر ایک مچھر انسان کے کسی عضو میں سے خون جذب کرے فوراً روح مطلع ہوتی ہے۔ اور فوراً اسکا دفعیہ کرتی ہے۔ پس اگر وہ اس عالم خواب میں اپنے تمام جسم پر احاطہ نہ رکھتی ہوتی تو ہرگز اس سے مطلع نہ ہوتی اور اسکا دفعیہ نہ کر سکتی پس معلوم ہوا کہ روح کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے وہ ہر حال میں اپنے تمام جسم پر حاضر و ناظر ہے۔

اسی طرح سے شہید کل بقوت روحانی نبوتی و امامتی تمام عالم امکان پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور کوئی اس سے پوشیدہ نہیں رہتی اس کی نورانی شعاعیں جملہ عوالم امکانیہ پر محیط ہیں۔ اگرچہ وہ خود ایک مقام و مکان میں ہو اور اس کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ پیغمبر خواب سے بیدار ہو کر بلا تجدید وضو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پس شہید کے لئے خواب و بیداری مساوی ہی اور کیوں نہو۔ خداوند عالم خواب سے بری ہے۔

لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ نہ اسکو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

پیغمبر مظہر صفات واجب الوجود ہے۔ اس پر خواب واقعی کب طاری ہو سکتا ہے وہ بھی شہید اور یہ بھی شہید۔ اور انکی مثال آفتاب و شعاع آفتاب ہو۔ کہ شعاع

آفتاب غیر آفتاب ہی - مگر آفتاب سے جدا نہیں - اور ظہور کمالِ آفتاب اور اُسکے آثار کا اُس شعاع کے ذریعہ سے ہوتا ہے - پس وجودِ پیغمبری شعاع آفتاب سرمدی ہے - اور مظہر کمالاتِ خداوندی - اور چونکہ خداوند عالم سے جو خلاقِ زمین و آسمان ہے کوئی شئے پوشیدہ نہیں - اسواسطے اس نورِ خدا سے بھی کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے -

اور مظہر کمالات الہی پیغمبرؐ ہے اور قائم مقام پیغمبر امام لہذا امامؑ سے بھی کوئی شئے پوشیدہ نہیں - ہر چیز کو دیکھتا اور ہر آواز کو سنتا ہے اور خدائے تعالے اس کان کی تعریف میں فرماتا ہے "وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ" اور ضبط رکھتا ہے تمام آوازوں کو وہ کان جسمیں اتنی ظرفیت ہے کہ سب آوازیں سما جاتی ہیں - اور اُسمیں ثبت ہو جاتی ہیں اس کان کی صفت "اذن واعیہ" ہے نہ "اذن سامعہ" یہ کون سا کان ہے؟ جو تمام آوازوں کو ایک دفعہ سنتا اور سب کو ضبط کرتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے کیا عام کانوں میں یہ قوت ہے؟ ہرگز نہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص آہنگروں کے بازار میں گذرے - جہاں ہزاروں ہتھوڑوں کی آوازیں بلند ہوں - تو وہ ان تمام آوازوں کو ہرگز ضبط نہیں کر سکتا - کیونکہ اسمیں اتنی قوت اور استعداد اور ایسی ظرفیت نہیں ہے - پس اس کان کی ظرفیت کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو جمیع موجودات کی آوازوں کو سنتا ہے اور سب کو ایک دفعہ ضبط کر لیتا ہے - یہ اس شخص کا کان ہو سکتا ہے - جو اس واجب الوجود کا مظہر ہو جس کی صفت یہ ہے "لَا تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ الْاَصْوَاتُ" آوازیں اسپر مشتبہ نہیں ہوتیں - ہر ایک آواز کو علیحدہ علیحدہ سنتا ہی وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ اس کان کی تشخیص کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر امام فخر الدین رازی کہ یہ گوش گوشِ جناب امیر ہے علیہ الصلوۃ والسلام -

چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں تحت آیہ مجیدہ "وتعیہا اذن واعیہ" تحریر فرماتے ہیں کہ اس کان سے مراد گوش امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ ہے اور یہ کوئی استبعاد

واستعجاب کا مقام نہیں ہے کہ امام تمام آوازوں کو سن لیتے اور ضبط رکھتے ہیں جبکہ ہم مادہ کثیفہ سے بنائی ہوئی انسانی مصنوعات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں آوازیں فوراً ضبط وثبت ہو جاتی ہیں اور قوتِ امامت فوق جمیع قوائے ہے ضرور اسکی قوت وظرفیت ایسی ہی ہے کہ اسمیں تمام آوازیں ضبط وثبت ہو جائیں ؛

رویتِ اعمال

امام ہر ایک کی آواز کو سنتے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ" الخ کہدو اے پیغمبرؐ کہ عمل کرو خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور اسکا رسولؐ اور مومنین۔ اول اعمال کو دیکھنے والا خدا ہے اور اسکی رویت رویت بالذات ہے۔ دوم اسکا پیغمبرؐ اور اسکی رویت رویت بالتبع ہے سوم اعمال کے دیکھنے والے وہ مومنین خاص ہیں۔ جو نوابِ پیغمبرؐ واوصیاء پیغمبرؐ اور اسکے قایم مقام مثل اسکے ہیں (کما اسبقنا الیہ) آیہ مجیدہ میں لفظ "یَرَى" ایک بار آیا ہے اور رویت میں تینوں شریک ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ اصل رویت بقوت نورانیہ الٰہیہ ہے اور پیغمبر وامام مظہر صفات الٰہیہ اور وہ قوت تمام عالم پر محیط ہے اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں۔ نبی امام مرکزِ قوت برقی ہے۔ اور ہر شئے میں قوت برقی موجود ہے اور یہ قوت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے "بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ" ہر ایک شے کی قوت باطنی وملکوت اسکے ہاتھ میں ہے اور دستِ خدا اول محمد مصطفےٰؐ ہے کما قال اِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ اَيْدِيهِمْ" ؛

اے پیغمبر جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہوتا ہے یعنی دستِ محمدی دستِ الٰہی ہے۔ "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى" اے پیغمبرؐ تو نے خاک نہیں پھینکی جبکہ پھینکی۔ لاکن اللہ

نے پھینکی ہے یعنی تیرا ہاتھ دستِ خدا ہے اور تیرے ہاتھ کا فعل فعلِ خدائی ہے۔ پس تمام ملکوتِ اشیاء دستِ الٰہی یعنی دستِ محمدی میں ہیں ۔ وہ مرکز قوائے عالم ہیں پس اسکی قوت فوق تمام اشیاء ہے۔ اور وہ سب پر حاکم و قابض ہے۔ اور کوئی شئے اُس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور اسی طرح امامؑ جو مظہر ثانی ہے اس قوتِ نورانیہ سے تمام کام کرتا ہے اور تمام اعمال دیکھتا ہے اور خداوند عالم رب العالمین ہے اور یہ رب الارض قال عزوجل "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّہَا" زمین اپنے مربی (امام) کے نور سے روشن ہوجائے گی ملاحظہ ہو قوت نورانی امامؑ کہ آفتاب باوجود اس قدر عظمت وسعت کے کہ زمین سے کہیں زیادہ بڑا ہے ایک مرغی کے انڈے کو بھی چاروں طرف سے ایک وقت میں روشن نہیں کرسکتا۔ چنانچہ دھوپ میں انڈا رکھا جائے تو ضرور ہلکا سایہ پڑیگا اور ایک طرف تاریکی رہ جائے گی۔ مگر نورانیت امامؑ ایسی ہے کہ تمام زمین ہر طرف سے روشن ہوجائے گی اور چمک اُٹھیگی۔ یہی وہ قوتِ نورانی ہے جس کے ذریعہ سے خدا اپنے بندوں کو ظلماتِ شرک وکفر سے نورِ ہدایت و عالم انوار کی طرف نکالتا ہے "اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ"

قوتِ ملکوتی

مسلّم اور محقق ہے کہ ہر ایک شے میں ایک حرارت موجود ہے اور اُس حرارت سے وہ حرکت کرتی ہے اور ہر شئے اجزائے بسیطہ پر منتہی ہوتی ہے اور اجزائے بسیطہ میں بھی حرارت موجود ہے یہ شئے فنا ہوجاتی ہے اور حرارت باقی رہتی ہے یہی باطن شئے اور ملکوت اشیاء ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قوت برقی کے لئے ایک خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہاں سے حسبِ ضرورتِ اہلِ شہر شہر میں پہنچائی جاتی ہے۔ اسی طرح وجود محمدیؐ اس حرارتِ عالم امکان کا مرکز ہے اور وہاں سے یہ قوت عوالمِ امکانیہ میں متفرق ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شئے یا جو مقام اس خزانۂ برقی سے قریب تر ہوتا ہے۔ اسی قدر اُسمیں حرارت زیادہ ہوتی ہے پس جو وجود اس

مرکزِ عالمِ امکان سے جس قدر قرب کہتے ہیں اسی قدر ان میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اور اس حرارت والے رستم وسہراب کو بھی شمار میں نہیں لاتے۔

شجاعت اقربِ اجزائے محمدی

بقوائے ظاہر یہ تو دس سال کا بچہ ایک مرد جنگ آزمودہ و تجربہ کار کو ہرگز ہرگز قتل نہیں کر سکتا بلکہ معمولی انسان کو بھی قتل نہیں کر سکتا خصوصاً جبکہ یہ شخص بھی اس بچہ کو قتل کرنیکا ارادہ رکھتا ہو اور آمادۂ پیکار ہو پس اگر یہ بچہ اس مرد میدان کو قتل کر دے اور مار ڈالے تو یہ اسکی قوت برقیہ اور قوت ملکوتی کی زیادتی اور مبدئے سے قریب ہونیکا اثر اور نتیجہ ہے یہی وجہ تھی جو انصاران حسین میں سے نو نو دس دس سال کے بچے وہ داد شجاعت دیتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ کیونکہ وہ بچے مرکزِ قوتِ برقی محمد مصطفےٰ سے قریب تر تھے اور یہ امر کچھ بنی ہاشم ہی سے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ عرب بیابانی و بدوی کے بچے سے بھی یہی آثار ظاہر ہوئے تھے ؛

اطفالِ خورد سالِ کرب وبلا نے روزِ عاشورا ایک سو نو مردوں کو قتل کیا ہے یعنی ہاشمی و غیر ہاشمی نے منجملہ اُن کے ایک بچہ شاید سوید بن عمر بن ابی مطاع کا ہے۔ سوید کی عمر اس وقت ۹ سال کی تھی۔ قائم اللیل وصائم النہار تھے۔ جس وقت میدان میں تلوار لیکر بڑھے ہیں کسی کو مقابلہ کی تاب نہ تھی اور کوئی سامنے نہ آتا تھا۔ مگر ملاعین نے دوڑ کر تیر برسانے شروع کر دیئے اور آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے ابھی کچھ جان باقی تھی کہ اُن کا ایک بچہ جس کا سن نو دس سال کے درمیان تھا۔ خیمہ سے نکلا۔ امام مظلوم اسوقت تلِ زینبیہ پر متفکر کھڑے تھے۔ کیونکہ اسوقت حضرت کے جان نثاروں میں سے صرف تیس یا کچھ زیادہ اشخاص باقی رہ گئے تھے۔ وہ بھی اکثر زخمی آپ نے دیکھا کہ ایک بچہ تلوار کو لاٹھی کی طرح ہاتھ میں لئے ہوئے خیمہ گاہ سے نکلا جو اسکے قد سے بلند تھی اس بچے کو معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے حضرت کے پاس آیا اور عرض کیا۔

"وعلیک السلام یا ابا عبد اللہ" حضرتؑ نے داہنی طرف جو نظر کی تو دیکھا کہ ایک
بچہ ہے فرمایا اسکو واپس کردو اسکی ماں کو گوارا نہ ہوگا کہ یہ لڑنے جائے۔ بچہ نے عرض کی
کہ میری اماں ہی نے فرمایا ہے کہ میں میدان کو جاؤں اس معصوم کا یہ کلام سُنکر
امام مظلوم پر رقت طاری ہوگئی اور وہ بچہ میدان کی طرف روانہ ہوگیا۔ صاحب عوالم لکھتے ہیں کہ اس نے
سات اشقیا فی النار کئے لیکن باقی محدثین و مورخین لکھتے ہیں کہ صرف دو شخصوں کو قتل کیا اس معصوم صغیر السن پر آٹھ
کافروں نے حملہ کیا اور اسکو شہید کر ڈالا اور اسکا سر کاٹ کر اسکی ماں کے آگے پھینکا
ماں کھڑی دیکھ رہی تھی۔ سر کو اُٹھا کر بوسہ دیا۔ اور پھر ایک ملعون کے پھینک مارا
کہ وہ فی النار ہوگیا۔ یہ ہے اثر قرب مرکز نبوت۔ مگر جو شخص اس شجرۂ طیبہ سے ہوگا
اور اس سے صوری و معنوی و ظاہری و باطنی تعلق رکھتا ہوگا اسکا کیا حال ہوگا۔
اس کی طاقت کس درجہ پہنچی ہوگی۔ تمام اصحاب و اقربائے امام مظلومؑ میں
سے اس میدان میں سب سے قریب تر اور سب سے عزیز و محبوب تر آپ کے فرزند
ارجمند جناب علی اکبرؑ شبیہ پیغمبرؐ تھے۔ اس باب میں محدثین کو اختلاف ہے کہ آیا حضرت
علی اکبرؑ افضل تھے یا حضرت عباسؑ لیکن جناب علی اکبرؑ کی جلالت قدر و منزلت سے
فضیلت حضرتؑ کی ثابت ہے اور فقرات زیارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ قریب
بدرجۂ معصومیت پہنچے ہوئے ہیں اور ایسا ہی ہے بھی اور فقرات زیارت
ناحیہ مقدسہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سب سے پہلے شہید ہیں
جب آپ کی نوبت آئی تو آپؑ نے فرمایا تقدم یا بنی "میرے پیارے بیٹے
آگے بڑھو اور راہ خدا میں جہاد کر" حضرت علی اکبرؑ یہ کلام سنکر فوراً روانہ ہوگئے۔
جب چلدئے تو امام مظلومؑ نے واپس بلایا۔ اور تبرکات نبوت اہل حرم سے
طلب کئے۔ تبرکات نبوی میں چھ عمامے تھے جن میں عمامۂ سحاب بھی تھا اور دو زرہیں
تھیں جنمیں سے ایک زرہ ذوالفضول تھی اور ایک زرہ حضرت امیر حمزہؓ تھی چار

گھوڑے اور دو تلواریں دو دستیاں اور دیگر ملبوسات نبوی:

لشکر ابن زیاد اور خیمہ گاہ کے درمیان ایک ٹیلہ تھا اور ٹیلہ کے اس طرف خیمہ اہل حرم تھا۔ صندوق اسباب منگایا اپنا عمامہ حضرت علی اکبرؑ کے سر پر رکھا اور ایک دوسرا عمامہ نکال کر اپنے سر مبارک پر رکھا اپنی قبا انکو پہنائی۔ اور قبلے حضرت رسولؐ خود پہنی اپنی تلوار انکی کمر میں باندھی اور ذو الفقار خود زیب تن کی۔ اور زرہ ذو الفصول کو خود پہنا اور اپنی انکو پہنائی۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور وقت روانگی یہ آیت تلاوت فرمائی "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ اِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر داخل معصومین ہیں پھر فرمایا "اَللّٰهُمَّ اشهد على هؤلاء القوم فانه فقد برز اليهم فتى اشبه الناس خلقًا وخُلقًا ومنطقا برسولك وكنا اذا اشتقنا بلقاء رسول الله نظرنا اليه" جناب امام حسینؑ کا نصف بدن حضرت رسول خداؐ سے شابہ تھا مگر جناب علی اکبرؑ کا کل جسم جناب رسول مقبول سے شاہت رکھتا تھا اور آپ شبیہ المصطفےٰ یعنی ہم شکل پیغمبر کہلاتے تھے۔ جب اس طرح سے جناب علی اکبرؑ روانہ میدان قتال ہوئے تو امام مظلومؑ سواری کے پیچھے اس طرح چلتے تھے۔ جس طرح کہ حاجی قربان گاہ کو قربانی لیجاتے ہیں اور آپ کے سر اور پیشانی پر بوسے دیتے تھے "ومشى على والحسينؑ على القفا تسيل دموع العين منه بوجنته كاضحية فى يوم اضحى الى منى يقبله فى كل ان ولحظة" اسپ عقاب کو بھی طلب کیا جو آجکل عقاب کے نام سے معروف ہی اور غلط ہے اس پر آپکو سوار کیا۔ ساتھ جاتے ہوئے آپ کو خیال آیا کہ اگر اس طرح آپ بھی حضرت علی اکبرؑ کے ہمراہ میدان کو چلے جائیں گے تو تمام مخدرات عصمت وطہارت خیمہ گاہ سے نکل پڑیں گی وہیں

بکھر گئے۔ جس وقت یہ نور محمدیؐ اور امام حسینؑ کے دل کا ٹکڑا میدان میں پہنچا اور شعشعۂ نور محمدیؐ لشکر پر پڑا ہر ایک فرقہ لشکر نے ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کیا کہ ہم نے کیا کیا ہے۔ اور کس سے لڑ رہے ہیں۔ خود رسولؐ خدا میدان میں تشریف لائے ہیں۔ جب شور و غوغا بلند ہوا تو کہا یہ رسولِ خدا نہیں بلکہ علیؑ اکبر شبیہ پیغمبرؐ جگر گوشہ فرزند رسولؐ ہے۔ آپ نے لشکر پر حملہ کیا پہلے حملے میں (۱۲۰) اشقیا کو واصل جہنم کیا۔ در آنحالیکہ آپ کے جسم مبارک پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا۔ مگر تشنگی نے سخت غلبہ کیا اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا "یا ابتاہ العطش قد قتلنی" اے پدر بزرگوار پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے۔ امامؑ نے جواب میں صرف یہی فرمایا کہ اے بیٹا اب تمکو تمہارے جد بزرگوار آب کوثر سے سیراب کریں گے اور پھر کبھی تشنہ نہ ہو گے۔ پھر حضرتؑ میدان میں تشریف لے گئے، اور اسی نامردوں کو فی النار کیا اور یہ تمام حملاتِ حضرت علی اکبر بیرق شرطۃ الخمیس پر تھے جہاں تمام بہادر جمع تھے اور اتنے عرصہ میں ایک زخم بھی نہ کھایا تھا حصین ابن نمیر لعین نے جب یہ دیکھا۔ لشکر کو پکار کر کہا کہ علم بلند کرو اور لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں طرف سے حملہ کرنیکا حکم دیا اس وقت دیکھا گیا کہ آپ خیمہ گاہ کے دائیں جانب چلے اور گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے اور گھوڑا آپ کو لئے جاتا تھا۔ ربیع ابن تمیم ملعون نے کہا کہ یہ بہانہ کرتا ہے اکشخص نے دیکھ کر کہا کہ بہانہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ جان سے گزر چکا ہے اور سر تا پیشانی شگافتہ ہے "فاحاطوہ من کل جانب" یہ شکر ان ملاعینوں نے چاروں طرف سے اس مظلوم کو گھیر لیا "وقطعوہ باسیافھم اربا اربا" اور اس برگزیدہ خدا اور ہمشکل مصطفیٰؐ کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

موعظہ ششم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامہم

"ھذان خصمان اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق رءوسھم الحمیم"

مقدمات سابقہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر ایک شخص کا عمل کسی کے زیر تبعیت صادر ہوتا ہے۔ اور اسی سے ماخوذ ہوتا ہے اور اس شخص کو امام (پیشوا) کہتے ہیں۔ تمام احکام عملیہ اسی کی طرف منتہی ہوتے ہیں۔ اور روز قیامت اسی کے ساتھ اس شخص کا حشر ہوگا "یوم ندعوا کل اناس بامامہم" روز قیامت ہر شخص کو اسکے امام کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔ اگر یہ شخص (امام) از جانب خدا ہے تو اسکی پیروی اور اقتدا کرنے والا نعیم جنت سے منتفع ہوگا اور اگر از جانب خدا نہیں ہے بلکہ از طرف شیطان اور خود ساختہ امام ہے تو اسکو آتش جہنم کی طرف لے جائیں گے "کما قال عز وجل" "وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار" اور ان کو ایسا امام بنایا ہے کہ وہ لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں:-

تقرر امام

پس آیا ممکن ہے کہ انسان خود اپنے لئے امام مقرر کرے؟ آیہ مبارکہ "انی جاعلک للناس اماما" دلالت کرتی ہے کہ تقرر امام از جانب خدا ہے۔ کیونکہ وہ ہی خالق ہے اور وہی صاحب دین ہے اور دیانت اسی کی طرف سے ہے۔ پس وہ ہی انسان کی حوائج ضروریہ پر حاوی ہے اس لئے کہ اسی نے اسکے اجزاء کو ترکیب دی ہے پس وہ ہی امام کو مقرر کرسکتا ہے اور ضرور ہے کہ اس

شخص کو امام بنائے - جو عالم فطریات وضروریاتِ انسانیہ ہو یہ تو مسلم ہے کہ نبی کو خدا مقرر کرتا ہے - آیا امام کو غیر از خدا کوئی مقرر کر سکتا ہے اور آیا امامت ونبوت دو رشتے جدا گانہ ہیں یا ایک؟ البتہ اگر امامت غیر نبوت ہی - تو شاید لوگ خود امام مقرر کر سکتے ہوں - لاکن آیہ شریفہ "وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوْا لَنَا عَابِدِیْنَ" اور ہم نے ان کو امام بنایا ہے - جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے انکو فعل خیرات واقامۃ الصلوٰۃ وادائے زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہماری ہی عبادت گزار تھے - انبیاء کی شان میں نازل ہوئی ہے اور انبیاء کو امام کہا گیا ہے -

پس معلوم ہوا کہ نبوت وامامت ایک ہی رشتہ ہے اور ایک ہی سلسلہ ہے اور تقرر نبی از جانب خدا مسلم ہے - لہذا تقرر امام بھی از طرف خدا ہی ہوگا اور چونکہ امامت میں بحکم آیہ مذکورہ وحی شرط ہے - لہذا تقرر امام از غیر خدا قطعاً محال ہے - کیونکہ وحی از جانب خدا ہے - لہذا تقرر امام بھی از جانب خدا ہی ہوگا - مگر یہ کہ وحی - وحی شیطانی ہو تو البتہ تقرر اس کا از جانب شیطان ہوگا "فَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِهِمْ" شیاطین اپنے اولیاء کو وحی کرتے ہیں -

توضیح اسکی یہ ہے کہ رسالت ونبوت خاص ہے ایک قوم اور ایک زمانہ سے اور امامت عام ہے تمام لوگوں کو شامل ہے "الامامۃ ریاسۃ عامۃ" پس امامت فوق نبوت وافضل از نبوت ہے چنانچہ حضرت ابراہیم کو یہ عہدہ امامت بعد نبوت ورسالت وخلت عطا ہوا ہے "قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" آپ میں تجھے تمام لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ - آپنے خوش ہو کر عرض کیا میری ذریت کو بھی یہ عہدہ عنایت ہوگا حکم ہوا کہ عہدۂ امامت ظالمین کو نہ پہنچیگا - البتہ صالحین خلعتِ امامت سے ممتاز ہوں گے

ظلم دو قسم کا ہوتا ہے - ایک ظلم جلی اور وہ شرک ہے کما قال عزّ وجلّ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ، تحقیق کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور ظلم خفی تمام معاصی ہیں - پس عہدہ امامت دونوں قسم کے ظالموں یعنی مشرکوں اور گنہگاروں کو نہیں پہنچ سکتا جو ان دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہے وہ امام ہے - پس امامت خاص معصومین سے مختص ہے غیر معصوم کا اسمیں کوئی حصہ نہیں - وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ شاہد ہے کہ امامت خاص ذریت حضرت ابراہیمؑ ہی میں ہے اور یہ سلسلہ امامت آخر کار بجناب خاتم الانبیاءؐ منتہی ہوتا ہے اور خدا نے انکو امام بنایا - لیکن جناب خلیلؑ وحبیبؐ تک تو یقیناً یہ سلسلہ و تقرر امام خداوند عالم کے ہاتھ میں رہا بعد خاتم النبیینؐ کہاں گیا؟ کیا لوگوں کے اختیار میں چلا گیا - کہ اب لوگ امام بنالیا کریں؟ آیہ مجیدہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ الخ شاہد ہے کہ اُمت مسلمہ تا بعثت رسولؐ و وقت بعثت رسول موجود رہی ہے اور چونکہ جعل جعل الٰہی ہے قیامت تک اُمتِ مسلمہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود رہے گی اور عہدہ امامت ہی ذریت کے واسطے ہے اور اسی امت مسلمہ سے مخصوص ہے جن میں سے پیغمبرؐ مبعوث ہوا ہے بس کیونکر ممکن ہے کہ بعد حضرت ختمی مرتبت یہ عہدہ دوسرے عوام الناس کے ہاتھوں میں چلا جائے اور اُن کو تقرر امام کا اختیار دیا جائے حالانکہ خدائے تعالےٰ صاف فرماتا ہے وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو جس کام کے واسطے چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور اختیار فرماتا ہے - اگر مسئلہ خلافت لوگوں کے اختیار و اجماع پر موقوف ہوتا - اور لوگوں کی رائے کو وہاں مدخلیت ہوتی - تو معصومینؑ ضرور اسکے سزاوار تھے کہ انکی رائے قبول ہو - اور اس صورت میں ملائکہ کا اعتراض اور اُن کا اجماع برخلاف خلافتِ حضرت آدمؑ مقبول ومسموع ہوتا - لیکن ایسا نہ ہوا

پس جب ملائکہ معصومین و مقربین کی رائے کو مسئلہ خلافت میں مدخلیت نہیں تو غیر معصومین کی رائے کیونکر صحیح ہو سکتی ہے "فَاعْتَبِرُوْا يَا اُوْلِی الْاَبْصَار" بعد رسول امت مسلمہ باقی ہے اور امامت اسی کے واسطے ہے۔ پھر کیونکر دوسرے سلسلے میں جا سکتی ہے اور اوصاف امامت تمام اوصاف الہٰی ہیں جن میں سے ایک شہید ہونا ہے جس کا ذکر کیا گیا وہ کیونکر باختیارِ خود حاصل ہو سکتا ہے؟

تفسیر عہد

حضرت ابراہیم نے امامت کا اپنی ذریت کے لیے سوال کیا "وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ" جواب میں فرمایا "لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ" یعنی میرا عہد مشرکوں۔ کافروں اور گنہگاروں کو نہ پہنچیگا۔ یہ نہیں فرمایا کہ امامت گنہگاروں کو نہیں پہنچے گی۔ بلکہ اسکو عہد سے تعبیر و تفسیر کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر لفظ امامت فرمایا جاتا تب بھی مطلب حاصل تھا اور کوئی نقص لازم نہ آتا تھا۔ پس کیوں لفظ عہد کو مخصوص کیا گیا؟ ضرور اس میں کوئی نکتہ ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت ایک عہد بزرگ ہے اور وہ عہد عصمتِ مطلقہ ہے "كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ" "لَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا پس اس نے ترک کیا اور ہم نے انہیں عزم بالجزم نہ پایا و قال۔ "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یَا بَنِیْ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطَانَ" اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا ہے۔ کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ پس معلوم ہوا کہ جس نے کسی امر میں بھی شیطان کی اطاعت و پیروی کر لی۔ وہ عہد الہٰی سے خارج ہوا اور جو تمام امور میں اطاعت و عبادت شیطانی سے محفوظ و مصئون و معصوم رہا۔ اُس نے معاہدہ الہٰی کو لے لیا اور جس نے اس معاہدہ الہٰی کو لے لیا وہ امام ہے۔ اور وہی روز قیامت مالکِ شفاعت ہے۔ چنانچہ آیہ "لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا" نہیں مالک ہونگے شفاعت کے مگر وہ ہی جنہوں نے عہد الہٰی کو لے لیا اس سے صاف

دلالت کرتی ہے۔

شفاعت جزئیہ و شفاعت کلیہ

شفاعت دو قسم پر ہے کہ ایک شفاعت بالاذن۔ دوم شفاعت بالملکیت۔ اور شفیع دو قسم کے ہیں ایک وہ جو باذن شفاعت کریں گے۔ دوم وہ جو بالعہد مالک شفاعت ہیں۔ اور اس وقت اُن کو اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب اذن کے حق میں خدا فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ خدا کے اذن بغیر کون اُس کے پاس شفاعت کر سکتا ہے اور دوسروں یعنی مالکان شفاعت کے حق میں فرمایا ہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا پس یہ لوگ بعہد الٰہی مالک شفاعت و متصرف بالملکیت ہیں۔

معنی شفاعت

شفاعت اور حق شفع ایک ہی مادے سے ہیں اور شفع کے یہ معنی ہیں کہ دو شخص جو ایک ملکیت میں شرکت رکھتے ہیں اور وہ ملکیت غیر منقسم ہے۔ اگر اُن میں سے ایک شخص اپنے حصے کو کسی دوسرے غیر شریک کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ شریک ملک اسکو اپنے حق شفع میں لے سکتا ہے اور کہ سکتا ہے کہ میں اسمیں شراکت رکھتا ہوں۔ میں نے اسکو اپنے حق شفع میں خرید لیا پس بلا ملکیت و شراکت حق شفع ثابت نہیں ہو سکتا اور شفیع بلا مالک ہوئے شفیع نہیں ہو سکتا۔ اور متصرف نہیں ہو سکتا۔ اور تصرف ملکیت سے ثابت ہوتا ہے اور ملکیت و مالکیت دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کا بالذات مالک ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ مالک بالذات حق ملکیت کسی کو عطا کر دے اور حق ملکیت قبضہ سے ہوتا ہے اور معنی قبض ولایت مطلقہ و تصرف مطلق ہے اور آیہ مجیدہ "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم" اسی پر دال ہے۔ نبی مومنین کا خود اُن کے نفسوں سے زیادہ مالک و متصرف مطلق ہے ملکیا تصرف رکھتا ہے اور اتنا اختیار ہے کہ نماز جو رکن دین ہے اور انسان خدا کے لئے پڑھتا ہے اگر نبی اسکو

اسی وقت میں آواز دے نماز نہیں پڑھ سکتا اور اس کو اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح بخاری اسپر دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا آنحضرتؐ نے اس کو بلایا اور آواز دی وہ نہ آیا جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو حاضر خدمت ہوا آپنے دریافت کیا کیوں نہیں آیا اور کیوں جواب نہ دیا عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا تونے نہیں سنا کہ خدا فرماتا ہے اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ اِذَا دَعَاکُمْ جواب دو خدا اور اس کے رسولؐ کو جس وقت بھی وہ پکاریں پس معلوم ہوا کہ پیغمبر عبادت کا بھی مالک ہے کیونکہ حق ملکیت و تصرف من اللہ رکھتا ہے اور ولی مطلق ہے اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ سوا اسکے نہیں ہے کہ تمہارا مالک اور تم پر متصرف خدا اور اسکا رسول ہیں اور کیونکر اسکو ایسا حق حاصل نہو حالانکہ وہ نماز میں شریک ہے جو حد توحید ہے اور بلا اسپر درود بھیجے نماز باطل ہے! اور بلا اسکے عفو کئے خدا لوگوں کے گناہوں سے درگزر نہیں کرتا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اور جبکہ لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر وہ تیرے پاس آتے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے اور رسولؐ بھی خدا سے انکی مغفرت چاہتا۔ تو ضرور وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ بلا عفو و استغفار رسولؐ مغفرت ممکن نہیں۔ اگر رسولؐ لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرے خدا بھی معاف کردے گا۔ ورنہ اگر رسولؐ عفو نہ کرے۔ خدا نہ بخشیگا۔ پس جبکہ پیغمبرؐ مالک و متصرف ہے اور حق شرکت و ملکیت رکھتا ہے تو وہ ہی مالک شفاعت بھی ہے اور پل صراط کے پاس کھڑا ہوگا اور فرمائے گا ھٰذَا لِیْ وَ ھٰذَا لَکَ یہ میرا ہے اور یہ تیرا یعنی جو تحت ولایت پیغمبرؐ داخل ہوگا۔ اسکو حق شفع میں لے لیگا کیونکہ حق تصرف حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر ملکیت شفاعت حاصل نہیں ہوسکتی مگر ان لوگوں کو جن کا وجود دلیل خدا ہے اور وہ حجج اللہ و ادلہ علی اللہ و آیات بنیات الٰہی و علت موجودات

ہیں حقِ شفاعت معلم و استاد سے شروع ہوتا ہے اور اسکو حقِ شفاعت حاصل ہے اور ضرور اذن دیا جائے گا کہ اپنے شاگردوں کی شفاعت کرے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ اس نے بچے کو تعلیم دی ہے اور راہ خدا کی طرف ہدایت کی ہے اور اسکو توحید سکھائی ہے پس اس کا وجود بھی دلیل بر خدا ہے۔ یہاں بھی یہ امر مشاہد و محسوس ہے کہ جب بچہ باپ کا کوئی قصور کرتا ہے تو اگر معلم و استاد باپ کے پاس اُس کے بچے کی شفاعت و سفارش کرے تو باپ اسکی خطا معاف کردیتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی بچہ پر حق رکھتا ہے اور شریک پدر ہے۔ کیونکہ وہ مربی جسم ہے اور معلم و استاد مربی روح پس اسی طرح روز قیامت بھی اسکی شفاعت مقبول ہوگی۔ کیونکہ اسکا وجود دلیل بر خدا ہے۔ اور اُس نے بچے کو توحید کی طرف دلالت کی ہے۔ الیکن اسکے وجود کی دلالت منحصر و محدود ہے اسلئے اسکے اثرات بھی محدود اور اسکی شفاعت بھی محدود۔ مگر نبی چونکہ مربی مطلق ہے و معلم کل ہے اور تمام شریعت و دیانت اثر و دلالت وجود نبیؐ ہے کہ اُس نے سارے احکام اپنی زبان صداقت ترجمان سے بیان فرمائے اور تعلیم دیئے ہیں اور تمام اعمالِ امت اُس سے پیدا ہوئے ہیں اور اس سے ماخوذ ہیں۔ اور اس تعلیم کے اثرات تماما نبیؐ کی طرف لوٹیں گے۔ اور رجوع کریں گے اور اُن کو بھی جزائے عمل ملے گی۔ پس وجود نبیؐ حقیقتِ شفاعت ہی اور اس سے وہ فرمائے گا۔ یہ تمام تعلیمات میری ہیں۔ شیطان کو کیا حقِ شرکت حاصل ہے پس اس شخص کو اپنے حقِ شفع میں لیتا ہوں۔ اور یہی معنی شفاعت ہیں۔ شفاعت در اصل حقیقتِ دلالات وجودیہ اولیٰ علی اللہ ہے کہ آخرت میں صورت شفاعت پیدا کرے گی۔ حضرت رحمۃ للعالمین و نذیر للعالمین بدلالت تامہ وجودیہ مالکِ عہدِ شفاعت ہوئے۔ اور آنحضرتؐ کے خلفاء و اوصیاء بھی جو آنحضرتؐ سے اتحاد نفسانی و روحانی رکھتے ہیں اور حاوی اوصاف نبویؐ ہیں اپنے آثارِ وجودی و دلالات وجودیہ ہی کی وجہ سے مالکِ عہدِ شفاعت ہیں خلاصہ یہ کہ اعمال انسان میں شیطان بھی شریک

ہے کہ وہ اغوا کرتا ہے اور اسکے اغواء سے انسان سے معصیت صادر ہوتی ہے ۔ اور نبی شریک ہو کہ معلم و ہادی اور مربی ہو ۔ اور تمام اعمال حسنہ اسکے وجود اور اسکی تعلیم اس کی ہدایت کا اثر ہیں پس روز قیامت ہر شخص کے ساتھ ایک سائق ہو گا اور دوسرا شہید وجاوت وُّکُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ سائق گویا شیطان اور عمل شیطانی ہے جو اسکو جہنم کی طرف کھینچے گا ۔ اور شہید خارجی امام ہے ۔ جو صراط پر کھڑا ہو گا ۔ پس اگر اسمیں اثرات تعلیم نبی و امام اثرات شیطان سے زیادہ ہیں ۔ اور تحت تعلیم نبی داخل ہے نبی اس کو لے لیگا کیونکہ اُنکی ولایت میں داخل ہے اور بوجہ تعلیم و تربیت حق ملکیت و تصرف رکھتا ہے ورنہ اگر وہ شخص تعلیمات نبوی سے خارج ہے اور اثرات تعلیم نبی اس میں ظاہر نہیں ہیں بلا حساب داخل جہنم ہو گا اور اس میں پیغمبر کو حق شفاعت حاصل نہو گا ۔ کیونکہ ۔ اِذَا انقسمت الحدود فلا شفع جب حدود مشترکہ تقسیم ہو جائیں ۔ حق شفع باطل ہو جاتا ہے پس جب ایک شخص بالکل تعلیم نبیؐ سے خارج ہے ۔ تو وہ شفاعت نبیؐ سے بھی خارج ہے

مسئلہ غدیر خم

اعلان غدیر خم کو تمام سنی شیعوں نے نقل کیا ہے شیعہ اس کی خلافت جناب امیرؑ پر استدلال لاتے ہیں ۔ مگر یہ مسامحہ ہے کیونکہ واقعہ غدیر میں ذکر ولایت ہے نہ خلافت ۔ ولایت اخص ہے خلافت سے اور خلافت اسکے تحت میں داخل اور خدا چاہتا ہے کہ مرتبہ ولایت جناب امیر علیہ السلام کو ثابت کرے چنانچہ حضرت ختمی مرتبت نے ابتدائے خطبہ میں اول اپنی ولایت و اولویت بالتصرف کا اقرار لیا اور تین مرتبہ فرمایا اَلَسْتُ اَوْلٰی بِكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ مالک اور اُن پر متصرف نہیں ہوں ؟ سب نے اقرار کیا اور کہا کیوں نہیں ۔ آپ ہمارے ۔ مالک و ولی و مولیٰ ہیں پھر تین مرتبہ فرمایا "اللّٰھم اشھد" خداوندا تو گواہ رہیو ۔ بعد ازاں فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاهُ الخ جس کا میں مولیٰ ہوں اُسکا علیؑ بھی مولیٰ ہے یہ وہ مرتبہ ولایت و اولویت و ملکیت شفاعت ہے

جو جناب امیر علیہ السلام کے لیے ثابت کیا ہے کہ بعد پیغمبرؐ ولی مطلق و مالک شفاعت علیؑ ہی اور آیہ ولایت شاہد ہیں اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ سوائے اسکے نہیں کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز کو قایم کرتے اور حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں اور یہ مومنون وہی اوصیاء پیغمبر علیؑ و اولاد علیؑ ہیں۔ کہ مثل پیغمبرؐ ولی و مالک شفاعت ہیں اور حق شرکت وملکیت رکھتے ہیں کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ شفاعت اُن کے واسطے ہے جو اولٰی علی اللہ و حجج اللہ ہیں اور معلم توحید الٰہی۔ اور ظاہر ہے کہ بعد پیغمبرؐ معلم علیؑ ابن ابی طالب ہے کہ باب علم نبی ہے جو کچھ صادر ہوا ہے اُس سے صادر ہوا ہے اگر کوئی حکم تعلیم سے خارج ہو جائے تحت نبوت سے خارج ہو جاتا ہے۔ پسر نوحؑ نے ایک کلمہ تمرد کہا نہ صرف تعلیم نبوت و تحت نبوت سے خارج ہو گیا۔ بلکہ اہل بیت سے بھی خارج ہو گیا اور لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ خطاب پایا۔ پس جو تحت تعلیم امامت داخل ہیں۔ امام انکی شفاعت کرے گا اور ان کو حق شفع میں شیطان سے لے لیگا۔ کیونکہ شیطان کا انسان میں صرف ایک حصہ یعنی حصہ ناری ہے جسکی بابت وہ کہتا ہے لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا میں تیرے بندوں میں سے اپنا حصہ مقرر لوں گا وَشَارِکْھُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (شریک ہو اُن کے اموال و اولاد میں) قول خداوند عالم ہے۔ باقی تین حصہ رہتے ہیں۔ پس اگر تحت تعلیم نبوت و امامت داخل ہے امام چھڑائے گا۔ اور شیطان اپنے ایک حصہ میں اسکو نہ لے سکیگا۔ لیکن جو شخص تعلیم نبوت و امامت سے خارج ہے۔ اور آثار نبوت اُس میں موجود نہیں ہیں۔ اسکو شیطان جہنم کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ کیونکہ شرکت نبی اسمیں نہیں اور آثار شیطانی ظاہر و غالب ہیں:

انسان دو معبود رکھتا ہے معبودِ بحق و معبودِ طاعت۔ معبود بحق خداوند عالم ہے جو خالق کل و مالک مطلق ہے۔ معبودِ اطاعت پیغمبر ہے کہ خدا نے بعد خلق انسان کو بغرض تربیت

وتعلیم پیغمبر کے سپرد کیا ہے کیونکہ تمام فیوض وتعلیمات بندہ کو اس کے ذریعہ سے
پہنچی ہیں قال اللہ تبارک وتعالےٰ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی
اور اپنے اولی الامر کی اول اطاعت خدا ہے اور انکی اطاعت عین اطاعت پیغمبر
ہے کیونکہ وہ مالک الرزق ومعبود برحق ہے اور دوم اطاعت پیغمبر ہے۔ وہ عین
اطاعت خدا ہے اسی واسطے لفظ اطیعوا مکرر آیا ہے۔ اگر لفظ اطیعوا مکرر نہ آتا تو
اطاعت پیغمبر مثل خدا اطاعت رقی ہوتی۔ اور آیہ مجیدہ وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ
فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جس نے رسول خدا کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی
سے ثابت ہے کہ مطیع رسول مطیع خدا ہے۔ اور جو کچھ اس نے کیا گویا خدا نے کیا
پس اس کو خداوند عالم نے حق شرکت دیا ہے۔ تربیت عباد میں اور اسلیئے وہ ہی حق
الشفیع رکھتا ہے اور مالک شفاعت ہے۔ مطلقاً اور چونکہ اطاعت اولی الامر مثل اطاعت
پیغمبر ہے۔ کیونکہ وہاں لفظ اطیعوا مکرر نہیں لایا گیا۔ پس انکی اطاعت بھی اطاعت خدا
ہے اور اس لیئے بعد پیغمبر ولی الامر (امام) انسان پر حق ملکیت وولایت رکھتا
ہے اور اس لیئے وہ مالک شفاعت ہے فتدبر فیہ فانہ دقیق۔

شفاعت اور حضرات نصاریٰ

نصاریٰ تمام فرق عالم پر اعتراض
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک کسی میں
جنبہ خدائی ہو وہ شفاعت نہیں کرسکتا اور شفیع نہیں ہوسکتا چنانچہ پاپائے اسکندریہ
نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کوئی انسان معصیت سے پاک نہیں ہے حتیٰ کہ انبیاء بھی سوائے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ انہیں جنبہ خدائی ہے اور خدا عادل ہے پس چاہیے کہ جزائے
اعمال دے پس گنہگار شفیع نہیں ہوسکتے اس لیئے کسی نبی کو حق شفاعت حاصل نہیں لیکن
یہ باطل محض ہے۔ کیونکہ اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ شفاعت خدا ہی کرسکتا ہے اور وہ ہی

شفیع ہوتا ہے پس جب شفیع خدا ہے تو شفاعت کس کے پاس کرے گا کیا کسی دوسرے خدا کے پاس شفاعت لے جائیگا؟ اگر ایسا ہے تو یہ شرک صریح ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو خلق کر کے کس کے سپرد کیا ہے۔ شیطان کے سپرد کیا ہے یا کسی اور کے اور مربی و معلم کس کو قرار دیا ہے؟ اگر خدا نے بندوں کو شیطان کے سپرد کیا ہے تو خدا اس سے مذاکرہ کر سکتا ہے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ خدا نے ہرگز شیطان کو مربی و معلم انسان نہیں بنایا ہے اس لیے وہ شریک تربیت انسان نہیں ہے بلکہ خدا نے انسانکو خلق فرما کر اسکی تربیت انبیاء کے سپرد کی ہے وہ شرکت رکھتے ہیں۔ شیطان اغوا کرنے والا اور بہکانے والا ہے اور وہ مربی و معلم ہیں پس وہ اپنے حق تعلیم و تربیت میں انسان کو لینگے اور بارگاہ خدا میں عرض کریں گے کہ ہم حق رکھتے ہیں کہ یہ ہماری تحت تعلیم و تربیت داخل ہے ہمیں عنایت کر۔ شیطان صرف یعنی اغوا کرنے والا ہے اسکو حق نہیں کہ اسکو جہنم میں لیجائے ہاں جو تحت تعلیم نبوی نہیں ہے اور ترتیب نبوی سے خارج ہے اس پر وہ حق نہیں رکھتے شیطان جہنم میں لے جائے گا۔ بعض اناجیل میں ثابت ہے کہ حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو غسل تعمید دیا۔ اور غسل تعمید گناہوں سے پاک کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ پس گویا ایک خدائے گنہگار کو ایک بندہ پاک نے غسل دیا پس یہ غلط محض ہے کہ عیسیٰ میں جنبہ خدائی ہے اور وہ شفیع ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ روز قیامت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی داہنی جانب بیٹھے ہوں گے اور گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو خدائی حضرت عیسیٰ باطل کیونکہ خدا دوسرا ہے جس سے حضرت عیسیٰ شفاعت کریں گے اور خدائی حضرت عیسیٰ باطل ہوئی تو شفاعت بھی باطل کیونکہ ان کے نزدیک شفیع تو خدا ہی ہو سکتا ہے۔

بار آدہم بیسر مطلب	قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

الرَّحمٰنِ عَہْدًا عہد امامت ظالمین کے لیے نہیں اور عہد الہی اول یہ ہے کہ شیطان
کی عبادت نہ کی جائے۔ اَلَمْ اَعْہَدْ اِلَیْکُمْ یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ
وَلَقَدْ عَہِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا۔
حضرت آدم سے عہد لیا گیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسکے کہنے میں نہ آنا۔ حضرت آدم علیہ السلام
نے خداوند عالم کے نام کی قسم پر اعتبار کر لیا۔ کیونکہ آپ عالم برزخ میں تھے اور وہاں جو
کوئی جھوٹی قسم کھائے۔ فوراً اثر بد ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر شیطان سے جب کوئی اثر ظاہر نہ ہوا
حضرت آدم نے سمجھ لیا کہ قسم سچی ہے اور اسکی جھوٹی قسم پر اس وجہ سے اثر مرتب نہیں ہوا
تھا کہ اس نے مردود و رجیم ہونے کے وقت معلوم تک کے لیے مہلت لے لی تھی۔
فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا عزم یا لجزم ان میں نہ پایا گیا درخت کے پاس چلے گئے اور
کھا لیا۔ لباس اُنکا اتار لیا گیا۔ پس باوجودیکہ حضرت آدم نے عمداً اس درخت منہی عنہ
سے نہیں کھایا اور وہ گنہگار نہیں کیونکہ قسم پر اعتبار کر کے ایسا کیا مگر چونکہ بصورت ظاہری
خلاف عہد ہے مالک شفاعت نہ رہے باذن شفاعت کر سکتے ہیں پس صاحب عہد
مطلق و مالک شفاعت وہی جو صالح مطلق ہے اور ظاہراً و باطناً کسی طرح اُس نے
خلاف عہد الہی نہیں کیا۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ضرور خدا
تجھکو مقام محمود پر پہنچائے گا اور یہ مقام محمود مقام شفاعت تامہ ہے وقال
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ شفاعتی لاہل الکبائر من اُمّتی میں اپنی اُمت
کے گنہگاروں کی شفاعت کروں گا میری شفاعت اُن کو پہنچیگی۔ لیکن شفاعت کی
تفصیل کہ کن لوگوں کے حق میں ہوگی اور کس قسم کے گناہ قابل شفاعت ہیں اور کون سے
گناہ ایسے ہیں جن کے لیے توبہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور کون سے ایسے گناہ ہیں
جن کے لیے دنیا میں صرف کفارہ لازم ہے۔ اور کونسے ایسے گناہ ہیں جنکے لیے کفارہ بھی ضروری نہیں
شاید کسی دوسرے موقع پر بیان ہو لفظ صالحین تمام ذراریکیلئے بولا گیا ہے جیسا کہ سورہ انبیاء میں تمام

انبیاء کے حق میں فرماتا ہے وَکُلاً جَعَلْنَا صَالِحِیْنَ اور حضرت ابراہیم فرماتے ہیں
رَبِّ هَبْ لِی حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں
تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ اور حضرت نوحؑ وحضرت لوطؑ کے باب
میں خدا فرماتا ہے وَکَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِیْنَ وہ دونوں بیویاں
ہمارے دو صالح بندوں کے پاس تھیں اور فرمایا ہے ان الارض یرثھا عبادی
الصَّالِحِیْنَ غرض لفظ صالح انبیاء پر بولا جاتا ہے اور تمام انبیاء صالحین ہیں مگر حسب
اختلاف مراتب نبوت - اور آنحضرتؐ چونکہ افضل المرسلین وخاتم النبیین ہیں - اس لئے
وہ ہی جناب افضل الصالحین بھی ہیں اور وہ ہی صالح مطلق لہذا مالک عہد شفاعت وہی ہوئے لیکن مومنین ایک
صالح مطلق اور بھی رکھتے ہیں ایمان خود ایک عمل صالح ہے اور وہ مومن کامل صالح مطلق وصالح کامل ہے
قال عزوجل ان تظاهرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین
(سورہ تحریم) اے عائشہ وحفصہ اگر تم دو نو پشت بہ پشت اور ایک دوسری کے ساتھ
مل کر پیغمبر کے خلاف کوشش کرو گی - تو بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں - کیونکہ خدا اسکا
مولےٰ ہے اور جبرئیل اور صالح المومنین یعنی وہ شخص جس کا نام صالح المومنین
ہے اور صالح مطلق ہے :

نکتہ - محقق ومعلوم ہے کہ ایمان کے مختلف درجے ہیں - چنانچہ خدا فرماتا
ہے یا ایھا الذین آمنوا آمنوا (الخ) اے ایمان لانے والو - ایمان لاؤ - پھر خدا
فرماتا ہے وزادتھم ایمانا یعنی جب ان پر آیات خدا تلاوت کیجاتی ہیں تو اُن
کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے - پس معلوم ہوا کہ ایمان زیادتی ونقصان کو قبول کرتا ہے
اور آیات الٰہی سے ادنیٰ سے اوسط اور اوسط سے اعلےٰ درجے پر پہنچتا ہے اور ادنیٰ سے
اعلیٰ تک بہت سے درجات ہیں اور تقوےٰ فوق ایمان ہے کما قال عزوجل
یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ (الخ) اے ایمان والو تقوےٰ اختیار کرو اور آیہ کریمہ

اصالح المومنین الخ" میں لفظ مومنین محلےٰ باللام ہے اور الف لام استغراق اس پر داخل ہو اور یہ مفید عموم ہے اور تمام افراد اہل ایمان کو شامل خواہ کسی درجہ کا ایمان رکھتے ہوں اور تفاوتِ درجات ایمان حسب تفاوت ایمان بخدا اور رسولؐ وکتاب خدا ہے۔

قال عز وجل اٰمنوا باللہ و رسولہ و الکتاب الذی انزل علےٰ رسولہ یعنی ایمان لاؤ خدا پر اور اسکے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اسکے رسولؐ پر نازل کی گئی ہے اور کتاب پر ایمان لانا اس کے معارف ومقاصد پر ایمان لانا ہے اور مقاصد کتاب پر ایمان موقوف ہے علم حقیقتِ کتاب پر جب تک حقیقت کتاب کا علم نہ ہوگا۔ ایمان بمعارف و مقاصدِ کتاب حاصل نہیں ہو سکتا اور حقیقتِ کتاب کا علم موہبتِ الہٰی پر موقوف ہے کیونکہ یہ حاوی جمیع علوم وتبیان کل شی ہے۔ اور مرحلہ علم کسب وتحصیل سے حاصل نہیں ہوسکتا لہذا تفاوت مراحل ومدارج ایمان حسبِ تفاوتِ علم حقیقت کتاب ہے۔ اور جبتک کسی کو تمام حقیقتِ کتاب کا علم حاصل ہو مومن مطلق نہیں ہوسکتا اور جبتک تمام احکام ومعارف پر عامل ہو صالح المومنین کا خطاب نہیں پاسکتا قُل کفیٰ باللہ شہیداً بینی و بینکم ومن عندہٗ علم الکتاب" سے ثابت ہے کہ تمام کتاب کا علم سوائے علی ابن ابیطالب کے اور کسی کو حاصل نہیں اور وہ صالح المومنین وصالح مطلق اور خیر البریہ ہے "ان الذین اٰمنو وعملوا الصالحٰت اولئک ھم خیر البریۃ" اور عمل صالح کی ابتدا توحید ہے تا تمام صالحات جو فی الواقع اور عند اللہ صالحات ہیں یہ شبہہ نہ ہو کہ صالح المومنین سے وہ شخص مراد ہے۔ جو پیغمبر پر ایمان لانے کے بعد علی الظاہر مشرک نہ ہوا ہو کیونکہ اگر صالح من المومنین ہوتا تو یہ شبہہ ہوسکتا تھا۔ یہاں صالح المومنین ہے حالانکہ اس صورت میں بھی سوائے ایکشخص کے اور کوئی اس کا مصداق نہیں ہوسکتا اور جو شخص نوع مومنین میں صالح ہو وہ صالح مطلق ہے اور صالح نہیں ہے مگر بنی "وکلا جعلنا صالحین"۔ "وکل من الصالحین" سے ظاہر ہے اور صالح مطلق وہ

ہیں جو فرماتے ہیں "ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیء" ہم کسی امر میں شرک نہیں کرتے اور

بوہ پیغمبر ایسا شخص نفس پیغمبر ہی ہو سکتا ہے۔ فافہم۔

پس یہ صالح المومنین کون ہے؟ یہ وہ نفس رسول و زوج بتول ہیں۔ جو فرماتا ہے

لم اشرک باللہ طرفۃ عین ابداً ایک چشم زدن کے واسطے میں نے خدا کے ساتھ

کسی قسم کا شرک نہیں کیا۔ پس بعد حضرت ختمی مرتبت جن کی تعلیمات فوق تعلیمات جمیع

انبیاء و مرسلین ہیں اور مقام محمود تک پہنچے ہوئے ہیں (عسی ان یبعثک ربک

مقاماً محموداً) حضرت علی ابن ابیطالب صالح المومنین مالک شفاعت و مالک عہد

الہی ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن شفاعت میں شرط یہی ہے کہ بندہ تحت تعلیم

نبی و امام ہو ورنہ شفاعت محال ؛؛

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے تعلیمات پیغمبری کو ایسا خراب کر دیا تھا کہ قریب

تھا کہ اسلام کا نام بھی دنیا سے مفقود و معدوم ہو جائے۔ پس جس شخص نے اس حال

میں اسلام کے نام کو باقی رکھا اور اقامہ دین کیا۔ بعد اپنے اجداد کے وہی اولی

بالشفاعت ہے اور وہ حسینؑ بن علیؑ ابن ابیطالب ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ شفیع امت

محمدی مشہور و معروف ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ زمانہ یزید عنید میں دین کو حسینؑ نے

قائم و باقی رکھا ہے کیونکہ اس وقت جو اپنے کو خلیفہ رسولؐ اور پیشوائے دین اور

امام وقت کہتا تھا۔ بر سر منبر و علی روس الاشہاد کہتا تھا ؎

لیت اشیاخی ببدرٍ شہدوا

جزع الخزرج من وقع الاسل الخ

کاش آج اس ملعون کے وہ اسلاف و اشیاخ جنہوں نے جنگ بدر میں نیزوں کی

آمد و رفت سے۔ بنی خزرج کی آہ و زاری سنی تھی اس وقت موجود ہوتے تو خوشی

کے نعرے بلند کرتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہوں تو نے کیا اچھا

کام کیا ہے وہ ہی خدا ونے نہیں اگر وہ اولاد رسول سے اسکا انتقام نہ لیلے۔ جو رسولؐ نے اُسکے اسلاف کافرین کے ساتھ جنگ بدر و احد میں کیا تھا اور کہتا تھا۔

لعبت بنو ہاشم بالملک فلا

خبر جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم نے ملک گیری اور بادشاہت کا ایک کھیل بنایا ہوا تھا۔ نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ وحی نازل ہوئی تھی۔ جس خلیفہ رسول و امام وقت کا یہ اعتقاد باطل ہو۔ کہ بالصراحت منکر نبوت و رسالت ہو۔ اُسکے وقت میں کیوں دین اسلام کا نام باقی رہ سکتا تھا اُس کے نقطۂ مقابل حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت اقامہ دین کیا وہ اسلام کا نام مٹانا چاہتا تھا امامؑ نے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا اور ہمیشہ کے لیے بحر ضلالت میں ڈوبنے سے بچالیا ان ہی دو گروہوں اور دو جماعتوں کا خدا اس آیہ مبارکہ میں ذکر کرتا ہے۔

"ھٰذٰانِ خَصْمٰانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ" یہ دو خصم اور دو مقابل جماعتیں ہیں جو دربارۂ ربوبیت جنگ کرتی ہیں۔ ایک کہتا ہے خدا سچا ہے اور اس نے سچ کہا ہے اور دوسرا کہتا ہے نہیں خدا جھوٹا ہے اور اسکا پیغمبر جھوٹا مدعی نبوت۔ پس ان میں سے کافرین کے لیے آتش جہنم کا لباس قطع کیا جا چکا ہے اور اُن کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا؛

شان نزولِ آیہ جنگ بدر ہے کہ ایک طرف ابوسفیان یزید عنید کا دادا اور ابو جہل وغیرہ تھے دوسری طرف محمد مصطفیٰ علی مرتضیٰؑ اور انکے یار و انصار۔ یہ چاہتے تھے دین خدا کو قائم کریں اور اسی خدائی کو ثابت۔ وہ فرقہ ضالہ و مضلہ چاہتا تھا کہ دین خدا کو برباد کریں اور اسکی خدائی سے انکار۔ مگر حقیقی اور کامل مصداق اس آیہ کا روز عاشورا ظاہر ہوا۔ اُس دن کفر مطلق اور اسلام مطلق کا مقابلہ تھا؛

دعوتِ پیغمبرؐ و دعوتِ حسینؑ

بدوِ اسلام میں اول محض دعوتِ اسلام تھی "قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْنَ" جو شخص محض زبان سے کلمۂ توحید کا اقرار کر لیتا تھا۔ اس کا جان و مال محفوظ ہو جاتا تھا اور مثل دیگر مسلمانوں کے شمار ہوتا تھا اگرچہ دلیں قطعاً عقیدہ رکھتا ہو اور صحابۂ پیغمبرؐ میں مومن و منافق مشترک تھے چنانچہ ۲۲۰ آیتیں منافقین کے باب میں وارد ہیں جس میں سے ۱۳ سورہ برأت میں موجود ہیں اور جنگ احد کے موقع پر صحاب رسول کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی تھی "مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ" بعض لوگ تم میں سے دنیادار اور طالب دنیا ہیں اور بعض دیندار و طالبِ آخرت۔ مگر روز عاشورا ایمان و اسلام۔ کفر و نفاق جدا جدا ہو گئے تھے اور نفاق بالکل برطرف ہو گیا تھا۔ اس طرف کفر مطلق تھا اور اس طرف ایمانِ خالص۔ اور اصحاب امام حسین علیہ السلام میں کوئی منافق نہ تھا جس میں دنیا کا شائبہ پایا جاتا ہو۔

اصحابِ حسینیؑ و اصحابِ نبویؐ

پیغمبرؐ جب لوگوں کو جہاد پر بھیجتے تھے تو تدابیر سے لوگوں کو جہاد پر مائل کرتے تھے۔ چنانچہ جب جنگ بدر کی تیاری کی ہے تو کہا تھا کہ قریش کا قافلہ بہت سامال لئے ہوئے آرہا ہے اور ضرور آرہا تھا۔ پس تم دونوں میں سے ایک پر ضرور غالب آؤ گے۔ یا لشکر ابوسفیان پر یا قافلۂ قریش پر مگر قافلہ تو نکل گیا اور ابوسفیان لشکر لے کر مقابلہ کو آگیا۔ گویا بعض اصحاب رسول قافلہ قریش کی لالچ سے گئے تھے مگر اصحاب حسینی ایسے نہ تھے ان کے اس عمل خالص میں دنیا کا بالکل شائبہ نہ تھا۔ جس وقت امام مظلوم مکہ سے نکلے ہیں فرمایا جو شخص مال دنیا چاہتا ہے اور دنیا کے ارادے سے چلتا ہے وہ میرے ساتھ نہ آئے۔ یعنی آج خالص ایمان کی دعوت ہے نہ مطلق اسلام کی اور مومنین خالص چنے جاتے تھے۔ چنانچہ جس وقت حضرت مکہ سے تشریف لے چلے ہیں۔ آٹھ ہزار آدمی ساتھ تھے ہر ایک منزل پر جب حضرت

پہنچتے تھے تو قصہ حضرت یحییٰ کو ذکر فرماتے تھے اور فرماتے تھے۔ کہ ہم دنیائے کوفہ کیواسطے نہیں جاتے ہیں یعنی کوفہ کی بادشاہت حاصل کرنے نہیں جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے یہاں تک کہ جب کربلا پہنچے ہیں تو صرف گیارہ سو رہ گئے۔ وہ بھی روز و شب کم ہوتے جاتے تھے تاانیکہ شب عاشورا چند نفر رہ گئے۔ قریب نصف شب تیس آدمی اور آکر ملے ہیں۔ تب یہ بہتّر بہتّر اصحاب روز عاشورا نظر آتے تھے۔ جیساکہ تاریخ مسعودی سے ثابت ہے۔ مگر یہ چنے ہوئے خالص مومن تھے۔

شب عاشورا امام مظلوم نے بنی ہاشم سے بھی فرمایا۔ کہ تم بھی چلے جاؤ۔ ان کو تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔ چنانچہ دس بارہ بچے دہ سالہ و یازدہ سالہ تھے۔ جن کو فتیان بنی ہاشم کہتے تھے۔ حضرتؑ نے ان سب کو جمع کیا اور فرمایا تم بھی چلے جاؤ۔ یہ عورتیں موجود ہیں ہر ایک اپنی اپنی ماں بہن کا ہاتھ پکڑے اور رات رات میں نکل جائے۔ ان سب میں سے قاسم بن حسن سب سے آگے بڑھے اور کہنے لگے سَیِّدِیْ نَاکَیْفَ نُخَلِّیْکَ اے ہمارے آقا کس طرح ہم آج آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں حضرتؑ نے بطور کنایہ فرمایا اَمَا تَخَافُ الْمَوْتَ کیا تم موت سے نہیں ڈرتے ہو؟ عرض کیا اَلْقَتْلُ بَیْنَ یَدَیْکَ لِیْ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ اے عم بزرگوار مجھے آپ کے قدموں میں شہید ہونا شہد سے زیادہ شیریں ہے یہ کلام معرفت و محبت التیام امام مظلوم کے لئے زہر تلخ تھا۔ دل میں بیٹھ گیا اور حضرتؑ بیتاب ہوگئے اور اسکا جواب روز عاشورا دیا۔ جس وقت شاہزادہ قاسم علیہ السلام آمادہ میدان ہوئے ہیں حاضر خدمت امام مظلومؑ ہوئے امام علیہ السلام نے جناب قاسمؑ کی گردن میں ہاتھ ڈال دئے ور رونے لگے۔ یہاں تک روئے کہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ امام مظلوم علیہ السلام کی مصیبت سخت کرنے کے لئے حضرت قاسم علیہ السلام کے لئے ایک ایسے حادثے کا اتفاق ہوا ہے جو کسی اور شہید کے لئے نہیں ہوا (بابی انت و امی) حضرت قاسم بہت صبیح و ملیح

ہے جس وقت روانہ رزم گاہ ہوئے ہیں اس تن نازک پر صرف ایک قبائے عربی پہنے ہوئے تھے اور ایک جوتی کا تسمہ بھی کٹا ہوا تھا جب لشکر عمر سعد لعین کے سامنے پہنچے ہیں لَمۡ یَطۡعَنۡ بِہٖ اَحَدٌ بوجہ صغر سنی کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ یہ بچہ جنگ کرے گا چونکہ آپ مرکز امامت سے قریب تر تھے۔ جوں ہی ایک خبیث نے آپ پر حملہ کیا ہے۔ فوراً آپنے اسے فی النار کیا۔ تا اینکہ کوئی مقابلہ کو نہ نکلا۔ خود لشکر پر حملہ کیا اور چار صفوں کو درہم برہم کر دیا۔

ربیع ابن تمیم نامہ نگار مختارؒ سے نقل کرتا ہے۔ کہ چار جگہ میرا دل کڑھا اور محزون ہوا منجملہ اُن کے ایک واقعہ قتل شاہزادہ قاسم بن الحسنؑ ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ خیمہ حسینیؑ سے ایک نوجوان مثل ماہ شب چہاردہ باہر نکلا اول کسی کو گمان نہ تھا کہ یہ بچہ لڑے گا اور بہادروں کو قتل کریگا آخر میدان میں آیا۔ لشکر پر حملہ کیا۔ اور بہادروں کو قتل کیا میرے پاس سے گذرا میری زد پر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اسکو قتل کر دیتا مگر ایسا حسین وصبیح المنظر تھا کہ مجھے رحم آگیا اور میں نے اپنے دل میں کہا اے ربیع اگر تو اس بچے کو قتل کرے تو تیرے ہاتھ کٹ جائیں۔ وہ صفوں کو چیرتا ہوا نکل گیا اور چار صفوں کو درہم وبرہم کر دیا۔ ایک جوان ازدی میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا اُس نے کہا گر اس بچے نے ہماری صف کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تو میں اسکی ماں کو اسکے سوگ میں بٹھاؤں گا۔ حضرت قاسمؑ اسکی صف تک پہنچے وہ ملعون پیچھے سے آیا اور وہ کام کیا کہ شہزادے نے باآواز بلند پکارا یاعماہ ادرکنی۔

تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت امام حسینؑ یہ آواز دردناک سن کر اس طرح دوڑے جس طرح باز شکار پر بیتابی سے گرتا ہے۔ جس وقت قریب شاہزادہ قاسم پہنچے دیکھا کہ وہ مظلوم پہلوئے راست پر پڑا ہوا ہے اور وہ ملعون پاس کھڑا ہے حضرتؑ نے اس لعین ازدی پر حملہ کیا اور اس ملعون کا ہاتھ کٹ گیا اُس نے اپنے

لشکر کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ۔ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور امام پر حملہ آور ہوا۔ دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ اور حضرت امام حسینؑ نے حملہ کیا اور تمام صفوں کو درہم وبرہم کر دیا لیکن جس وقت حفاظتِ جنازہ کے لیے واپس پلٹے تو دیکھا کہ یَدْحَسُ بِرِجْلَیْہِ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں اور سوارانِ ابن زیاد لعین نے لاش کو پامال کر دیا ہے جس وقت آپ نے جنازہ کو اٹھایا۔ تو شاہزادے کا سر آپ کے سر کے مقابل تھا اور پیر زمین پر لٹکتے تھے کیونکہ حضرت شاہزادہ قاسمؑ دس بارہ سال کے تھے۔ اس قدر دراز کہاں سے ہو گئے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

موعظۂ ہفتم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ

ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّہِمْ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَہُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِہِمُ الْحَمِیْمُ۔

حقیقتِ شہید تمام تقریرات سابقہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں ایک امام منجانب اللہ موجود ہے۔ اور ایک وصف اُس کا شہیدیت ہے کہ وہ تمام اشیاء پر حاضر ہے اور تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ وسیری اللہ عملکم ورسولہ ثم تردون الی عالم الغیب والشہادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون اور معنی شہید حاضر علی الشئے ہیں۔ اول شہید بالذات اللہ ہے اور بعد ازاں پیغمبر شہید ہے ثانیاً وبالتبع۔ اور پھر امام اور شہیدیت جسمیت نہیں ہے کیونکہ حضور الجسم عند کل شئی ممکن نہیں اور نہ حضور اشیاء عند الشہید ممکن ہے۔ بلکہ

اس میں ایک قوت باطنیہ ہے اسکے ذریعہ سے وہ شہید ہے۔ اور وہ قوت مثل قوت باصرہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ قوت ہے کہ خود قوت باصرہ انہیں ہے۔ اور قوۃ باصرہ اس کی شعاعوں میں سے ایک شعاع ہے اور اسکی تعریف ممکن نہیں مگر اوصاف سے اسکی معرفت ہوسکتی ہے۔

جس شے کے ادراک سے انسان عاجز ہو اسکو چاہیے کہ خود اپنے نفس میں نظر کرے اور اسکی مثال انہیں تلاش کرے۔ کیونکہ خدا نے ہر ایک شے کا نمونہ نفس انسانی میں پیدا کر دیا ہے فقال عزوجل وفی الارض اٰیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون غور کرنا چاہیے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور خواب میں کہیں چلا جاتا ہے اور سیر کرتا ہے۔ تو اس حالت میں بھی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے ؂

پس کون قوت اور کونسی شے اس وقت دیکھتی ہے؟ چشم ظاہری تو بستر خواب پر موجود ہے اور بند ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جسم سے ہے اور جسم کے ساتھ ہے پس وہ دراصل حقیقت انسانیہ ہے کہ اس میں قوت سماعت بھی ہے۔ بصارت بھی ہے حس بھی ہے لمس بھی ہے وغیرہ وغیرہا اور تمام اعضا اسی کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ قوت جاتی رہتی ہے تو یہ تمام اعضا و قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں۔

صفات خدائی دو قسم پر ہیں ایک صفات ذاتیہ جن کے مقابل کوئی ضد نہیں ہے دوم صفات افعالیہ جن کے مقابل ضد ہے۔ لیکن قسم اول صفات الٰہی عین ذات ہیں پس خدا بذات خود دیکھتا ہے، سنتا ہے، جانتا ہے محتاج آلات نہیں ہے۔ اسی طرح انسان تمام افعال چلنے پھرنے بولنے سننے اور دیکھنے کے حقیقت انسانیہ کرتا ہے جب یہ قوت آنکھ سے ظاہر ہوتی ہے تو دیکھتا ہے۔ جب کان سے ظاہر ہوتی ہے تو سنتا ہے پس حقیقت تمام قویٰ حقیقت انسانیہ ہے اور سب اسی میں موجود ہیں اور آلات انکی محتاج ہیں کہ وہ آلات کی محتاج ہے صرف عالم جسمانی میں ان آلات سے اس قوت کا

ظہور ہوتا ہے ؛

پس جس طرح قوتِ انسانیہ جب جسم انسانی سے طالع ہوتی ہے ۔ اشیاء کو دیکھنے لگتا ہے اسی طرح جب قوتِ الٰہیہ چشم نبی اور امام سے ظاہر ہوتی ہے تمام اشیاء کو دیکھتا ہے۔ یعنی تمام عوالم امکانیہ کو اور کان سے ظاہر ہوتی ہے تو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ اسی طرح دوسری قوتیں ۔ پس یہ قوت قوتِ ذاتی و بالذات پیغمبر نہیں ہے بلکہ قوتِ الٰہی ہے جو عطا ہوئی ہے، اور وہ قوتِ احاطی ہے ۔ جو تمام اشیاء پر احاطہ رکھتی ہے

دفعِ شبہہ و توضیحِ مطلب

اس مطلب کی اور توضیح کی جاتی ہے تاکہ یہ شبہہ دافع ہو جائے کہ پیغمبر عینِ ذاتِ خدا ہے معلوم رہے کہ اسمائے حسنے الٰہی بہت ہیں مثل القابض ۔ الباسط ۔ العلیم ۔ السمیع البصیر الحفیظ وغیرہ وغیرہ ۔ پس اسم القابض سے خدا نے ایک مخلوق کو ایجاد کیا ہے ۔ کہ اسکا شغل اور کام قبض کرنا اور لینا ہے جو کچھ قبض کرتا ہے وہ قبض کرتا ہے ۔ مظہر اس کا عزرائیل ملک الموت ہے ۔ چنانچہ ایک جگہ خدا قبض کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا اللہ قبض کرتا ہے جانوں کو مرنے کے وقت اور جو نہیں مرے ہیں انکو سونے کے وقت ۔ دوسری جگہ فرشتے کی طرف نسبت دیتا ہے قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ۔ قبض کرتا ہے تمکو وہ فرشتہ جو تم پر موکل کیا گیا ہے بظاہر دونوں آیتیں ایک دوسری کی منافی معلوم ہوتی ہیں ۔ مگر حقیقت یہ ہے ۔ کہ قابض حقیقی خدا ہے اور اس نے مقام قابضیت سے ایک موجود ایجاد کیا ہے جس کا شغل قبض کرنا ہے ۔ اور فعل قبضِ الٰہی اس سے صادر ہوتا ہے ۔ اور وہ مظہر اسم القابض ہے ۔ یعنی حضرت عزرائیل ؛

اور مظہر اسم الباسط میکائیل ہے فعل تقسیم ارزاق وغیرہ اس سے صادر ہوتا ہے اور مظہر اسم العلیم اسرافیل ہے اور مظہر الحفیظ جبرئیل کہ امین وحی و حافظ اسرار ہے لیکن خدا

کا ایک نام ایسا ہے کہ تمام اسمار کو جامع وحاوی ہے اور جملہ اسمائے حسنیٰ اُس کے ماتحت ہیں اور وہ اسم اللہ ہے یعنی جامع جمیع صفاتِ کمالیہ - اُس کے لئے ایک مخلوق خلق کیا ہے اور وہ وجود محمدی ہے پس جس طرح اسم اللہ جمیع اسمار کو جامع وحادی ہے اور تمام اسمار اُس کے تحت میں ہیں - اسی طرح مظہر اسم اللہ تمام مظاہر کو حاوی ہے اور جملہ مظاہر اُسکے تحت میں ہیں القابض اُسکے تحت میں ہے - الباسط اسکے تحت میں ہے - العلیم اس کے تحت میں ہے المحیط اس کے تحت میں ہے - عزرائیل ومیکائیل واسرافیل وجبرئیل تمام مظاہر قدرت اس کے تحت حکومت ہیں وہ مظہر کامل الٰہی ہے - پس اس کے افعال افعال الٰہیہ ہیں اس کا دیکھنا خدا کا دیکھنا ہے اس کا سننا خدا کا سننا ہے - اس کا لینا اور قبض کرنا خدا کا قبض کرنا ہے - چنانچہ آیات سابقہ میں اسکی تفصیل کی گئی یہ تمام توضیح وتشریح معنی شہید کے لئے تھی کہ یہ وجود جو مظہر جمیع صفاتِ کمالیہ الٰہیہ ہے شہید علی الخلق ہے اور کوئی شئے اس سے پوشیدہ نہیں بقوت الٰہی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور تمام موجودات اس ایک مظہر اللہ کے متعلق ہیں صرف ایک قوت باطنیہ ہے جو اس کے وجود میں ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ؏

مظہر اسم القاہر

مظہر اسم القاہر بھی تحت مظہر جمیع صفات کمالیہ ہے پس اسکا ظہور کس سے ہوتا ہے درآنحالیکہ وجود نبیؐ جو مظہر جامع ہے رحمۃ للعالمین ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ خدا انہیں عذاب نہیں کرے گا جب تک تو ان میں ہے کیونکہ رحمت محضہ ہے - پس رحمت وقہاریت کیونکر جمع ہوگی حالانکہ وہ مومنین وکافرین سب کے لئے رحمت ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ؏

جواب اسکا یہ ہے کہ خداوند عالم باوجودیکہ خیر محض اور رحمت مطلقہ ہے مگر قہار بھی ہے لیکن ظہور قہاریت بعد رحمت رحمانیہ ہے وسبقت رحمتہ غضبہ

جب مقام رحمت کامل ہو جائے اور پھر کفرانِ نعمت ظاہر ہو تو قہاریت ظہور میں آتی ہے۔ پس بعد اظہارِ رحمت رحمۃ للعالمین و اتمام رحمانیت قہاریت ظاہر ہوگی اور وہ وجودِ مہدی آخر الزمان علیہ الصلواۃ والسلام ہے پس قہاریت اُسکے وجود سے ظاہر ہوگی کہ وہ اسکی اولاد سے اور جزو محمدی ہے محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے لَوْلَا السَّیْفُ بِیَدِہٖ لَافْتَی الْفُقَھَاءُ بِقَتْلِہٖ اگر تلوار اُسکے ہاتھ میں نہ ہو۔ تو فقہا رقتل کا فتوے دیکر قتل کرادیں گے مگر وہ تلوار کے ساتھ خروج کرے گا ؛

خدا نے بانواع و اقسام رحمت ورحمانیت اتمام حجت کر دیا۔ اب وقت قہاریت ہے تاکہ منکران نعمت وکافران نعمت کو قتل کر کے زمین کو عدل و داد سے پُر کر دے یَمْلَاءُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا بَعْدَ مَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا پس ظہور قہاریت بھی وجود ذی جود محمد مصطفےٰ ہی سے ہوگا۔ کیونکہ مہدی آخر الزمان انہی کی اولاد سے ہیں۔ اور اولاد جزو انسان ہوتی ہے اور اُسکا فعل فعلِ پدر

ایک دن آئے گا کہ خدا اپنے اُن وعدے کو مہدی کے ہاتھ پر پورا کرے جو اپنے پیغمبر سے کیا ہے ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ اور یہ وعدہ پیغمبر کے سامنے ظہور پذیر ہو گا اور پیغمبر بچشم خود دیکھیں گے قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ پیغمبر کو حکم ہے کہ دعا کرو کہ اے پروردگار مجھے وہ وعدہ دکھلا وَاِنَّا عَلٰی اَنْ نُّرِیَکَ مَا نَعِدُھُمْ لَقَادِرُوْنَ پھر فرمایا ہے جو وعدہ ہم نے اُن کے لیے کیا ہے ہم تجھے اسکے دکھلانے پر قادر ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ بتحقیق کہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور تجھ کو لوٹانے والا ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ پیغمبر اُسوقت

موجود ہوں گے اور خود تمام ادیان پر غلبہ اسلام کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہاں سے مسئلہ رجعت بھی بالصراحت ثابت ہے۔ کہ پیغمبر پھر زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

بحیثیت تنزیل دین کامل ہو چکا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا مگر من حیث الغلبہ کامل نہیں ہوا شرک و کفر و نفاق ہر جگہ موجود ہے بلکہ کفر غالب ہے۔ حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں دین من حیث الغلبہ کامل ہو گا۔ اور ایسا غلبہ ہو گا کہ دین باطل باطناً بھی نہ رہے گا اور منافقت دنیا سے بالکل معدوم ہو جائے گی

کہ دین باطل باطناً بھی نہ رہے گا اور منافقت دنیا سے بالکل معدوم ہو جائے گی۔

جیسا کہ "یُظْهِرَهٗ" سے ظاہر ہے وَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ:

پس اس دن دین فطری ظاہر و غالب ہو گا اور وہ زمانہ زمانِ ظہور مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ ہے:

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عوالم پر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور سب پر نذیر ہیں۔ جملہ عوالم ماسوائے اللہ تحتِ نذارتِ پیغمبر ہیں۔ پس ظہور مہدی بھی تمام کرات پر ہو گا۔ یعنی علاوہ زمین کرہ زہرہ و مریخ و مشتری و زحل سب ایک ہو جائیں گے اور ان کے رہنے والے ایک دوسرے سے معاشرت کریں گے اور تمام عوالم پر دین اسلام غالب ہو گا اللھم عجل فرجہ وسھل مخرجہ

سوال ایک شخص نے سوال کیا۔ کہ جب دین فطرت انسان ہے اور انسان کی سرشت میں داخل ہے اور خدا فرماتا ہے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ خلق الٰہی میں تبدیلی نہیں ہے۔ پھر یہ بے دین کہاں سے پیدا ہو گئے اور کیونکر خلقت میں

تبدیل واقع ہوگئی کہ دینِ فطری کو چھوڑ دیا اور فطرت کے کیا معنی ہیں؟

جواب "الفطرۃ ایجاد الشئ وابداعہ علیٰ ھیئۃ مترشحۃ بفعل من الافعال" یعنی فطرت کسی چیز کا ایک ہیئتِ خاص پر پیدا کرنا ہے۔ جو کسی فعل سے ظاہر ہوتی ہے پس آیہ مجیدہ "فطرۃ اللہ التی الخ" میں اس قوتِ معرفتِ دین و ایمان کی طرف اشارہ ہے۔ جو وجودِ انسان میں مرکوز ہے اور توضیح اسکی آیہ ذیل میں ہے "خلقک فسوٰک فعدلک فی ای صورۃ ماشاء رکبک" اللہ نے تجھے خلق کیا پھر تیرا تسویہ کیا۔ اور پھر تعدیل کی۔ اور پھر جس صورت میں چاہا۔ ترکیب دیا۔ خلق کے معنی صورت بنانا ہیں۔ اور تسویہ کے معنی ہر عضو اور ہر شئے کو اسکی مناسب جگہ رکھنا کہ وہاں سے بدل نہیں سکتے۔ جہاں آنکھ ہے وہیں آنکھ رہے گی۔ جہاں کان ہیں وہیں کان رہیں گے۔ جہاں ہاتھ ہیں وہیں ہاتھ رہیں گے وغیرہ وغیرہ تعدیل کے معنی تعدیلِ قوائے واخلاط ہے کہ عناصرِ متضادہ واخلاط متباینہ میں ایک کیفیت امتزاجی اعتدالی پیدا کردی ہے کہ اگر ان میں سے ایک غالب آجائے دوسری خلط پر تو رفتہ رفتہ موت واقع ہو جائے گی۔ لہذا خلقِ الٰہی میں تبدیل ناممکن ہے:۔

یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک تبدیل۔ دوم تغییر۔ تبدیل کا تعلق ذات و ذاتیات سے ہے اور تغییر کا تعلق اوصاف سے ہے۔ پس تبدیل ناممکن ہی اور تغییر ممکن ہے۔ مثلاً پانی اصل فطرت میں بالطبع سرد ہے۔ پھر آگ پر رکھ کر اسکو گرم کردیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جوش کھاتا ہے اور جسم کو جلا دیتا ہے۔ مگر اصل فطرت میں اسکی اب بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اب بھی بالطبع سرد ہی ہے۔ اسکے اوصاف میں تغییر واقع ہوا ہے۔ بسبب ایک قوتِ خارجی یعنی آتش کے جس وقت یہ قوت خارجی

برطرف ہو جائے گی۔ پھر اُسی اصلی حالت و فطرت اولے پر عود کر آئے گا پس اسیطرح دین فطرت انسانی میں داخل ہے اور اسکی خلقت کے ساتھ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ دین "کلّ ما یُجزیٰ بہٖ" ہے ہر وہ چیز جس پر جزا مرتب ہو اس لئے کہ لغت میں معنی دین جزا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم و ہر ایک انسان جزا کا قائل ہے۔ مثلاً چوری بری ہے۔ جو اسکا مرتکب ہو گا۔ وہ مجرم سمجھا جائے گا اور مستحق سزا ہو گا۔ سچائی اچھی ہے عدل حسن ہے ظلم قبیح ہے جو کچھ مستقلات عقلیہ ہیں۔ سب میں متفق ہیں۔ اور اس لئے اگرچہ وہ کسی مذہب کے بھی پابند نہ ہوں۔ مگر ایک قانونِ معاشرت رکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے۔ تو مستوجب سزا ہو اور یہی معنیِ دین ہیں (الدین کل ما یجزیٰ بہ) لیکن تغیر جو واقع ہوا ہے وہ اس امر میں ہے کہ وہ اگرچہ قانون معاشرت رکھتے ہیں۔ مگر قانونِ الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ خود ساختہ ہے۔ ورنہ اصل دین کے سب قائل و پابند ہیں یعنی قانون معاشرتی رکھتے ہیں۔ جس پر سزا و جزا مرتب ہوتی ہے۔ اور یہ تغیر مقام تعلیم و تربیت میں واقع ہوا ہے۔ نہ خلقت اولیہ میں۔ موقتین معلمین کی تعلیم و تربیت سے وہ اصل قانون الٰہی سے منکر یا اس کے تارک بھی ہو گئے ہیں۔

وضعِ الٰہی

دو ہیں وضع اولی اور وہ خلقت اولی و تکوین ہے اور وضع ثانوی مقام تعلیم و ترتیب و تکلیف ہی۔ پس وضع اولی جو خلقت و ترکیب عناصر ہے اس میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی سب بالفطرت قائل دین بلکہ وضع ثانوی مقام تربیت و تعلیم تکلیف میں تغیر واقع ہوا ہے چنانچہ حدیث شریف کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ وَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ ہر ایک بچہ فطرتِ الٰہی و فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ پس خلقت اولی و وضع اولی

ہیں سب ساوی ہیں۔ اور تمام دین پر مخلوق ہوتے ہیں۔ اور دین اُن کی فطرت میں داخل ہے۔ وضع ثانوی ہیں جو مقام تربیت ہے تغیر واقع ہوتا ہے۔ کہ والدین جو مربی اول ہیں اپنی تربیت و تعلیم و عقائد باطلہ سے بچہ کو خراب کر دیتے ہیں پس مقام خلقت قابل تبدیل نہیں اور خلقت خیر ہے۔ کیونکہ خدا خیر محض ہی۔ وَالْخَیْرُ لَا یَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا الْخَیْرُ اُس نے کسی شر کو خلق نہیں کیا۔ شر مخلوق و مجعول بالعرض ہے فتدبر فیہ ؛

شفاعت مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ہے

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ شفاعت دو قسم پر ہے۔ ایک شفاعت بالاذن ہے۔ اور ایک شفاعت بالملکیت کہ شفاعت مطلقہ کلیہ ہے یہ شفاعت مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ورنہ اگر ایسا ہو۔ تو تمام انبیاء علیہم السلام جو معلم قوم ہوئے ہیں۔ مالک شفاعت مطلقہ ہوتے۔ مگر ایسا نہیں ہے "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ" بجز اذن خدا کوئی اس کے پاس شفاعت نہیں کر سکتا۔ مالک شفاعت صرف وہی ہے جنھوں نے عہد شفاعت کر لیا ہے۔ اور وہ جب تک اپنی شفاعت سے فارغ نہ ہو لیں گے دوسروں کو اذن شفاعت نہ دیا جائے گا۔ اور وہ محمد و آل محمد علیہ الصلواۃ والسلام ہیں پس شفاعت مطلقہ کے لئے صرف تعلیم کافی نہیں۔ بلکہ تربیت بھی شامل ہے یعنی شفیع مطلق وہ ہو جو معلم بھی ہو اور مربی نوع بشر بھی ہے۔ تربیت انسانی میں شریک ہو کما قال عزوجل اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ (یونس) تحقیق کہ تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے۔ جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اپنی

تدبیر کے عرش علم تقدیری پر غالب آیا۔ وہی تدبیر امور کرنے والا ہے۔ کوئی شخص اس تدبیر میں اسکا شریک نہیں ہے۔ مگر اس کی اجازت کے بعد۔ پس جو لوگ بعد اذن خدا پہلے سے تدبیر و تربیت میں شریک ہیں۔ وہی خدا سے عہد لے چکے۔ وہ تربیت میں شریک ہیں۔ مگر بعد اذنِ الٰہی۔ پس وہ معلم بھی ہیں اور مربی بھی۔ اس واسطے شرکت ملکیت رکھتے ہیں اور مالکِ شفاعت ہیں لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ یہ مالکانِ شفاعت و عہد شفاعت و مربی و مدبر نفوس وہی بزرگوار ہیں جو قبل خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے اور ان کی خلقت اُن کے سامنے واقع ہوئی ہے قال عز من قائلہ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا یعنی کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو میرے سوا اولیا بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالمین نے یہ بہت برا عوض اختیار کیا ہے۔ حالانکہ مین نے نہ ان کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا۔ اور نہ اُن کے نفسوں کی خلقت کے وقت۔ اور گمراہ کنندگان کو اپنا بازو نہیں بنانے والا ہوں اس آیت سے ثابت ہی کہ کچھ نفوس ایسے ہیں۔ جن کو خدا نے وقتِ خلقتِ زمین و آسمان حاضر کر لیا تھا اور اُن کا وجود زمین و آسمان سے مقدم ہے۔ زمین و آسمان اور خود ان کی خلقت نفسانی اُن کے سامنے واقع ہوئی ہے اور ایسے ہی اشخاص مستحق ولایت ہیں۔ یعنی ولی وہ ہو سکتے ہیں۔ جن کے سامنے تمام چیزوں کی خلقت ہوئی ہو ورنہ وہ ہرگز اُن میں تصرف نہیں کر سکتے آیہ مجیدہ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ صاف دال ہے کہ بعدِ خدا ولی رسول خدا اور علی مرتضےٰ

اور اُنکی صفت سے متصف اشخاص ہیں۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جو قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھے۔ اور یہی شریک تربیت و تدبیر عوالم اور وَالْمُدَبِّرَاتُ امراً میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بحق شفع مالک شفاعت کلی ہیں۔ خوش نصیب اُس کا جو تحت تربیت و تعلیم محمدی ہو کر اُن کی شفاعت حاصل کر سکے۔ ورنہ تربیت سے تو کوئی خارج ہو نہیں سکتا۔ اگر تعلیم سے خارج ہوا۔ تو اس کو اُن کی شفاعت نہ پہنچگی (اِذَا انْقَسَمَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شَفْعَ) جب حدود جدا جدا ہو گئیں۔ اور یہ بالکل اُن کی حدود سے جدا جدا ہو گئیں اور یہ بالکل ان کی حدود سے نکل گیا۔ پھر حق شفع نہیں ؛

عوالم سہ گانہ

مخلوقات تین قسم کی ہیں۔ خلقِ نورانی۔ خلقِ نفسانی۔ خلق جسمانی اول عالم عقول و ارواح ہے۔ دوم عالم نفوس۔ سوم عالم اجسام اور انسان تینوں مرحلے رکھتا ہے "خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ"۔ تمام جوڑوں کو خدا نے زمین اور اُن کے نفوس اور ایک جزو سے پیدا کیا ہے۔ جس کو وہ نہیں جانتے کیونکہ وہ فوق عالم نفوس و عالم اجسام ہے اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کے لئے ایک واسطہ کی ضرورت ہے۔ پس وہ واسطہ جو عالم اجسام سے عالم نفوس میں پہنچاتا ہے۔ ملک الموت ہے۔ اور جو عالم نفوس سے عالم ارواح میں لیجاتا ہے۔ ایک اور وجود ہے "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا" ضرور انسان پر ایک ایسا وقت عالم دہری میں آیا ہے کہ وہ شے تھا مگر شے غیر مذکور شے معروف و مذکور نہ تھا۔ یہ عالم دہری برزخی ہے جس کو عالم نفوس کہا گیا ہے "وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔ اور صور پھونکا گیا۔ تو تمام موجوداتِ ارضی و سماوی بے ہوش ہو گئیں۔ عالم ارواح نفوس

سے متعلق ہے کیونکہ فنا اور موت کا عالم ارواح سے تعلق نہیں ہے۔ وہاں صرف صعق ہے۔ عالم ارواح حقیقتِ وجودیہ محمدیہ ہے۔ جو قبل خلقت زمین وآسمان موجود تھی کہ ام الارواح و مرکز انوار ہے۔ اور اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے اس کے جس نے فرمایا ہے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے خدا کو بھی پہچان لیا ہے۔ عالم تدبیر و مقام تربیت عالم نفوس ہی اور سلسلہ نزولی میں اول جو دنیا میں آتا ہے۔ زمین سے پیدا ہوتا ہے کما قال عزوجل "وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا" خدا نے تمہیں زمین سے اگایا ہی اور زمین عالم اجسام سے ہے یعنی عالم ارواح سے گذر کر عالم نفوس میں داخل ہوتا ہے اور عالم نفوس سے عالم اجسام میں اور یہاں اسکا ظہور زمین سے ہوتا ہے وقت رجوع رجعت قہقری کرتا ہے یعنی وقتِ موت بواسطۂ ملک الموت اس عالم اجسام عالم دنیا کو چھوڑ کر عالم نفوس میں داخل ہوتا ہے اور پھر عالم نفوس و عالم برزخی سے بذریعۂ ولی مدبر عالم ارواح میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ مقام عود ہے۔ اور اسی کا نام معاد ہے۔

پس مربی و مدبر وہ ہے۔ جو ان تمام عوالم پر احاطہ رکھتا ہے اور شہید خلق وہی ہے۔ جو ان تمام عوالم پر شہید ہے۔ اور حاضر و ناظر اور وہ نہیں ہیں۔ مگر ذریتِ ابراہیم محمد و آل محمد کہ اول من اسلم و اول المسلمین ہے "مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" اور یہی لوگ نذیر للعالمین ہیں۔

سلسلۂ نذارت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہو کر ان کی ذریت میں حضرت خاتم النبیین پر منتہی ہوا۔ بعد آنحضرت ذریت ابراہیم کہ وارثِ نبوت

وما لک شفاعت ہی جناب امیر المومنین سے شروع ہوئی ہے۔ اور تمام کمالات نبوی حضرت علیؑ سے ظاہر ہوئے ہیں قال سبحانہ وتعالیٰ "انا اعطینٰک الکوثر" اے پیغمبر ہمنے تم کو کوثر عطا کیا۔ اگر کوثر کے معنی وصفی لیے جائیں یعنی کثرت اولاد۔ تو ظاہر ہے کہ اولاد جناب رسولؐ مقبول جناب امیر المومنینؑ ہی سے ہے اور معنی اسمی لیے جائیں۔ اور کوثر سے خاص حوض کوثر مراد ہو۔ تب بھی مسلم ہے کہ مالک کوثر پیغمبرؐ ہیں اور ساقی کوثر جناب علی ابن ابی طالب علیہ الصلواۃ والسلام ہیں اور کوثر کی سبیل انہی کے ہاتھ پر جاری ہوگی۔ غرض بعد پیغمبرؐ ذریت ابراہیمی میں یہ سلسلۂ شہیدیت وملکیت شفاعت وورانت نبوت تدبیر وتربیت وبشارت و زارت اولاد پیغمبر میں ہے۔ اور اولاد پیغمبرؐ جناب امیرؑ سے ہیں پس امامت گویا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اولادِ علیؑ میں ہے۔ بجعل الٰہی اور ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ایسا امام موجود ہو۔ جو ذریت ابراہیمؑ وعترت رسولؐ واولاد علیؑ ابن ابیطالب ہے یہی امام ہے جس کے ساتھ حشر ہوگا "یوم ندعوا کل اناس بامامھم" اور اسی سلسلۂ طیبہ سے ہے امام زمانہ جس کی معرفت اہل زمانہ پر واجب ہے اور حدیث میں آیا ہے "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ" جو اپنے امام وقت وامام عصر کو نہ پہچانے وہ جاہلیت کی موت کافر ومشرک ومنافق مریگا:

امام حق وامام باطل

ایک ائمہ وہ ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں "وجعلنا ھم ائمۃ یدعون الی النار"

اور ایک ائمہ یہ ہیں۔ جو کہ بحکم خدا لوگوں کو راہ خدا دکھلاتے ہیں "وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین" یہ امامت منحصر ہے سلسلہ ابراہیمی میں

ورنہ یوں تو بنے ہوئے امام و من یقتدی بہ بہت ہیں۔

نیز یہ امامت کلیۃً مخصوص ہے بنی اسمٰعیل سے نہ بنی اسرائیل سے۔ اور قبل زمان حضرت پیغمبر بنی اسمٰعیل میں کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی "ما اٰتیناھم من کتب یدرسونھا وما ارسلنا قبلک من نذیر" اے پیغمبر ہم نے ان میں کتب نازل نہیں کیں جنکو یہ پڑھتے ہوں اور نہ تجھ سے پہلے ان میں کوئی پیغمبر بشیر و نذیر بھیجا ہے حالانکہ سنت الٰہی ہمیشہ یہی رہی ہے "وان من اُمَّۃٍ اِلَّا خلا فیھا نذیر" ہر ایک امت میں ایک پیغمبر گذرا ہے۔ مگر بنی اسمٰعیل میں پہلے سے کوئی کتاب تنزیلی نہیں آئی۔ جس کو پڑھتے اور درس دیتے ہوں۔ البتہ کتاب وجودی ہمیشہ موجود رہی ہے "وَجَعلنا فِی ذریتہِ النبوۃَ وَالکتاب" اور یہ صرف تعظیم خاتم النبیین اور اس وجہ سے تھا کہ اگر ان میں کتاب تنزیلی آئی ہوتی اور اسکو پڑھتے اور درس دیتے ہوتے۔ تو لوگ پیغمبر کے حق میں کہتے کہ اس نے انہی کتب سے لکھ پڑھ کر یہ قرآن جمع کر لیا ہے۔ فقال عزوجل "مَا کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لَارتابَ المُبطِلُونَ بل ھُوَ اٰیاتٌ بَیِّنَاتٌ فِی صُدُورِ الَّذِینَ اُوتُوا العِلمَ وَمَا یَجحَدُ بِاٰیاتِنَا اِلَّا الظّٰلِمُونَ" یہ کتاب ہمیشہ سینہ بسینہ آئی ہے۔ اور وجود کے ساتھ رہی ہے اور بعد پیغمبر ذریت پیغمبر میں کتاب موجود ہے اور وہ ہی امام ہیں جن کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے وہ قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھے اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ موجود ہیں اور بعد فنا خلق بھی موجود رہیں گے کیونکہ انہی کے ساتھ حشر ہوگا اسی واسطے حجۃ اللہ کی تعریف میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے "الحجۃ قبل الخلقِ ومعَ الخلقِ وبعدَ الخلقِ" حجت اللہ وہ ہے جو مخلوق سے پہلے بھی رہا ہو۔ ساتھ بھی رہے۔ اور بعد میں بھی موجود ہے جس نے اس امام کو پہچان لیا۔ اور ان کے قول پر عامل ہوا اس کے لئے حق شفاعت

ثابت ہو گیا اور جو اُن سے خارج وجدا ہے شفاعت سے خارج ہو فانہٗ اذا انقسمت الحدود فلا شفع۔ ساقی کوثر علیؑ ہے اور یہ سبیل اُسکے ہاتھ پر جاری ہو گی سلسلہ اولادِ رسولؐ اسی سے ہے اور تمام فیوض نبویؐ اُسکے ہاتھ پر جاری ہوئے ہیں اور باب علم نبوی وہ ہی ہے اور فیض علم اسی سے جاری ہے۔ قال "انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابھا" وقال سبحانہٗ "وَاْتوا البیوتَ من ابوابھا"۔ گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہو۔ ان ابواب سے کون سے ابواب مراد ہیں؟ کیا یہی لوگوں کے گھروں کے دروازے مقصود ہیں اور ان کی بابت خدا حکم دیتا ہے کہ دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ اگر ایسا ہے تو یہ حکم محض فضول۔ کیونکہ کوئی احمق بھی ایسا تو نہیں کرتا ہے کہ اپنے گھر میں دیوار پھاند کر داخل ہوتا ہو۔ بلکہ سب دروازوں ہی سے داخل ہوتے ہیں اور دروازے اسی واسطے بنائے جاتے ہیں۔ پس ان ابواب سے ابواب علوم نبویؐ مراد ہیں۔ یعنی علیؑ اور اولاد علیؑ۔ کہ جس کو شہر علم نبیؐ میں آنا اور فیوضات نبویؐ سے مستفیض ہونا ہو۔ تو وہ ان ابواب علوم کے پاس آئے اور اُن سے علم حاصل کرے کیونکہ فیض نبیؐ ان ہی کے ہاتھ سے جاری ہوتا ہے۔ ساقی کوثر یہ ہیں۔ شافع محشر یہ ہیں اور علم نبیؐ کے در یہ ہیں ؎

نبیؐ ست شہرِ علوم و علیؑ بود در او
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سر او

علیؑ ساقی کوثر ہے قیامت میں اور دنیا میں مربی عالم کہ وہ آب حیات کی تقسیم کرتا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس اس ساقی کوثر کے بچے پر ان ایام میں کیا گذر رہی ہے اور وہ کس حال میں ہے۔ کمال تاسف ہے کہ غنی اور صاحب مال کو اس کے مال سے جدا اور محتاج کرتے ہیں۔ کن لوگوں نے ایسا کیا؟ کافروں اور مشرکوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہود و نصاریٰ نے نہیں کیا۔ بلکہ ان ہی لوگوں نے

ساقیٔ کوثر کے فرزند پر پانی بند کیا - جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اسکا باپ ساقی
کوثر ہے - اسی وجہ سے امام مظلومؑ کربلا میں بار بار یہ فرماتے اور ان ملاعین کو یاد
دلاتے تھے کہ آیا مجھے جو تم پیاسا قتل کرتے ہو مجھے پہچانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟
میں فرزند رسولؐ اور جگر گوشہ بتولؑ ہوں میرا باپ روز محشر ساقیٔ کوثر ہے -
جو مومنین کو آب کوثر سے سیراب کرے گا بابی انت وامی -

آج ۹ محرم الحرام ہے چاہئے کہ چند قطرے اشک بہا کر ساقی کوثر سے آب حیات
جاودانی حاصل کریں اور مستحق آب کوثر ہوں - واقعہ تشنگی روز عاشورا ایک امر
عجیب اور ایک سر عظیم اور قابل غور و فکر ہے - چھٹی تاریخ و ساتویں شب سے
خاص خاص محافظ لشکر ابن زیاد لعین کی طرف سے حفاظت نہر اور ممانعت آب
کے لئے مقرر ہوئے اور چشمہ آب حیات فرزند ساقی کوثر پر پانی کو بند
کر دیا اسی شب میں تیس شخص گئے اور پانی لائے - ساتویں کو خیمہ گاہ میں پانی تھا
شب ہشتم بریر ہمدانی بائیس آدمیوں کو لے کر گئے اور حضرت عباسؑ ہمراہ تھے
گھاٹ پر لڑائی ہوئی اور بیس مشک پانی لے آئے - لیکن آج کے دن یعنی
نویں تاریخ تنگی کا دن تھا - اور شدت تشنگی - کل تک تو لڑائی کا قطعی فیصلہ ہوا تھا آج لڑائی کا
قطعی فیصلہ ہو گیا کہ جنگ ہو گی - اور اسی روز تقریباً ۱۲ ہزار شامیوں کی اور مزید کمک عمر سعد
لعین کو پہنچ گئی - اور شاید شمر ذی الجوشن ملعون بھی اسی دن پہنچا اور ایک
حکم خاص ابن زیاد کا عمر سعد کے نام لایا کہ یا سپہ سالاری سے دستبردار
ہو جا یا امام حسینؑ کو قتل کر - مصیبت شروع ہو گئی - پانی بھی ختم ہو گیا - آخر
شب بعض اصحاب نے وضو کیا اور امامؑ کے مشکیزہ میں اتنا پانی تھا - کہ آپ
نے غسل فرمایا حضرت نے اسی شب عبادت کے لئے مہلت لی - شیث بن
ربعی ملعون نے کہا کہ اگر یہود و نصاری اجازت طلب کرتے تو ہم دے دیتے

حضرت سکینہ پر شبِ عاشورا سخت تشنگی غالب ہوئی۔ قریب ایک تہائی
رات گذری ہوگی۔ کہ آپ خیمہ گاہ سے باہر نکل پڑیں اور خیمہ جناب عباس
علیہ السلام میں تشریف لے گئیں۔ پانی نہ پایا۔ پھر خیمہ اصحاب میں گئیں
وہاں بھی پانی نہ پایا۔ مایوس ہو کر باہر نکل آئیں۔ اور خیمہ کے دروازے پر
باہر حیران کھڑی رہ گئیں۔ ایک شخص اصحاب امام میں سے جو قبیلہ بنی ازد
سے تھا۔ باہر نکلا اور دریافت کیا کون ہے؟ کہا میں سکینہ بنت الحسین ہوں
عرض کیا رات کے وقت تم یہاں کیسے آئیں اور تمہارا کیا کام ہے؟ آپ نے
فرمایا پانی کی تلاش میں آئی تھی۔ اس خیمہ سے دو خیموں کے فاصلے پر
ایک خیمہ تھا۔ اس میں تمام انصار جمع تھے۔ اس گفتگو کو بُریر بن خضیر ہمدانی
نے سن لیا۔ باہر نکل آئے۔ دریافت کیا۔ تم کون ہو؟ فرمایا سکینہ بنت الحسین
عرض کیا۔ تم کیوں اس شبِ تار میں خیمہ سے باہر نکل آئیں۔ فرمایا پیاسی
ہوں پانی کی تلاش میں نکلی تھی۔ عرض کیا میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں بہت
گراں ہے مجھ پر کہ میں زندہ ہوں اور تم پیاسی رہو۔ خیمہ میں گئے۔ اپنی مشک
اٹھالی اور اپنے قبیلے کے دو آدمی ہمراہ لئے اور نہر پر پہنچے۔ عمران ابن حجاج
جو محافظین فرات پر افسر تھا۔ بریر کے چچازاد بھائیوں میں سے تھا
جب اس نے آہٹ سنی تو آگے آیا۔ آواز دے کر دریافت کیا کون ہے؟ بُریر
نے جواب میں کہا تیرا بھائی چچا کا بیٹا۔ یہ کہکر بریر نہر میں داخل ہو گئے۔ وہ لعین
بھی اپنے ہم قبیلہ کی آواز سنکر خاموش ہو گیا۔ کہ اگر یہ پانی پی لے گا۔ تو
کچھ مضائقہ نہیں۔ حیف صد حیف کہ اسپنے کنبے قبیلہ کا ایسا خیال۔ رکھتے تھے
مگر قرابت رسولؐ کا کچھ پاس و لحاظ نہ کرتے تھے۔

بُریر جس وقت نہر میں داخل ہوئے۔ عمر پھر آگے آیا اور کہنے لگا

اگر تو اپنے واسطے پانی لیتا ہے لے۔ مگر حسینؑ کے لئے ایک قطرہ نہ دوں گا بریر نے کہا وائے افسوس تیری ماں تیری ماتم میں بیٹھے۔ پسر ساقی کوثر کے واسطے پانی بند کرتا ہے۔ اور مجھے اجازت دیتا ہے اور یہ کہکر اپنے دو ہمراہیوں کو حکم دیا۔ کہ اس لعین کو پکڑ لو اور آپ نے مشک پُر کرلی اور لیکر چلدیئے۔ عمر لعین نے اپنے ہمراہیوں کو آواز دی۔ محافظین نہر ہوشیار ہو گئے۔ بریر خیمہ گاہ کی طرف چلے جاتے تھے۔ اور ان کے ہمراہی دونوں طرف سے ان کی حفاظت کرتے تھے۔ کہ ناگاہ محافظین نہر آ پہنچے اور پیچھے سے حملہ کیا وہ شخص ازدی جو جناب سکینہ سے ہمکلام ہوا تھا۔ اس نے جاکر جناب عباس علیہ الصلواۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر دی۔ کہ بریر ہمدانی پانی کے لئے گیا تھا اور وہاں لڑائی ہو گئی حضرت عباسؑ چند اصحاب کو ہمراہ لیکر بریر کی مدد کو چلے اور ان کے ہمراہ بعض محافظین خیمہ گاہ بھی ہو لئے اور بریر سے جا ملے عمر نے جب یہ دیکھا اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ اگرچہ رات ہے مگر بریر پر تیر برسانے شروع کر دو۔ ملاعین نے تیر بارانی شروع کی۔ ادہر بریر نے اپنے ہمراہیوں کو کہا۔ تم سب میرے ارد گرد ہو جاؤ تاکہ مشک تیروں سے محفوظ رہے اور پانی خیمہ تک پہنچ جائے۔ اس تیر بارانی میں سات تیر بریر کے لگے۔ مگر انھوں نے کچھ پروا نہ کی۔ آخر ایک تیر ایک اور شخص کے دل پر لگ کر بریر کے لگا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ یہ تیر مشک پر لگا ہے۔ بریر سے دریافت کیا کہ کیا مشک پر لگا ہے؟ بریر نے جواب میں کہا الحمد للہ کہ تیر مشک پر نہیں لگا میری گردن پر لگا ہے تا اینکہ پانی اسی طرح سے خیمہ تک پہنچا دیا۔ در خیمہ پر پہنچکر بریر نے آواز دی اے اہل بیت نبوت و رسالت یہ پانی لو۔ لکھا ہے کہ ۲۶ یا ۲۸ بچے ہاتھوں میں کوزے لیکر دوڑے اور مشک پر گرنے لگے۔ معلوم نہیں۔ ان بچوں کی تشنگی میں مشیت ایزدی کیا تھی کہ کسی بچہ کا ہاتھ

مشک کے تسمہ پر لگا۔ اور تسمہ ٹوٹ کر مشک کھل گئی اور تمام پانی زمین پر بہ گیا اور وہ اطفال خورد سال مایوسانہ ایک دوسرے کا منہ تکتے پیاسے رہ گئے جس وقت حضرت ابی الفضل عباسؑ نے یہ واقعہ دیکھا کہ بچے شدتِ تشنگی سے اپنے آپ کو اس تر زمین پر گرائے دیتے ہیں۔ جہاں پانی گرا تھا بیتاب ہو گئے۔ صبر نہ کر سکے۔ ساقی کوثر کے فرزند تھے۔ فوراً گھوڑا طلب کیا اور چالیس اصحاب کو ہمراہ لے کر روانۂ فرات ہوئے اور گھاٹ پر پہنچکر تیس مشکیں پانی سے بھر لیں۔ عمر بن حجاج ملعون نے پھر تیر اندازوں کو تیر برسانے کا حکم دیا اور انھوں نے حضرت عباسؑ اور ان کے ہمراہیوں پر تیر برسانے شروع کر دئے۔ مگر حضرت عباس پانی لے آئے اور شبِ عاشورا خیمہ گاہ میں پانی رہا۔ لکھا ہے کہ صبح کو اصحاب نے آخری غسل کیا۔

لیکن روز عاشورا آفتاب درجۂ ششم میزان میں تھا۔ گرمی کی شدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ کہ قریب صبح کے دس گیارہ بجے کا وقت ہو گا کہ اطفال حسینؑ کی شدتِ تشنگی سے ایسی حالت ہو رہی تھی۔ کہ اگر انسان بریر اور عمر سعد کے اور نیز حر بن یزید ریاحی کے مکالمہ کو سنے تو دل پاش پاش ہو جائے۔

پہلے حملہ میں جب حضرت کے پچاس اصحاب درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے تو بریر عمر سعد کے پاس گئے۔ عمر نے خیال کیا۔ شاید بریر حسینؑ کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ جب بریر خیمہ عمر سعد لعین میں داخل ہوئے تو آپنے اس شقی ازلی کو سلام نہ کیا اور بیٹھ گئے اس نے کہا کہ اے بریر کیا تم مجھے مسلمان نہیں جانتے کہ سلام نہ کیا جو طریق اسلام ہے۔ بریر اس ملعون کا یہ کلام سنکر رونے لگے۔ اس شقی نے کہا کہ اے بریر تم روتے کیوں ہو؟ میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا ہے۔ بریر نے جواب دیا کہ اے عمر میں اس لئے روتا ہوں

کہ تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور دعوے مسلمانی کرتا ہے اور صاحب اسلام اور رسولؐ خیر الانام کی اولاد شدت تشنگی سے بیتاب ہے اور ان کے نالۂ و فریاد اور صدائے العطش العطش سے مابین زمین و آسمان پُر ہے۔ لیکن بریر کی نصیحت آمیز تقریر نے اس لعین پر کچھ اثر نہ کیا اور حضرت بریر واپس چلے آئے۔ پھر لڑائی شروع ہوگئی۔ اور اس عرصے میں حرؑ لشکر ابن سعد سے نکل کر حضرتؑ کی طرف آئے اور اذنِ جنگ لیکر میدان میں گئے لشکر کے مقابل ہوکر کہنے لگے "یَا قَوْمِ ثُکِلَتْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ" اے قوم تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں تم نے یہ کیا غضب کیا ہے اول خطوط لکھ کر اس برگزیدہ خدا کو بلایا۔ اور جب وہ آیا تو تم نے لشکر جمع کرنے شروع کر دیئے اور اس پر فوج کشی کی اور پانی تک اس پر بند کر دیا۔ حالانکہ تمام جانورانِ صحرا پانی پیتے ہیں اور سگ و خوک اس میں لوٹتے ہیں اور اولاد رسولؐ تشنگی سے بیتاب ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا۔ تو میرے ہمراہ آؤ۔ اور دیکھو کہ اطفال حسینی کا شدتِ تشنگی سے کیا حال ہے۔ کہ اُٹھتے ہیں اور زمین پر گر پڑتے ہیں۔ یہ حالت شدت تشنگی تو قریب صبح تھی مگر وقت ظہر ان بچوں کا کیا حال ہوا ہوگا اور بوقتِ عصر ان پر کیا گذری ہوگی اور کس طرح العطش العطش کی صدائیں بلند ہونگی۔ نہیں نہیں عصر کے وقت سب سیراب ہو گئے تھے اور ایسے سیراب تھے کہ کوئی پیاس کو یاد بھی نہ کرتا تھا اور نہ العطش العطش کہتا تھا۔ ہر طرف سے یہی صدا بلند تھی یا رسول اللہ آیئے اور دیکھئے کہ آپ کا فرزند اور آپ کی گود کا پالا ریگ گرم پر خاک و خون میں غلطاں بے سر پڑا ہے۔ اس وقت کوئی العطش نہ کہتا تھا سب اپنا صدمہ بھول گئے تھے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔"

باسمہ سبحانہ

حصّۂ سوم

نوٹ

اس حصہ میں ہم چاہتے تھے کہ سات آٹھ مواعظ ضرور درج کریں لیکن چونکہ ایک تو طول کا خیال ہے دوسرے دیر کا۔ اور مومنین خواہشمند ہیں کہ "مواعظ حسنہ" جلد شائع ہو اور نہایت بیتابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں اس لیے بالفعل اس حصہ میں صرف دو چیزوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ایک تفسیر آیہ قدر دوسرے مجالسِ نُور جو بے بہا جواہر اور بہت سے مواعظ نہیں بلکہ حقائق و معارف کی جان ہیں یہ چار ابوابِ علم ہیں جن سے سیکڑوں ابواب علم منکشف ہوتے ہیں "البرہان" کے اوراق میں منتشر تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ اب مواعظ حسنہ کی لڑی میں منسلک ہو کر محفوظ ہو جائیں اور مومنین ان سے مستفیض ہوں۔

ماہ ذی الحجۃ الحرام سنہ ۱۳۳۱ھ میں جبکہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کوئٹہ میں موسم گرما بسر کر رہے تھے۔ جناب صاحبزادہ میر حسن دام علاہ نے جوان اطراف کے فاضل ترین علماء اہل سنۃ والجماعۃ سے ہیں آیہ مجیدہ "انا کل شیٔ

خنقناہ بلقد" کی تفسیر سرکار موصوف سے تحریراً دریافت فرمائی اور جواب عربی ہی میں طلب کیا۔

علامہ قدس سرہ العزیز نے فوراً جواب تحریر فرما کر پیغامبر کے ہاتھ ارسال فرما دیا جس کو صاحبزادے صاحب نے بہت پسند فرمایا اور بے حد متاثر ہوئے۔ بلکہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے۔ وہ جواب بجنسہ حضرات اہل علم کثرہم اللہ وجودہم کی خاطر اول رسالہ البرہان میں اور اب ان مواعظ کے ضمن میں پیش کیا جاتا ہے باسواد حضرات خصوصاً اہل ذوق اس سے بیحد محظوظ ہونگے اور بلاشبہہ اسکو الواب علم پائینگے۔ قضا و قدر کے اہم ترین مسائل پر نمایاں روشنی پڑے گی اور بہترین نتائج اخذ ہونگے۔

اس جواب کے آخر میں صاحبزادہ صاحب سے بھی ایک آیت کی تفسیر کا مطالبہ کیا ہے مگر تاحال خاموشی ہے۔

بعض حضرات ضرور یہ اعتراض کریں گے کہ عربی میں اس مضمون کو شائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کا اردو ترجمہ طبع کیا جاتا۔ جس سے عام مومنین مستفید ہوتے۔ یہ اُن کا اعتراض درست ہے لیکن اول تو یہ عبارت ترجمہ سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسکی مفصل شرح کی ضرورت ہے جس کے لئے ایک علیحدہ رسالہ بلکہ کتاب چاہئے۔

دوم یہ مطالب عوام کے لئے اردو کا لباس پہنکر بھی مفید نہیں ہو سکتے لباس تبدیل ہونے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی۔ جو اسکے سمجھنے کے اہل ہیں وہ عربی ہی میں سمجھ سکتے ہیں۔

اسی تحریر میں چند مقامات پر سرکار علامہ کی طرف سے ×—× کے نشان لگائے ہوئے ہیں جن سے مراد یہ ہے کہ یہاں استدلال میں

شبہ ہے تاکہ اہل علم اسکو دریافت کرنے کی سعی فرمادیں اور حل کریں۔

مجالس نور وہ تین مجلسیں ہیں جو آیۂ نور اللہ نور السموات والارض الخ پر پٹیالہ میں جناب محترم فضائل مآب خلیفہ مولوی السید محمد ہاشم صاحب کے دولتکدہ پر سرکار موصوف نے بتقریب میلاد حضرت سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۷-۱۸-۱۹- ربیع الاول ۱۳۳۳ھ کو بیان فرمائی تھیں اور جنکو جناب فضیلت انتساب قاری مولوی معنوی شیخ نبی بخش صاحب پٹیالوی فی الحال مشہدی زید فضلہ نے ترتیب دیا تھا۔ یہ مجالس عجیب وغریب مطالب عالیہ پر مشتمل ہیں اور بے نظیر نکات قرآنی ان میں بیان کئے گئے ہیں۔ صاحبان ذوق بیسیوں مرتبہ ان کو پڑھ چکے ہیں اور سیر نہیں ہوتے ناظرین پڑھیں گے اور لطف اٹھائیں گے۔ یہ مجالس برمحل نوٹ کئے بغیر بعد اختتام مکاپنر آ کر مرتب کیگئی ہیں۔ اسلئے وہ تمام باتیں جو بیان کی تھیں حیطۂ ضبط وتحریر میں نہیں آسکی ہیں کیونکہ سننے کے وقت انسان محو حیرت ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات حالت وجد طاری ہو جاتی ہے اور اسکے بعد میں سیکڑوں باتیں فراموش ہو جاتی ہیں ترتیب بھی بدلجاتی ہے تحریر واسلوب میں بھی فرق آجاتا ہے پھر اردو میں وہ عبارت بھی باقی نہیں رہتا جو اسل فارسی میں ہوتا ہے اور یہ زبان ابھی مطالب علمیہ کے احاطہ سے ایک حد تک قاصر بھی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ترتیب و ترکیب کا خاص اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ شیئت شے صورت پر ہے نہ مادے پر۔

تاہم مولوی صاحب نے اصل ترتیب کو باقی رکھنے کی بہت کوشش کی ہے۔ صرف بعض جگہ بضرورت بعض مطالب میں کمی بیشی ہوئی ہے۔ لیکن بفحوائے ؎

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہمکو

ناظرین اسی ترتیب میں اصل حقیقت کا پتہ لگا سکتے ہیں اور گھر بیٹھے ان مجالس کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

مولوی صاحب موصوف نے خطبہ کے بعض الفاظ بھی حتی الامکان محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ مومنین ان جواہرات کو دیکھ کر مسرور ہوں۔

ہمارے بعض احباب کی دلی خواہش تھی بلکہ بار بار تاکید کہ میں نئے سرے سے ان مجالس کو ترتیب دوں۔ میں نے کچھ وعدہ بھی کر لیا تھا مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی اور علالتِ طبع نے اسکا موقع نہ دیا حقیقۃً معذوری رہی اور اس لئے امید ہے کہ وہ حضرات ضرور معاف کریں گے

العذر عند کرام الناس مقبول

والسلام خیر ختام

السید محمد سبطین عفی عنہ

سرسوی

هو الکافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ خیر الاسماء الحسنی وله الحمد فی الآخرة والاولی وسلام علی عباده الذین اصطفی ولاسیما سیدهم محمد ن المصطفی واٰله وعترته الذین هم صدور ایوان الاصطفاء **وبعد** سئلت ایها العالم الجمیل والفاضل النبیل اعنی الصاحبزاده میرحسن دام علاه من اٰیة من کلام اللہ الملک الجلیل الواردة فی التنزیل اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم۔" انا کل شیٔ خلقناه بقدرٍ" فکتبت ما وقفت من وجوه التفسیر والتحویل مما اخذته وتلقیته من مهابط الوحی ومعادن التنزیل ومعالم التاویل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

انّا اصله اننا لکن النون حذفت لکثرة النونات والمحذوفة النون الثانیة من انّ لانها التی تحذف فی مواضع من القران منها قوله تعالی" وان کل لما جمیع لدینا محضرون" وقد جاء علی الاصل کما فی قوله تعالی "اننی معکما" والضمیر المتکلم اسمه وفی موضع النصب **کل** یجوز فیه الرفع وان کانت الجماعة وظاهر القراة علی النصب وذلک انه من مواضع الابتداء فهو کقولهم" زید ضربته" والجملة وقعت فی الاصل خبرا من المبتداء فکانه قال نحن کل شی خلقناه بقدر" ثم دخلت

ان فصب الاسم وبقی الخبر علی ترکیبه ویجوز النصب لان تقدیرہ
انا خلقنا کل شیٔ والفعل منتظر لبعد انا فلما دل علیه فعل بعدہ
حسن اضمارہ وعلی ھذا یکون الفعل خبران وفیه ان الاصل فی خبر المبتدأ
ان یکون اسما لا فعلا جزء منفردًا وخبران واخواتها کاخبار المبتدأ
فالاول ھو الاولی والمعنی علی کلا الوجھین متقاربة واعراب الباقی
لا یحتاج الی التوضیح۔

والقدر بالسکون والتحرک المصدر من قولھم قدر یقدر
قدرًا وقدرًا وھما لغتان وفی کتاب اللہ "فسالت اودیة بقدرھا
وقدرھا" وعلی الموسع قدرہ وقدرہ" وما قدروا اللہ حق
قدرہ وقدرہ"

ومعنی القدر وقت المقدر للشی والمکان المقدر له وھو قوله تعالیٰ
"انا انزلناہ فی لیلة القدر" والی قدر معلوم" فسالت اودیة بقدرھا
واذا نسب الی اللہ تعالیٰ فھو مقابل للقضاء وما سبق علیه القضاء
وھو قوله تعالیٰ "فقضٰھن سبع سموات الی قوله تعالیٰ ذلک تقدیر العزیز
العلیم"

وجملا القدر قدران قدر علمی عزمی - قدر حتمی فعلی فالاول
عبارة عن وجود الاشیاء مقدرة مصورة بتشخصیاتھا وجزئیاتھا فی
لوح المحو والاثبات والثانی ھو عبارة عن وجودھا فی موادھا الخارجیة
مفصلة واحدا بعد واحد مرھونة باوقاتھا وازمنتھا موقوفة علی موادھا
واستعداداتھا مسلسلة من غیر انقطاع کما قال تعالیٰ "وان تعدوا نعمة
اللہ لا تحصوھا" وقال تعالیٰ "وما ننزله الا بقدر معلوم" واشار الی القدر

العلمی بقوله تعالی وکل شی عنده بمقدار انا کل شی خلقناه بقدر واشار الی
ان هذا القدر القدر العلمی بقوله تعالی بعده وما امرنا الا واحدة کلمح بالبصر
والحاصل ان هذه المسئلة راجعة الی مسئلة علم الله تعالی بالاشیاء
قبل ایجادها ووجودها فی عالمی القضاء والقدر وملخصه ان القضاء
عبارة عن وجود جمیع الموجودات بحقائقها الکلیة وصورها العقلیة
فی العالم العقلی مرتبطة بالحق الاول موجودة فی صقع الهیة لا ینبغی عدها
من جملة العالم ویدل علیه کلمة عند فی قوله تعالی وان من شی الا عندنا
خزائنه فالعالم کلها جوده ورحمته کما قال تعالی ورحمتی وسعت کل شی و
خزائن جوده ورحمته یجب ان تکون قبل الجود والرحمة فلئن کانت تلک
الخزائن من جملة جوده ای من مخلوقاته فلا بد لها ایضا خزائن سابقة
علیها فظهر ان خزائن الله لیست من جملة المصنوعات بل هی سرادقات نوریة
ولمعات جمالیه وجلالیة وهو ایضا عزمی وحتمی والاول قوله تعالی
وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاه والثانی قوله تعالی کان علی ربک
حتما مقضیا وبین القضاء والقدر عموم وخصوص من وجه فصورة
الاجتماع الایة المتقدمة فقضیهن سبع سموات الی قوله تعالی ذالک
تقدیر العزیز العلیم واحدی صورة الافتراق قوله تعالی وما
ننزله الا بقدر معلوم وفیه اشارة الی المرتبة الاخیرة من التنزل
فالمتنزل هو القدر الفعلی الخارجی لکونه اخر المتنزلات والقدر المعلوم
هو القدر العلمی وهو سبب للقدر الخارجی کما دلت علیه باء السببیة
فاذن اخیرة المراتب هی القدر المتمحض الذی هو لیس بقضاء اصلا
لکونه التفصیل المحض الذی لا تفصیل فی الوجود بعده وهو وجود

المكونات الزمانية الحادثة فی ازمنتها علی التدریج و التعاقب و التقضی
و التجدد علی حسب الاستعدادات التدریجیة المتعاقبة الحصول
فی امتداد الزمان من تلقاء الاسباب المرتبة المتادیة الیهما
واخری صورتی الافتراق المرتبة القصوی الوجودیة من القضاء
الالهی بحسب التقرر فی حاق الاعیان یعنی وجود الاشیاء بنحو الجمعیة
والبساطة فی القلم الاعلی وهی القضاء المحض الوجودی الذی لیس
بقدر بالنسبة الی قضاء وجودی قبله والیه اشار بقوله تعالی "وقضی
ربك الا تعبدوا الا ایاه" اذ لو کان هذا القضاء الالهی فی القلم الاعلی
قدرا ای تقدیر فلا یمکن العباد فی المرتبة الاخیرة من السلسلة
النزولیة الزمانیة التخلف عن العبادة لان عبادة الله لیست
بمنسوخة هذا والمقام من مزال الاقدام ولا یسعنا الکلام بازید
مما قلنا فیه فلنرجع الی المرام و بالجملة قد حقق فی محله ان قدر و
قدر بمعنی ویدل علیه اللغة وقرات القراء فی قوله تعالی "نحن قدرنا
بینکم الموت" وقوله تعالی "قدرنا فنعم القادرون" مخففا ومشددا
وقال ابو العلی الجبائی فی الکریمة الاولی قدرنا وقدرنا بمعنی ویدل
علیه قوله "ومعز هد عنس قدرت لساقها"

والمعنی قدرت ضربی لساقها بعد اللتیا واللتی
فالقدر والتقدیر هو کمیة الاشیاء علی وجه مخصوص وصور مخصوصة
فمعنی قوله تعالی انا کل شی خلقناه بقدر ای خلقنا کل شی خلقناه
او نحن کل شی خلقنا سواء کان فی القدر العلمی او القدر الفعلی خلقنا
مقدرًا بمقدار یوجبه الحکمة - لم نخلقه جزافا ولا تعبثا

وتقديرالله الاشياء على وجهين الاول بجعلها على مقدار ما تدعوا
اليه الحكمة وايجادها حسب ما اقتضاها اما كاملا وبالفعل كالعوالم
العلوية واليه اشار بقوله تعالى فى الكريمة المتقدمة "فقضهن سبع
سموات واوحى فى كل سماء امرها وزينا السماء الدنيا بمصابيح وحفظا
ذالك تقدير العزيز العليم" وايضا قال تعالى "والقمر قدرناه منازل"
وايضا قال تعالى "والشمس تجرى لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم"
او باصول مخصوصة وكمالها بالقوة ولا يتاتى منها غير ما قدرله فيها
كالمولدات التناسلية كما فى قوله تعالى "خلق الارض فى يومين وقدر فيها
اقواتها" وايضا قوله تعالى "من نطفة خلقه فقدره"
والثانى باعطاء القدرة لعبد خلقها ليصح صدور الفعل اختيارا
لا قسرا واليه اشار بقوله تعالى "الم نخلقكم من ماء مهين فجعلناه
فى قرار مكين الى قدر معلوم فقدرنا فنعم القادرون" وعليه
يدل ايضا قوله تعالى "كلا نمد هولاء وهولاء من عطاء ربك وما
كان عطاء ربك محظورا" وهذه الاية تنادى بان افعال العباد
صادرة عنهم اختيارا لا قسرا كما زعمه مجوس هذه الامة يعنى القدرية
فانهم يقولون ان الشرورات من الكفر والمعاصى صدرت بالقدر
الخلقى الحتمى من الله تعالى والعباد مقهورون على فعلها قاتلهم الله انى يوفكون
كانهم لم يسمعوا الله عز وجل يقول "ما ترى فى خلق الرحمان من تفاوت"
اے اختلاف وتناقض من طريق الحكمة بل ترى افعاله كلها سواء
فى الحكمة وان كانت متقاربة فى الصور والهيات يعنى فى خلق الاشياء
على العموم والاية تدل دلالة صريحة على ان الكفر والمعاصى والشرورات

لا تکون من خلق الله لکثرة التفاوت فی ذلک علی خلاف الحکمة کما لا یخفی
علی اولی الالباب الذین یقولون "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا
وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب". هذه عضة من الکثیر
وقطرة من الغدیر مما حضر عندی من التعبیر والتفسیر نمقتها
فی قلة المجال وتشتت البال وها انا اسئل جنابک عن قوله تعالی "وقل
اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمومنون وستردون الی عالم
الغیب والشهادة فینبئکم بما کنتم تعملون" والتمس منک الجواب
عما فیه وله وبه وعلیه بفصل الخطاب والحمد لله اولا واخرا والیه
المراجع والمآب

حرره الاحقر الجانی عبد العلی الهروی
الطهرانی فی یوم الثانی والعشرین من
ذی الحجة الحرام سنة ۱۳۳۱ھ

مجلس اوّل

متعلّق آیۂ نور

الحمد للہ باری البریات داحی الارضین المدحیات رافع السموات المسموکات
مرسی الجبال الراسیات الشامخات مدھر الدھور ومقدر الازمان
والاوقات منشی الاماکن والجہات ۔ مصور الخلائق ذوی الاوصاف
المختلفات والالوان واللغات مدیر الافلاک وموکل الاملاک وخالق
النفوس المدبرات المقسمات محی العظام البالیات الفانیات الفاسدات
جاعل النور والظلمات الذی توحد فی ازلیتہ اللاھوتیہ وتفرد فی
ابدیتہ الجبروتیہ فلا تبلیہ اللیالی والایام ولا یغیرہ الضیاء والظلام
ولا تنالہ الظنون والاوھام ۔ بعد فارتفع فی السمٰوٰت العلیٰ قرب و
دنیٰ فشھد النجویٰ العقل قطرۃ من بحار ملکوتہ والنفس شعلۃ من
شعلات انوار جبروتہ یعلم عجیج الوحوش فی الفلوات وطنین الطیور
فی الوکرات واختلاف الحیتان فی البحار الغامرات وتلاطم الماء
بالریاح العاصفات ومعاصی العباد فی الخلوات فلا الٰہ الا ھو الملک
القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما
یشرکون والصلوٰۃ الدائمۃ الباقیۃ علی عینہ الباصرۃ واذنہ
الواعیۃ ویدہ الباسطۃ ولسانہ الناطق ووجہ الباقی ۔ نور
الارواح وروح الاشباح امام الامکان وابی الاکوان عین اعیان المکونات
افضل نتائج الاباء والامھات ۔ محمد المحمود عند اھل الارضین والسمٰوٰت

وعلى الہ المنتجبین المھدیین المھتدین الذین جرت بہم علے الخلق جمیع النعمات و بھدایتہم یھتدی الی مناھج الصدق والسعادات وبشفاعتہم یشفی غلیل صدور اھل الجرائم والسیئات واللعنۃ الدائمۃ علے اعداءہم الی قیام الساعۃ بکل لغات ۔ قال عزوجل (اعوذ باللہ السمیع البصیر من الشیطان الرجیم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ

تعریف و توصیف دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ایک وہ ہے جو ہم بیان کر سکتے ہیں اور ایک وہ ہے جو ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہے ۔ ہم نہیں بیان کر سکتے فقال عزوجل ”قل لو کان البحر مدادا لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا“

تقسیم حرکت وثبوت قوت برقیہ در اجسام واجرام

ہر حال یہ امر مشاہدات اور تجربیات سے ہے کہ جس قدر مخلوقات ہیں سب میں ایک طرح کی حرکت پائی جاتی ہے ۔ جمادات ، نباتات ، حیوانات ، انسان ، آفتاب ماہتاب وغیرہ سب میں ایک طبعی اور فطری حرکت موجود ہے ۔

حرکت کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک طبعی اور فطری ۔ دوسری قسری اور جبری ۔ اور حرکت طبعی ہر شے کی مائل بہ ترقی ہے سائل بہ تنزل نہیں ہے ۔ پتھر ہے کہ ترقی کر کے زمین سے کئی کئی ہزار فٹ بلند ہو جاتا ہے!!! ۔ اشجار ہیں کہ سو سو گز اونچے چلے جاتے ہیں!! نباتات ہیں کہ اپنی حیثیت کے موافق زمین سے اونچی ہو جاتی ہیں ۔ اور یہ امر بھی مسلم اور مشاہد ہے کہ اجسام میں حرکت بسبب ایک حرارت کے ہوتی ہے

اور جب جسم میں سے حرارت نکلجاتی ہی تو اس جسم کی حرکت بھی بند ہو جاتی ہی۔ آجکل کے سائنس داں اسکو الیکٹریسٹی اور برق کہتے ہیں۔

ہر صاحب زبان اور علم کے نزدیک اس زبان اور علم کی خاص خاص اصطلاحیں مقرر ہوتی ہیں کہ جب وہ لفظ بولا جاتا ہے۔ تو اس سے وہی شے سمجھی جاتی ہے مثلاً اہل ہند کے نزدیک پانی ایک لفظ ہے۔ اسی کو اہل عرب ماء اور اہل فارس (آب) اور انگریزی میں واٹر اور ترکی میں سُو کہتے ہیں۔ پس ان مختلف زبانوں میں اُسکے مختلف نام ہونے سے اس کی حقیقت میں فرق نہیں ہوتا۔ اسکی حقیقت واقعیہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتی ہے۔ صرف اُسکے وجود مکتوبی اور ملفوظی میں اختلاف ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی الیکٹریسٹی کو عربی زبان میں برق کہتے ہیں اور قرآن مجید و فرقان حمید میں اسکی حقیقت واقعیہ کو نور کہا گیا ہے۔ اور اصطلاح میں اس کو ملکوت فرمایا ہے فقال عزوجل اللہ نور السموٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نارٌ نورٌ علے نورٍ وقال بیدہ ملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون۔

پس اجسام و اجرام کو حرکت و نشو و نمو دینے والی کیا شے ہے؟ یہی نور اور ملکوت ہے۔ جس کو برق کہتے ہیں۔ اور یہ امر مسلمات اور مشاہدات سے ہے کہ ہر شے کی حرکت طبعی اُس کے اپنے مرکز اور مجمع کی طرف ہوتی ہے۔ اور یہ حرکت طبعی کئی گنا بڑھ جاتی ہے جب اُس کے ہمراہ حرکت قسری بھی شریک ہو جائے۔ اسی پتھر کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر ایک انسان سیکڑوں گز اوپر پھینک سکتا ہے حالانکہ وہاں پر پتھر نے اپنی طبعی حالت کو ختم کر لیا ہے!

اور یہ بات بھی مسلمات اور بدیہیات سے ہے کہ جس شے میں قوتِ برقیہ اپنے ماتحت

اجسام و اجرام سے زیادہ ہوگی۔ وہ شے اپنے ماتحتوں کا مرکز اور مجمع ہوگی۔ اور چونکہ انسان مجموعہ ہے جمادات، نباتات اور حیوانات کا۔ اس لئے انسان میں ان تمام انواع مخلوقات سے قوت برقیہ زیادہ ہے اور چونکہ قوت برقیہ ہی پر مدار ہے تجاذب اور تدافع کا یعنی جس قدر کسی شے میں قوت برقیہ زیادہ ہوگی اسی قدر اور انداز سے اس میں قوت جذب اور قوت دفع بھی دوسروں سے زیادہ ہوگی۔ پس اس قوت جذب اور قوت دفع کی جہت سے وہ شے اپنے جمیع انواع تحتانیہ کی مسخر اور حاکم۔ مجمع اور مرکز ہوگی۔ پس چونکہ انسان میں بہ نسبت جمادات نباتات اور حیوانات کے قوت برقیہ زیادہ ہے اس لئے انسان ان تمام جمادات، نباتات اور حیوانات کا مجمع اور مرکز ہے اور چونکہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات اور خود انسان کی حرکت بھی عالم علوی کی جانب ہی۔ جہاں کہ ان تمام انواع موجودات کا مجمع اور مرکز ہے۔ اور جمادات، نباتات اور حیوانات کی ترقیِ طولانی عالم علوی تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ یہ سب براہ راست بلا وسیلہ نور الانوار مبدء الدہور والاعصار تک ترقی کرکے نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے ان کی ترقی عرضی ہوگی نہ طولانی اور وہ بھی اس قدر ہوگی۔ کہ یہ سب اپنے مرکز اور مجمع تک جو انسان ہے پہنچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر عرضی ترقی کرتے کرتے۔ یاقوت اور زمرد و الماس ہو جاتا ہے۔ کہ اپنے آپکو اس درجہ تک پہنچاکر انسان تک پہنچا دے جو اس کا مجمع اور مرکز ہے۔ پس جب پتھر حرکت کرتے کرتے سونا ہو جاتا ہے۔ تو اب انسان خود بخود اسکو اپنے پاس کھینچ لاتا ہے۔ اور اس کو اشرفی بناکر اپنے کیسے میں رکھتا ہے۔ یا زیور بن کر اپنے جسم پر لگاتا ہے۔ اسی طرح اشجار ترقی کرتے کرتے ایک نہایت خوشگوار میوے کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ پس انسان اُن کو اپنے جسم کی غذا بناتا ہے۔ پس وہ اس ترکیب سے اپنے مجمع اور مرکز تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی طرف خداوند عالم ارشاد

فرماتا ہے "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً" اے بنی نوع انسان ہم نے جو کچھ زمین میں از قسم جمادات - نباتات اور حیوانات خلق کئے ہیں سب تمہارے فائدے کی خاطر ہیں۔ ان تمام انواع مخلوقات کا مرکز اور مجمع تمکو بنایا ہے"

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علے سید الانبیاء و المرسلین و الہ الطاہرین۔

لیکن انسان اور انسان میں فرق ہے تمام بنی نوع یکساں نہیں ہیں۔ ایک انسان تو

تقسیم نوع انسانی بلحاظ قوت برقیہ

وہ ہیں کہ ان کو آگ تک سلگانی نہیں آتی۔ اور ایک وہ ہیں کہ دوسری چیزوں سے قوت برقیہ لیکر اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ یعنی کچھ اس طرح کے آلات اور اوزار بناتے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ اور واسطے سے ایک جسم کی قوت برقیہ لے کر دوسرے جسم میں داخل کر دیتے ہیں۔ اور بیمار اور کمزوروں کو تندرست اور قوی بنا دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ قوت برقیہ ہوتی کیا ہے!! فقال عز و جل انظر کیف فضلنا بعضہم علی بعض" اور ایک وہ انسان بھی ہیں کہ بغیر آلات و ادوات کے قوت برقیہ اجسام میں داخل کر دیتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں اور وہ انبیاء اور اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ کہ بغیر کسی دوسرے جسم سے قوت برقیہ لئے ہوئے خود اپنے پاس سے دوسرے اجسام و اجرام میں ساری اور جاری کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جناب عیسیٰ مردوں پر اپنا دست مسیحائی رکھ کر قم باذن اللہ فرماتے پس وہ زندہ ہو جاتے تھے اور بہت سے مادر زاد اندھوں کو کہ جن میں قوت برقیہ باصرہ بالکل ہوتی ہی نہ تھی اپنا نورانی ہاتھ پھیر کر ان کو قوت برقیہ عطا کر دیتے تھے پس وہ بصیر اور بینندہ ہو جاتے تھے۔ پس انبیاء و اوصیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قوت برقیہ یقیناً بنی نوع انسان کی قوۃ برقیہ سے زیادہ ہے کہ وہ اپنے پاس سے دوسروں

کو قوت برقیہ عطا کرتے ہیں۔ اس لئے بنی نوع بشر کا مجمع۔ خزانہ اور مرکز انبیا اور اوصیا علیہم السلام ہیں پس بنی آدمؑ حرکت کرتے کرتے اپنے نبی اور امام کی طرف پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ بنی نوع انسان کا مجمع خزانہ اور مرکز انبیار او ان کے اوصیا علیہم الصلواۃ والسلام ہیں۔

اسی طرح نبی اور نبی رسول اور رسول میں بھی فرق ہے بعض نبی اور رسول ایسے ہیں کہ انکی نورانیت بہ نسبت دوسرے انبیار و مرسلین کے زیادہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ "تلک الرسل فضلنا بعضہم علے بعض منہم من کلم اللہ ورفع بعضہم درجات" پس جس نبی کی نورانیت کل انبیار مرسلین سے زیادہ اور بڑھی ہوئی ہوگی وہی نبی سب کی حرکت اور ترقی کی غایت اور منتہا ہوگا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ نورانیت اور قوت برقیہ صرف عالم

ثبوت قوت برقیہ دراجرام سماوی

سفلی ارضی ہی کے اجسام وموجودات میں منحصر نہیں ہے۔ عالم علوی کے اجرام وہیاکل میں بھی موجود ہے۔ بلکہ عالم علوی کی موجودات میں یہ قوت برقیہ وملکوتیہ عالم سفلی کے اجسام سے بہت زیادہ ہے۔ ایک آفتاب میں اس قدر نورانیت اور قوت برقیہ ہے کہ تمام عالم سفلی کو اس سے نور اور برق حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی نورانیت اور برقیت کی وجہ سے اس میں قوت جذب ودفع بھی سب سے زیادہ ہے۔ اسی واسطے حسب تحقیق حکمار اتنی بڑی زمین کو آفتاب اپنی قوت برقیہ نورانیہ کے ذریعہ سے حرکت دے رہا ہے۔

بہر حال جس طرح عالم سفلی کی موجودات بباعث اس قوت برقیہ کے جو ان میں موجود ہے سب کی سب عالم علوی کی طرف حرکت کر رہی ہیں۔ اسی طرح سے موجودات عالم علوی بھی علو کی طرف جہاں ان کا مرکز ہے اور مجمع ہے حرکت کرتی ہوئی جارہی ہیں۔

توضیح اصلیت قوتِ برقیہ

وہ قوت برقیہ جو تمام قوائے برقیہ نورانیہ کا خزانہ

مجمع اور مرکز ہے۔ کیا شے ہے۔ جس کی طرف کل عالم سفلی اور علوی کی موجودات حرکت کرتی ہوئی جارہی ہیں؟ پس وہ وہی مبدء نور ہے۔ جو ارشاد فرماتا ہے "اللہ نور السمٰوٰت والارض" اللہ ہے روشن کرنیوالا اور قوت برقیہ دینے والا آسمانوں اور زمینوں کو پس تمام موجودات ارضی وسماوی ترقی کرکے اللہ کی طرف جانا چاہتی ہیں۔

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ مجموعہ ممکنات حرکت کرتے کرتے ذات واجب الوجود سے جا ملیگا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ محال ہے کہ ممکن کی رسائی ذات واجب الوجود تک ہو سکے کیونکہ وہ منتہائے تجرد میں ہے اور یہ منتہائے ترکیب میں وہ قدیم ہے اور یہ حادث پس دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ ان کا اجتماع محال در محال۔ اب یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ پھر آخر یہ ممکنات حرکت کرتے ہوئے کہاں پہنچیں گے؟ پس اس امر کے سمجھنے کے لئے آپ سلسلہ نزولی مخلوقات کو بغور ملاحظہ فرمایئں۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مجموعہ ممکنات ترقی کرتے کرتے کہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ مجموعہ ممکنات وہیں تک پہنچ سکتا ہے۔ جہاں اسکا مرکز اور مجمع ہے۔ اس سے ایک بال برابر حرکت کرکے اوپر نہیں جا سکتا وہ مجمع ممکنات سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اسی واسطے جبریئل امین جیسا جلیل القدر ملک مقرب فرماتا ہے۔

لودنوت انملۃ لاحترقت ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

عنقریب سدرۃ المنتہیٰ کا بیان آئے گا۔ ممکنات کا سلسلۂ نزولی یہ ہے کہ سب سے پہلے خلاق عوالم نے ایک نور خلق فرمایا ہے۔ جو تمام انوار کا مصدر۔ مجمع۔ خزانہ اور مرکز ہوا۔ اسی نور سے تمام اشیاء ممکنہ کو نورانیت اور قوت برقیہ عطا ہوئی ہی اس طرح سے کہ پھر اس نور سے ایک طین خلق فرمائی۔ اور اس طین سے متعدد اقسام کی طینتیں خلق فرمایئں۔ اور ہر طین سے انواع واقسام کے اجسام

واجرام خلق فرمائے۔ اور جب ان اجسام واجرام اور ہیاکل و صُوَر کے قوالب بنکر تیار ہو گئے۔ تو پھر ان میں اسی نُورِ اول کی شعاعوں کو جاری وساری فرمایا۔ جس طرح سے ایک شہر میں پہلے خزانہ برقیہ بنایا جاتا ہے۔ بعد ازاں ہر کوچہ و بازار میں انواع و اقسام کے گلوب اور فانوس لگائے جاتے ہیں۔ پس جب سب بن کر تیار ہو جاتے ہیں تو ایکدم سے اس خزانہ برقیہ سے بقدر ضرورت برق چھوڑتے ہیں۔ پس تمام فانوس اور سارے گلوب جو بنائے گئے ہیں ایک دم سے روشن ہو جاتے ہیں؛

پس اسی طرح سے بلاتشبیہ تمام عوالم علوی وسفلی کے قوالب جسمیہ اور ہیاکل نوعیہ میں بقدر ضرورت خلاق عوالم نے اس خزانۂ برقیہ نورانیہ سے شعاعیں داخل فرمائیں۔ پس تمام عوالم علوی وسفلی حرکت میں آئے اور روشن ہو گئے فقال عزوجل "مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ یکاد زیتہا یضئ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور" یعنی شان اللہ کے نور کی (جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک ہی) مثل اس مشکوٰۃ کے ہے جس میں مصباح ہے اور وہ مصباح ایسے شیشے کے اندر ہے جو کوکب دری کی طرح روشن اور منور ہے۔ جو شجرۂ مبارکہ زیتونیہ سے روشن کیا جاتا ہے۔ وہ شجرۂ مبارکہ جو نہ شرقی ہی نہ غربی ہی بلکہ لامکانی لاہوتی ہے۔ جس کا روغن بغیر جلائے کے روشنی دیتا ہے پس محبوب کا جسم بھی نورانی ہے اور روح بھی نور ہے۔ پس وہ محبوب نور علیٰ نور ہے اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "اول ما خلق نوری۔ ففتق نوری فخلق منہ السمٰوات والارضین وانا داللّٰہ اجل من السموات والارضین" الخ اور چونکہ تمام مکونات علوی وسفلی کو نور اور قوت برقیہ اسی نور اقدم باعث ایجاد عالم صلعم کے نور سے حاصل ہی اسلیئے سب کے سب اُسی منبع و خزانہ اور مرکز کیطرف جو نہایت تعلی میں ہے۔ جانا چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ انکو قوت قاہرہ خداوندی نے اجرام و ہیاکل اجسام میں اسطرح سے گرہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے خود وہاں تک نہیں پہنچ سکتے

خود وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں جب وقتِ محتوم اُن کا آجاتا ہے۔ تو بقدرت پروردگار اُن کے قوالب وہیاکل خراب اور فاسد ہو جاتے ہیں۔ پس وہ نور اور قوت برقیہ اپنے فاسد فانوس سے نکل کر اسی اپنے مجمع اور مرکز سے جاملتی ہے۔ جس طرح سے جب کوئی تار الیکٹریسٹی کا خراب ہو جاتا ہے تو اسکی قوت برقیہ اس سے واپس ہوکر اپنے خزانہ سے جاملتی ہے؛

پس جس قدر عالم سفلی اور علوی میں اجسام واجرام وہیاکل وصور موجود ہیں۔ سب کے سب اسی اپنے مبدء اور مرکز کی طرف درجہ بدرجہ حرکت کر رہے ہیں جمادات نباتات کی طرف نباتات حیوانات کی طرف اور یہ تمام انسان کی طرف۔ انسان انبیاء مرسلین کی طرف انبیاء ومرسلین اس نور الانوار النبی المختار کی طرف جو کل عوالم کا مرکز ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی طرح زمین اپنے آفتاب کی طرف اور آفتاب وماہتاب اور تمام سیارے اور ثوابت بری ومالا یری مع اپنے اپنے نظام شمسی اور نظام قمری کے اسی مرکز نور مخزن نور مجمع البرق کی طرف جو ان سب کا مصدر ہے۔ حرکت کر رہے ہیں۔

آپ خیال کرتے ہونگے کہ آفتاب صرف ایک ہی ہے اور بس۔ ایسا ہرگز نہیں ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے "ان وراء شمسکم ھذہ تسعۃ وثلثون شمسا" یعنی تمہارے اس آفتاب کے پیچھے انتالیس آفتاب اور بھی ہیں۔ پس جو ہمکو نظر آتے ہیں اور جو نہیں نظر آتے وہ سب کے سب اسی اپنے مبدء کی طرف حرکت کر رہے ہیں اور ان سکو اسی نور الانوار مبدء الدھور والاعصار کی شعاع نورانی حرکت دے رہی ہے "یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ"! آفتاب باوجود اسکے کہ زمین سے (۲۲۸) گنا بڑا ہے اور اس قدر اسکی نورانیت اور قوۃ برقیہ تیز ہے کہ شاید یہ تیزی اور حدت اور کسی کرہ میں نہیں ہے۔ لیکن باوجود اس قدر بزرگی اور نورانیت کے ایک چھوٹے سے انڈے کی تاریکی کو دور نہیں کرسکتا!! آپ ایک چھوٹا سا انڈا لیکر دھوپ میں رکھدیں۔ تو آپ دیکھیں گے

اکہ اسکا بھی زمین پر سایہ پڑ رہا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ آفتاب خود مجمع قوت برقیہ اور مرکز نور نہیں ہے۔ اگر آفتاب خود مرکز نور اور مجمع قوت برقیہ ہوتا تو یقیناً جس شے پر اپنی روشنی ڈالتا وہ نور مجسم ہو جاتی۔

کل اشیاء ممکنہ کے اجسام اور انوار ہیں اور ہر ممکن کا نور اسکے جسم پر زائد ہے یعنی اس کے جسم کے علاوہ ہوتا ہے پس ہر ممکن سے اسکا نور جدا ہے عین جسم نہیں ہے۔ اسی واسطے ہر شے ممکن کا جسم اسکے نور سے علیحدہ دیکھا جاتا ہے اسی آفتاب کو دیکھیے کہ اسکا جسم ایک کردی شکل کا ہے اور اسکا نور تمام اطراف میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

لیکن جو مجمع قوت برقیہ اور مرکز انوار ہے اس کی یہ حالت اور کیفیت نہیں ہے۔ اس کا نور عین جسم اور جسم عین نور ہے وہ "روحِ مجسّم" اور "جسمِ مروح" یعنی نورِ علیٰ نور ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی واسطے اُسکے جسم نورانی کا سایہ ہی نہیں تھا۔

آمدہ ذاتِ نبی سایہ پروردگار

سایہ ازاں رو نداشت سروِ خراماں او

سخت دھوپ میں وجودِ محبوب کا سایہ معدوم ہو جاتا تھا

چنانچہ مورخین ومفسرین نے اسبات کو لکھا ہی کہ وجود ذی جود محبوب رب العالمین کا سایہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر تشریف لے جاتے تھے تو ہر وقت آپکے سر مبارک پر ابر رحمت سایہ فگن ہوتا تھا!! اسی بنا پر بعض اہل یورپ نے اعتراض کیا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر نکلتے تھے تو انکے سر پر ابر کا ٹکڑا سایہ کیے رہتا تھا۔ پس سایہ کیونکر ہوتا۔ سایہ تو اس وقت نمایاں ہوتا۔ جب ابر دھوپ کے وقت انکے سر سے ٹل جاتا۔ اور آفتاب کی دھوپ ان پر پڑتی پس سایہ بھی نمایاں ہو جاتا۔

اصل یہ ہے کہ ہر وقت آپکے سر مبارک پر ابر سایہ نہیں کیے رہتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو

ابوجہل اور دیگر مشرکین ہر وقت کا یہ معجزہ دیکھ کر ضرور ایمان لاتے کہ جو شخص ایسا مقرب بارگاہ ہے کہ ہر وقت ابر رحمت اس کے سر پر سایہ افگن رہتا ہے۔ وہ ضرور پیغمبر ہے۔

بلکہ اصلیت اور حقیقت اس سایہ کی یہ ہے کہ جس شئے میں قوتِ برقیہ اور حرارت زیادہ ہوتی ہے وہ اس شئے کی برودت اور حرارت کو سرد و منجمد کر دیتی ہے۔ جس میں کم درجہ کی حرارت ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی سردیوں میں ضرور اس امر کا مشاہدہ کیا ہو گا کہ جب آپ کے منہ سے گرم ہوا نکلتی ہے تو پاس کی سرد ہوا منجمد ہو کر ابر کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔ وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ اس وقت آپکے جسم میں بہ نسبت ہوا کے زیادہ قوت برقیہ موجود ہوتی ہے؛

پس وہ نور قدیم جو مبدء سالانوار ہے اور اس میں کل مخلوقات اور موجودات سفلی و علوی سے قوت برقیہ نورانیہ زیادہ ہے۔ جب کبھی دھوپ میں باہر تشریف لیجاتے۔ اور آفتاب اپنی حدت اور تمازت دکھلاتا تھا۔ تو اس وقت آپ بھی اپنی نورانیت کے آثار ظاہر فرما دیتے تھے۔ پس آپ کے نور کی کثرت اور حدت سے نور آفتاب سرد و ماند ہو جاتا تھا اور آپ کا نور ضوء آفتاب پر غالب آجاتا تھا اور شعاعہائے نورانی بالائے سر بطور تتق نور دھوپ میں مثل ابر سفید دکھائی دیتی تھیں اللھم صل علے محمد وآل محمد۔ پس یہ جو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے وسخر لکم الشمس والقمر وسخر لکم اللیل والنھار (اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر اور رات اور دن کو بھی تمہارا ماتحت بنایا)؛

وجہ تسخیر اور شمس و قمر کس کے مسخر ہیں

تو اس لکم (تمہارے لئے) سے کل بنی نوع انسان حقیقۃً مقصود نہیں ہیں۔ کیونکہ تسخیر کے لئے دو امر کا ہونا لازمی ہے اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو تسخیر حاصل نہیں ہو سکتی اول اعطا۔ دوم حکم یعنی مسخر (ماتحت) کو مسخر (افسر) اپنے پاس سے کچھ عطا کرے۔ اور پھر اس پر حکومت بھی رکھتا ہو۔ تاکہ ان دونوں باتوں کی وجہ سے جس وقت اسکو کوئی حکم دے۔ فوراً بجا لائے ہمارے نوکر اسی وقت تک ہمارے مسخر رہتے ہیں جب تک ہم ان کو کچھ دیتے رہتے

ہیں اور ہمارا حکم اُنپر ہوتا ہے ورنہ دوسری صورت میں وہ ہرگز ہرگز مسخر و فرماں بردار نہیں رہتے - پس کیا ہے کوئی جو آفتاب و ماہتاب اور زمین و آسمان کو اپنے پاس سے کچھ عطا کرتا ہے اور اُنپر اسکی حکومت ہی ؟ بدیہی ہے کہ مسخر کو مسخر صرف اشارہ کر دیتا ہی - پس وہ بلا توقف اسکی اطاعت کرتا ہے - اپنے نوکروں کو پکار کر کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی محض اشارے پر کام کرتے ہیں - پس اگر آفتاب اور ماہتاب ہمارے مسخر ہیں - جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے تو سردیوں میں ہم کیوں آفتاب کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ وہ کب نکلے اور ہم دھوپ سینکیں ؟ اور گرمیوں میں کیوں اسکے منتظر رہتے ہیں کہ جب ذرا اسکی حدت اور تیزی کم ہو تو باہر نکلیں ؟ سبحان اللہ خوب تسخیر ہے -

ردت الشمس لہ لما دنت من افق ۔۔۔ ولئن صیرھا اکرۃ لم تغب

(اس کے لیے سورج لوٹایا گیا - پھر افق سے نزدیک ہوا اور اگر وہ اسکو پھیرا دیتا تو غروب نہ ہوتا)

پس اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ آفتاب و ماہتاب ان انوار الٰہیہ کے تابع اور مسخر ہیں جو اُن کو اپنے پاس سے نور اور قوۃ برقیہ عطا کرتے ہیں اور اُنپر اپنی قوت برقیہ سے حکومت رکھتے ہیں علیہم الصلواۃ والسلام :

تقسیم انسان بلحاظ قوائے ظاہری و باطنی

انسان - انسان میں فرق ہے - ایک انسان طبیعی ہے - ایک انسان نفسی ہے اور ایک انسان عقلی ہے - انسان طبیعی ہماری ظاہری صورتیں ہیں - انسان نفسی صورت نفسانی ہے اور انسانی عقلی صورت روحانی عقلانی - بعبارت اُخرے انسان طبیعی یہی صورت جسمانی ہے کہ اس کے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ اعضا و جوارح ہوتے ہیں - مثلاً دیکھنے کے لئے آنکھ سونگھنے کے لئے ناک سننے کے لئے کان چلنے پھرنے کے لئے پاؤں - پس انسان طبیعی اپنے ایک عضو سے دوسرے اعضا کا کام نہیں لے سکتے - مثلاً دیکھنے کا کام کان سے نہیں لے سکتا سونگھنے کا کام آنکھ سے نہیں لے سکتا - دیکھنے کا کام ناک سے نہیں لے سکتا - وغیرہ پس انسان

طبیعی کے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، ناک ہر اعضا جدا جدا اور ایک دوسرے سے تمیز و ممتاز ہیں برخلاف اس کے انسان نفسی کے اعضا و جوارح ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں تمائز وضعی نہیں ہوتا۔ آپ نے کبھی خواب میں ضرور دیکھا ہوگا کہ آپ ایک دم سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچ گئے ہیں اور تمام دنیا کے عجائبات دیکھ آئے ہیں۔ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور حالانکہ آپ اپنی خوابگاہ میں پڑے ہوئے ہیں اور آپ کی آنکھ بند ہے اور آپ ہر ایک عضو کی طرف اشارہ حسی نہیں کر سکتے۔ پس وہ کون ہے جو بغیر جسمانی پاؤں کے ہزاروں میل سیر کر آتا ہے اور بغیر جسمانی آنکھ کے تمام دنیا کے عجائبات اور غرائبات کا تماشا دیکھتا ہے۔ یہ وہی انسان نفسی ہے۔ اس سے بڑھ کر انسان عقلی ہے۔ کہ اس کے اعضا اور جوارح میں امتیاز ہی نہیں ہوتا وہ نور مجرد ہوتا ہے۔ پس اس کو ہر شے کے ساتھ تعلق ہوتا ہی اس کے لئے قرب و بُعد مساوی ہوتے ہیں وہ سب پر محیط ہوتا ہے۔ پس وہ اسی ایک نور سے دیکھتا ہے۔ سنتا ہے۔ سونگھتا ہے۔ کھاتا ہے، پیتا ہے۔ چلتا ہے، پھرتا ہے۔ وہی نور اسکا سر ہوتا ہے۔ پاؤں ہوتا ہے، ہاتھ ہوتا ہے۔ آنکھ ہوتا ہے۔ کان ہوتا ہے، ناک ہوتا ہے غرضکہ اس کے تمام اعضا و جوارح اسی نور کے ہوتے ہیں۔ وہ نور علی نور ہوتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب حالت نماز میں اصحاب حضرت سے پہلے رکوع میں چلے جاتے تو آپ انکو بطور ہدایت کے ارشاد فرماتے تھے "لا تسبقونی بالرکوع فانی اریکم من خلفی کما اریکم من قد امی"۔ (مجھ سے رکوع میں سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے) پس یہ وہی انسان عقلی ہے۔ جو مجمع اور مرکز ہے تمام انوار عالم علوی و سفلی کا۔ اسی واسطے اس کے ہر ہر بال اور ناخن میں کل عوالم کی قوت برقیہ نورانیہ موجود ہے پس وہ ہر وقت مکونات و موجودات عوالم علوی و سفلی کو دیکھتا رہتا ہے اور ان کی آواز ونکو سنتا ہے اسکو دیکھنے اور سننے سے کوئی شئے مانع اور حاجز نہیں ہوتی اس کو کل عوالم کے ساتھ مساوات کی نسبت ہے۔ اس کے لئے قرب و بُعد عوالم معدوم ہیں تحت الثریٰ

اور سموات العلیٰ اور مقام دنیٰ فتدلیٰ سب کے ساتھ اسکو تعلق ہے۔ کوئی شے اس سے دور نہیں ہے وہ سب پر محیط ہے۔ اسی واسطے محیط المحیط نے اسی کو کل عوالم نورانیہ وظلمانیہ علویہ سفلیہ کا نذیر وبشیر بنایا ہے فقال عز وجل تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نورانیت اور برقیت کا اثر صرف جسم ہی میں محصور اور محدود نہیں تھا۔ بلکہ جو چیزیں اس مجمع برقیہ اور منبع نوریہ سے مس ہو جاتی تھیں ان میں بھی وہی نورانیت آجاتی تھی۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ جو شے آگ میں پڑ جاتی ہے۔ وہ بھی آگ ہی کی خاصیت پیدا کر لیتی ہے۔ لوہے کو دیکھ لو کہ آگ میں پڑ کر خود بھی آگ ہو جاتا ہے پس اسی طرح سے جو چیزیں آپکے جسم مبارک سے مس ہو جاتی تھیں۔ ان میں بھی وہی نورانیت آجاتی تھی اسی سایہ پر دوبارہ غور کیجیے کہ جب حضرت ختمی مرتبت دھوپ میں تشریف لے جلتے تھے تو آپکے لباس کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی نور محض ہو جاتا تھا۔ اونٹ کا چمڑہ آپ کے پائے مبارک سے مس ہو کر کہاں پہنچا ہے۔ اللہ اکبر۔

منتہائے ترقی اجسام واجرام وحقائق واعمال مخلوقات سفلی وعلوی سدرۃ المنتہیٰ تک

حقیقت سدرۃ المنتہیٰ

ہے۔ جبرئیل امین سید الملائکہ سدرۃ المنتہیٰ سے ایک بال برابر اوپر نہ جاسکے! لیکن وہ اونٹ کا چمڑا (نعلین شریف) مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچ گیا!! کیونکہ وہ بھی نور محض ہوگیا تھا۔ اس لئے کہ نور مطلق سے متصل تھا اللھم صل علی محمد وآل محمد۔ سدرۃ المنتہےٰ بیر کا درخت نہیں ہے خداوند عالم نے ایک حقیقت کو افہام وتفہیم کے لیے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے جس طرح دوسرے مقام میں ارشاد فرماتا ہے مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماءؕ سدرۃ المنتہیٰ اس مقام کا نام ہے۔ جہاں اس خزانہ برقیہ نوریہ ملکوت کل شی کو مثل ایک بڑے درخت کی شاخوں کے اطراف کائنات وعوالم امکانیہ میں پھیلایا ہے یعنی اس نور سرمدی حقیقت احمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشیاء

عوالم کے حقائق وملکوت کو جدا کیا ہے۔ پس وہ حد امکان ہے اس کے اوپر مقام واجب الوجود ہے۔ پس جبرئیلؑ جو ایک ممکن شے ہے کس طرح اپنی حد سے نکل کر حد واجب الوجود میں داخل ہوسکتا تھا۔ ممکن نہیں محال تھا۔ لیکن چونکہ اس اونٹ کے چمڑے نے اس نور سرمدی سے اتصال پیدا کر لیا تھا۔ جو حجاب اور پردہ ہے درمیان امکان اور وجوب کے۔ اس لئے وہ بھی حد واجب میں پہنچ گیا۔ "دنی فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی" یعنی وہ مطلق نور خزانہ برقیہ عوالم امکانیہ مبدر الانوار السید المختار اس قدر واجب الوجود کے قریب پہنچا۔ کہ کمان امکان اور کمان وجوب کے آپس میں ملنے سے ایک دائرہ کی شکل نمایاں ہوئی اور وہ نو امکانوں اور وجوب کے وتروں کے مابین جو ایک موہومی فاصلہ تھا وہ بھی معدوم ہوگیا اور واجب بالغیر کے درجہ پر فائز ہوا ہے

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

"ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ" بالتحقیق کہ محبوبؐ نے جبرئیلؑ کو دوسری مرتبہ حالت نزولی میں سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔ اس حالت نزولی میں محبوب کردگار نے جبرئیلؑ امین کو سدرۃ المنتہیٰ پر کس طرح سے دیکھا؟ جبکہ نورانیت اور ملکوتیت کے نور جلال کبریائی بھی اس پر تاباں و درخشاں تھا۔ پس اس نور الانوار مبدر الدھور والاعصار النبی المختار نے اس حالت نورانیت اور برقیت میں اپنے جسم ظاہری جسمانی سے کل موجودات ممکنہ کے اجناس و انواع و افراد و اشخاص کے حقائق کو اس طرح سے دیکھا۔ "ما زاغ البصر وما طغیٰ" کہ ان کی چشم جسمانی کو خیرگی تک لاحق نہیں ہوئی اور نہ کوئی ذرہ ممکنات کا فراموش ہوا کل افراد ممکنات کو علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمایا پس "ما زاغ البصر وما طغیٰ" سے خداوند عالم نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جن کو یہ خیال تھا یا ہی کہ معراج روحانی ہوئی یا جسمانی کیونکہ روحانی آنکھ کو بصیرت کہتے ہیں۔ نہ بصر۔ لفظ بصر

جسمانی آنکھ کے لیے مخصوص ہے فتدبروا وتکن من الجاحدین ؀

بہر حال حقیقت نبوۃ کلیہ وہ نور ہے کہ جس کے سامنے کل انوار بے حقیقت ہیں۔ کیونکہ

تعریف نور نبوۃ کلیہ اور اس کی توجیہ

سب کی حقیقت تو وہ خود ہے اس کے سامنے دوسرا کیا حقیقت پیدا کر سکتا ہے اور نور کی تعریف ہے "ظاہر لذاتہ مظہر لغیرہ"

یعنی نور وہ ہے جو بذات خود تو روشن اور منور ہو۔ اور دوسروں کو اپنے نور سے روشن اور منور کردے۔ محقق اور ثابت ہے کہ وہ محبوب رب العالمین بذات خود روشن اور منور نور علیٰ نور ہیں اور ان کے نور سے خدا نے کل مخلوقات علوی و سفلی کو منور اور روشن کر رکھا ہے

مظہر لغیرہ میں علاوہ ممکنات ذات واجب الوجود بھی ہے۔ پس اسکو بھی آپ نے اپنے نور کلام سے مخلوقات پر ظاہر اور باہر فرمایا ہے۔ آپ سورہ حشر کی آیات کو تلاوت فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو کہ کس فصاحت اور صراحت کے ساتھ آپ نے ذات واجب الوجود کی توحید ذاتی توحید صفاتی توحید افعالی اور توحید عبادتی کو بیان فرمایا ہے "ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمان الرحیم ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق البادی المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السموات والارض و ھو العزیز الحکیم" دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی توحید واجب الوجود کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن جو توحید آپ نے بیان فرمائی ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ موجودہ توراۃ میں مذکور ہے کہ خداوند عالم کا جسم آسمانی رنگت کا ہے۔ اور پاؤں نیلم کے سے ہیں اور اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ اور یعقوبؑ سے موت کے معاملہ میں رات بھر کشتی لڑتا رہا۔ یہ تو کہتے تھے کہ مجھے موت دیدے اور وہ نہیں مانتا تھا۔ اور طوفان نوحؑ بھیج کر سخت پشیمان ہوا۔

جناب موسیٰؑ کی توحید کو ملاحظہ فرمائیے کہ جب وہ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر دریائے نیل عبور کرنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ عقب سے فرعون بھی اپنا لشکر لیے ہوئے چلا آتا ہے پس موسیٰ

سے کہنے لگے انا لمدرکون لے موسیٰ ہم گرفتار ہو جائیں گے پس جناب موسیٰؑ نے
ان کی تسلی اور تشفی کی اور فرمایا ان معی ربی سیھدین بالتحقیق کہ میرے ہمراہ میرا رب
ہے وہ میری ہدایت کرے گا جناب موسیٰؑ نے اپنے وجود کو اپنے رب سے مقدم رکھا ہے
اور فرمایا ہے کہ وہ صرف میرے ساتھ ہے یعنی معیت قیومیہ ربیہ میرے ساتھ ہے
تم کچھ اندیشہ مت کرو: اسی طرح کا واقعہ نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو غار ثور میں پیش آیا پس آپ نے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا آپ نے اپنے وجود کو
معبود کے وجود سے موخر فرمایا ہے اور اس کی معیت قیومیہ کو عام بتلایا ہے
یعنی ہمارا وجود ذات واجب الوجود سے قایم ہے - ہم بذات خود کچھ بھی نہیں ہیں پس
وہ ہماری حفاظت کرے گا - اللہ ایک ایسا اسم ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع
ہے - اسی واسطے اس کا تعلق خاص ذات واجب الوجود سے ہے اور رب عام ہے
ہر مربی کو رب کہہ سکتے ہیں اور اسی لئے اس کا تعلق نبوت سے بھی ہے کیونکہ نبی مربی نوع
انسان ہے اور خاتم مربی جمیع الانواع ہے - بہر حال انبیاء و مرسلین علیہم السلام نور
تھے یعنی ظاہر لذاتہ و مظہر لغیرہ لیکن ان کی نورانیت محدود تھی جناب یونسؑ کی
نسبت ارشاد ہوا ہے وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون اور جناب عیسیٰؑ
فرماتے ہیں یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ
ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد مگر محمدؐ کی نورانیت کسی خاص فرقہ
یا قوم کے لئے محدود نہیں ہے آپ کل عوالم علوی و سفلی بری و مادی وغیرہ کے روشن
اور منور کرنے والے ہیں - آپ نے ہر فرقہ مخلوقات کو اپنے نور علم و کتاب سے روشن
اور منور فرمایا ہے "قال عزوجل تبارک الذی نزل الفرقان علے عبدہ
لیکون للعالمین نذیراً" صاحب برکت ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد پر
فرقان (یعنی کتاب ہر فرقہ عوالم) نازل فرمائی ہے تاکہ وہ کل عوالم کا بشیر و نذیر ہو

صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم ؛

انذار کے لئے دو باتیں لازمی ہیں اول ان سب کا علم احاطی۔ دوم ان سب پر حکومت اور تصرف کلی۔ اگر منذر کو یہ دونو باتیں حاصل نہیں ہیں۔ تو وہ انذار نہیں کر سکیگا۔ پس نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم وہ ہیں کہ انکو کل مخلوقات علوی وسفلی اور ہر فرقہ عوالم کا علم احاطی ہے اور سب پر حکومت کلی حاصل ہے اور آپ کی کتاب وہ کتاب ہے کہ اس میں کل موجودات روحانی۔ نفسانی۔ نورانی۔ ظلمانی۔ علوی سفلی سب کا حال اور ان کی کمیات اور کیفیات حقائق اور دقائق سب موجود ہیں ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ؛

توراۃ مقدس کے متعلق فرمایا ہے فیھا ھدی و نور یعنی توراۃ خود نور نہیں ہے۔ بلکہ اس میں نور اور ہدایت ہے کیونکہ وہ بصورت لفظی مکتوبی نازل ہوئی ہے اور اصل نور وجود حقیقی ہوتا ہے۔ جو علم ہے نہ کہ مکتوبی وملفوظی ؛

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا کیونکہ قرآن بصورت حقیقیہ نازل ہوا ہے نہ لفظیہ لقد نزل بہ الروح الامین علےٰ قلبک لتکون من المنذرین قاعدہ ہے کہ ہر شے اپنے مبدء اور مرکز کو اپنے قریب دیکھ کر نہایت ہشاش۔ بشاش۔ فرحاں وشاداں۔ روشن اور منور ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ مجمع الانوار خزانہ برقیہ عوالم امکانیہ ایک خاص صورت محسوسہ میں اس عالم دنیا میں زمین مکہ پر سترھویں یا بارھویں ربیع الاول روز جمعہ وقت صبح جلوہ افروز ہوا ہے تو تمام اشیاء عوالم امکانی کے نور سے روشن اور منور ہوگئی تھیں حتیٰ کہ شہر مکہ سے شام کے مکانات نظر آنے لگے تھے اس نور مطلق نے تمام تاریکیوں کو اپنی نورانی شعاعوں سے برطرف کر دیا تھا۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ مجمع الانوار خزانہ برقیہ عوالم نے عالم سفلی وظلمانی میں

ظہور فرمایا ہے صلے اللہ علیہ والہ وسلم ؛

رہی یہ بات کہ پھر کیوں اُن کے نورِ جمال اور نورِ علم سے تمام عالم سفلی کی موجودات روشن اور منور نہیں ہوگئیں ۔ چاہیے تو یوں تھا کہ ہر فردِ مخلوقاتِ عالم سفلی کا ظاہر و باطن ان کے نورِ جمال و کمال سے روشن اور تاباں اور درخشاں ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا پس وجہ اسکی یہ تھی کہ ابھی خداوند عالم کو یہ بات منظور نہ تھی ۔ اس نے خود روک دیا تھا ۔ کہ ابھی اپنے نورِ جمال و کمال سے عالم دنیا کو مزین مت بناؤ " فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ " اس کے لیے اور وقت ہے ابھی غلبہ اور اظہار نور کا وقت اور موقع نہیں آیا ہے ۔ ہم تمہارے نور سے تمام عالم سفلی کو منور کر کے رہیں گے ۔ اور مربی زمین کے نور سے زمین کو چمکا کر دکھلائیں گے " وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا " ابھی دیر ہے ۔

نبوت کی عرضی ترقی باقی ہے

نبوت خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طولانی ترقی ختم ہو چکی ہے ۔ " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا " اب اس کی عرضی ترقی باقی ہے ۔ مقامات امامت و خلافت میں یہ امر ہر وقت ملحوظ خاطر رہنا چاہیے ۔ کہ احکام انذار تمام و کمال آ چکے ہیں ۔ اس لئے اب کسی اور حکم کے آنے کی ضرورت باقی نہیں ہے ۔ پس جو کوئی وصی و خلیفہ ۔ نذیر و بشیر عالمین ہے ۔ اُس کے پاس کوئی جدید وحی نہیں آئے گی ۔ صرف انہیں احکام اور اوامر و نواہی کو جو نذیر العوالم الامکانیہ و بشیر الخلائق الفانیہ پر نازل ہو چکے ہیں ۔ مخلوقات علوی و سفلی کو پہنچائے گا اور سمجھائے گا اس لئے اول تو وصی و خلیفہ رسول رب العالمین کو " كُلَّ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِىُّ " کا علم احاطی ہونا ضروری اور لازمی ہے ۔ ناواقف اور جاہل ہرگز یہ کام نہیں کر سکیگا دوم کل فرقہ عوالم پر اسکو تصرف کلی اور تفوق و تفضل حاصل ہونا بھی ضروری و لابدی ہے

تاکہ تفضیل مفضول لازم نہ آئے جو قبیح عقلی ہے اور ہر فرقہ عوالم علویہ وسفلیہ کو اُن کے احکام تکلیفی سے آگاہ فرمائے۔ پس نور نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتمام کو خداوند عالم نے اُن کے آخری وصی پر موقوف رکھا ہے۔ جس قدر دلائل وبراہین صداقت اسلام کے لئے ضروری تھے وہ سب نبیؐ نے بیان کردئے ہیں لیکن اسلام کی تصدیق کرنے والے پھر بھی تھوڑے ہی لوگ ہیں پس اب اظہار اور غلبہ اسلام کے لئے برہان اور دلیل سے کام نہیں لیا جائے گا۔ برہان اور دلیل کا وقت گذر چکا ہے۔ اب صرف یہ باقی رہا ہے وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ مخالفین اسلام بے انتہا کوششیں کرتے ہیں اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی تحریر وتقریر اور تدبیر سے اس نور محمدی کو بجھادیں۔ لیکن خداوند عالم فرماتا ہے واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اللہ اپنے حبیبؐ کے نور کو کامل کر کے رہے گا کہ اسکی شعاع نورانی سے کل عالم سفلی عالم نورانی ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ آفتاب وماہتاب کے نور کی بھی ضرورت نہ ہوگی واشرقت الارض بنور ربھا اس دن ساری زمین اپنے مربی کے نور سے جگمگا اُٹھے گی اللھم صل علے محمد وآل محمد وله اسلم من فی السموات والارض طوعاً او کرھاً اور ہر فرد مخلوق اس دن نور اسلام سے روشن اور منور ہو جائے گا خواہ طوعاً ہو یا کرہاً اور اس دن سوائے دین اسلام کے اور تمام ادیان معدوم ہو جائیں گے۔ کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ کل ادیان کی روشنی زائل ہو جائے گی کیونکہ وہ دن اسلام کے اظہار کا دن ہوگا۔ نہ غلبہ کا۔ غلبہ اور اظہار میں فرق ہے۔ غلبہ کی صورت میں مغلوب کا وجود باقی رہتا ہی اور اظہار کی صورت میں معدوم ہو جاتا ہے۔ جس طرح سے آفتاب کے ظہور کے وقت تاریکی شب معدوم ہو جاتی ہے۔ پس یہ صورت اسی جنابؑ کے زمانہ ظہور میں ہوگی۔ جو نور رسولؐ رب العالمین اور خاتم الاوصیا رد السدیقین ہیں۔ اس لئے مہدی علیہ الصلوٰۃ

و السلام کا جزو رسول ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ آیت مذکور کی تکذیب لازم آئے گی پس اُس نور نبیؐ کے ہاتھوں سے اس نور اور خزانۂ برفیہ کا اظہار ہوگا۔ جس کو خداوند عالم نے ابھی روک رکھا ہے اور آیت ذیل صادق آیئگی "هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُولَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ" لوگوں نے دریافت کیا۔ یارسولؐ اللہ! یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب یہ ہوگا۔ تو اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں بخشیگا قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِیْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ اور وہ نور نبی علیہ الصلواۃ والسلام اس عالم سفلی کو اپنے نور سے روشن اور منور کرتا ہوا آسمان میں تشریف لے جائے گا اور ان عوالم علویہ کو اپنے نور سے اور زیادہ روشن اور منور فرماکر عالم حیوۃ مطلق بنا دے گا۔ پس فرش زمین سے لیکر عرش بریں تک تمام ایک عالم ملکوت ہوجائے گا کیونکہ آیہ مجیدہ میں۔ "مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ" ارشاد ہوا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد۔

مجلس دوم

متعلق آیت نور

قال عزمن قائلہ "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ"

نور اصل وجود ہے اور ظلمت اصلِ عدم

نور اصل وجود ہے۔ ظلمت اصل عدم۔ پس جو موجودات "نُرِی وَ نُرٰی" ہیں سب میں نور موجود ہے اور جب یہ نور جسم سے خارج ہوجاتا ہے تو ہیکل جسمانی اور شکل مادی فنا اور ہلاک ہوجاتی ہے۔ پس مدارِ حیات اور ذریعہ ترقی درجات

استعداد اور ترقی عالم مواد سے متعلق ہے

یہی نور ہے۔ خداوند عالم نے دو طرح کے عالم خلق فرمائے ہیں۔ ایک عالم خلقی ہے۔ جس کی ترقی تدریجی ہے دوسرا عالم امری ہے جس کی ترقی فوری اور آنی ہے۔ عالم خلقی مواد سے متعلق ہے اور عالم امری نور سے۔ چنانچہ عالم خلقی کی نسبت ارشاد ہوا ہے "ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ یعنی اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بالتدریج چھ روز میں خلق فرمایا ہے اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اور خلقت نوع بشر بھی اسی عالم سے متعلق ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ" اور چونکہ عالم امری کی ترقی فوری اور آنی ہے پس اس کے لئے ارشاد ہوا ہے "اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ"

آج کل کے فلسفی بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ترقیات طولانی عالم مواد سے متعلق ہیں عالم عقول میں ترقی طولی کی استعداد نہیں۔ پہلے یورپ کے فلاسفر تو اس بات کے قائل ہی نہیں تھے کہ عالم مواد کے علاوہ اور بھی کوئی عالم ہے۔ لیکن اب بعض قائل ہو گئے ہیں۔ کہ عالم مجردات بھی ایک عالم ہے۔ حکما اس بات کے قائل ہیں کہ موجودات مادیہ میں انسان ترقی کا منتہیٰ ہے۔ اول صورت سدیمیہ و اثیریہ ہے۔ پھر جماد کا درجہ ہے پھر نباتات کا پھر حیوان کا آیا اور اس کے بعد انسان کا درجہ ہے۔ پس انسان انتہائے ترقی مواد ہے۔ لیکن چونکہ ہم اہل دین ہیں فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور جنوں کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ بات معلوم کرنی نہایت ضروری ہے کہ کون سی مخلوق سب سے زیادہ ترقی کر سکتی ہے۔ آیا انسان یا جن یا ملک پس آیات قرآنیہ

پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان تمام انواع مخلوقات میں انسان ہی سب سے زیادہ ترقی کرسکتا ہے۔ کیونکہ ملائکہ عالم امری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے انکی ترقی بالفعل ہے۔ بالقوۃ نہیں ہے۔ جس قدر ان کو ترقی طولی ملنی تھی۔ وہ سب وقت خلقت ہی مل چکی ہے۔ کیونکہ اُن کی خلقت آنی اور فوری ہے تدریجی نہیں ہے۔ چنانچہ خود ان کا قول اس امر پر دال ہے کہ ان سب کے خاص خاص ترقی اور علو کے مدارج اور مقام ہیں مَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اور مشاہدہ بھی ہے کہ صرف روح بغیر مادے کے کچھ ترقی نہیں کرسکتی۔ کیونکہ روح نور ہے اور نور گھٹتا بڑھتا نہیں۔ ہر حالت میں یکساں رہتا ہے۔ البتہ یہی نور جب کسی قالب مادی میں ہوتا ہے۔ تو اس وقت ترقی کرتا ہے۔ مثلاً جو نور درخت کے بیج میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی کر کے ایک بڑا تناور درخت ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تخم درخت ایک سخت اور درشت شے ہے اس لیے انکی ترقی محدود ہے۔ نطفہ انسان نرم اور لطیف ہے اس لئے اسکی ترقی غیر محدود ہے اور جو نور پتھر میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی کر کے لعل و یاقوت و زمرد و الماس ہو جاتا ہے۔ ملائکہ چونکہ مادے سے مجرد ہیں اس لئے انکی ترقی محدود ہے اور نوعِ بشر مادے میں محصور ہے اس لئے اس کی ترقی غیر محدود ہے +

باعث افضلیت جمعیت قوے وحواس اور اجتماع اشیاء متضادہ اور کمالات ہیں

فرشتوں کو خداوند عالم نے صرف روحانی قوت عطا کی ہے۔ اور انسان روحانی اور جسمانی سب کا مجموعہ ہے جو کچھ فرداً فرداً دیگر تمام مخلوقات کو خداوند عالم نے عطا کیا ہے۔ ان تمام کمالات اور فضائل کا مجموعہ انسان کو بنایا ہے اور انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے یعنی جسم و نفس و روح فقال عزّ وجلّ سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اور چونکہ باعث ترقی اور افضلیت اجتماع قویٰ و نفوس

وحواس ہیں اسلئے انسان یعنی بنی نوع بشر کو خداوند عالم نے فرشتوں پر فضیلت عطا کی ہے کیونکہ جسقدر قویٰ ونفوس وحواس خلاق عالم نے انسان میں خلق فرمائے ہیں٭ فرشتوں کو صرف نفس ملکوتی عطا کیا ہے اور نوع بشر کو نفس بہیمی، نفس سبعی، نفس ملکوتی عطا کئے ہیں۔ اسی واسطے خدائے جل شانہ نے ملائکہ کو بنی نوع انسان کا خادم بنایا ہے۔ کیونکہ بنی نوع انسان میں تمام مخلوقات سے زیادہ قوے ونفوس وحواس جمع ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی۔ تو خداوند عالم حکیم علی الاطلاق ہرگز ہرگز بنی نوع انسان کا خادم فرشتوں کو نہ بناتا کیونکہ حکیم کبھی مفضول کو فاضل پر فوقیت نہیں دے گا۔ کبھی عالم کو جاہل کا تابع نہیں بنائے گا۔ کبھی ناقص کو کامل پر شرف نہیں بخشیگا۔ وہ بنی نوع انسان ہی میں سے تو تھا جو اس مقام میں پہنچا۔ جہاں جبرئیل جیسے جلیل الشان ملک نے اپنے عجز وقصور کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے عرض کیا "لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ"۔ اگر ایک انگل آگے جاؤں تو جل جاؤں

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

انسان کی خلقت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ مَّاۤءٍ مَّهِيْنٍ" ماء سے مراد وہ پانی ہے جو تمام مخلوقات سے پہلے تھا۔ جس کا تذکرہ آیہ ذیل میں فرمایا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ اور "مہین" شوائب مادہ کی طرف اشارہ ہے ؛

پس نوع انسان ترقی کر کے کہاں تک پہنچنا چاہتا ہے ؟ یہ اسی مار اول یعنی خزانہ ومنبع نور ومجمع قوت برقیہ عوالم نور الانوار صدر الدہور والاعصار یعنی المختار تک پہنچنا چاہتا ہے جو واجب اور ممکن کے درمیان صرف ایک حجاب ہے۔ ملائکہ کی ترقی طولانی سدرۃ المنتہیٰ تک ختم ہو چکی ہے۔ لیکن بنی نوع انسان کی ترقی طول میں حد واجب تک چلی جاتی ہے۔ اللّٰھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ ؛

٭ [illegible]

یہی وجہ ہے کہ انسان کی ایک عبادت کل مخلوقات کی عبادت کا ثواب رکھتی ہے کیونکہ جس طرح سے خداوند عالم نے انسان کو تمام مخلوقات علوی و سفلی کے قویٰ و کمالات کا مجموعہ بنایا ہے۔ اسی طرح سے اس کی عبادت کو بھی کل مخلوقات کی عبادتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ چنانچہ مقام استحقاق خلافت میں فرشتوں نے جو استدلال پیش کیا ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کی عبادت کیا ہے۔ انھوں نے کہا اے پروردگار ہم کو خلیفہ بنا "نحن نسبح بحمدک ونقدس لک" پس ظاہر ہے کہ فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح اور تقدیس ہے چنانچہ امیر الموحدین کاشف اسرار العالمین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں "ثم فتق ما بین السمٰوٰت العلےٰ فملأهن اطوارا من ملٰئکته منهم سجود لا یرکعون ورکوع لا ینتصبون وصافون لا یتزایلون ومسبحون لا یسأمون لا یغشاهم نوم العیون ولا سهو العقول ولا فترة الابدان ولا غفلة النسیان ومنهم امناء علی وحیه والسنته الی رسله ومختلف بقضائه وامره ومنهم الحفظة لعباده والسدنة لابواب جنانه" کہ بعض فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح ہے اور بعض کی صرف تقدیس۔ اور بعض کی صرف قیام اور بعض کی صرف رکوع اور بعض کی صرف سجود۔ لیکن بنی نوع انسان کی عبادت ان تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ کچھ اور بھی زیادہ ہے انسان کی عبادت میں تہلیل ہے۔ تکبیر ہے۔ تحریم ہے۔ قیام ہے۔ رکوع ہے۔ قعود ہے سجود ہے۔ الحمد ہے۔ قرآن ہے۔ تسبیح ہے۔ تقدیس ہے وغیرہ وغیرہ اور صیام ہے۔ زکوٰۃ ہے خمس ہے۔ جہاد ہے۔ حج بیت اللہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ انسان میں کیا کچھ ہے۔ اور فرشتوں میں کیا۔ اس لئے اس نے اپنا خلیفہ بنی نوع انسان ہی کو بنایا تاکہ وہ کل عوالم

مادیات ومجردات میں تصرف کرسکے۔ کیونکہ اسی انسان ہی میں کل عوالم علوی وسفلی کے قوٰے وحواس۔ احساسات وادراکات فاضلات وکمالات مجتمع ہیں اورباعث افضلیت جمعیت قوے ہے:

پہلی مجلس میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ انسان تین قسم کے ہیں۔ انسان طبیعی انسان نفسی۔ اور انسان عقلی۔ پس انسان نفسی وہ انسان ہے۔ جس کے اعضا

توضیح انسان نفسی وانسان عقلی وموت

وجوارح میں ایک دوسرے سے امتیاز توضرور ہے لیکن تمائز وضعی نہیں ہے اور اُس کے ہر ہر عضو کی طرف اشارہ حسیہ نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آنکھ ہے یہ ناک ہے وغیرہ وغیرہ اور اس انسان طبیعی کی طرح اُس کے قوے وحواس محدود ومحصور نہیں ہیں وہ ایک لمحہ اور ثانیہ میں ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے اور پھر اسی آن میں لوٹ بھی آتا ہے۔ پس یہ وہی انسان ہے جو حالت خواب میں اس جسم طبیعی اور عنصری سے باہر نکل کر یہ کرشمے دکھلاتا ہے۔ پس یہی انسان نفسانی ہوگا جس کے روز حساب وکتاب ہاتھ پاؤں بولیں گے اور زبان خاموش ہوگی فقال عزوجل "یوم نختم علے افواہم وتکلمنا ایدیہم وتشھد ارجلہم بما کانو یکسبون"!

وقال عزوجل "ویوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون حتی اذا ما جاءھا شھد علیہم سمعہم وابصارھم وجلودھم بما کانوا یعملون وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئ وھو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون"!

پس اُس انسان نفسانی کی ترقی اس طبیعی مادی انسان سے کہیں زیادہ ہے کہ اُس کے ہاتھ پاؤں میں گویائی کی طاقت اور قوت موجود ہے۔ اور وہ ہوا پر اڑ

سکتا ہے۔ پانی پر چل سکتا ہے۔ چشم زدن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اس جسمانی حالت میں اسکی ترقی محدود و محصور ہے کہ بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا اور بغیر آنکھ کے دیکھ نہیں سکتا اور بغیر کان کے سن نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ کثیف اور غلیظ مادہ جس میں وہ رہتا ہے۔ اسکو ان باتوں سے مانع اور حاجز ہے۔ اور جب اس غلیظ مادے کی چار دیواری سے باہر نکلیگا۔ تو پھر اُسے کوئی شے مانع نہیں ہوگی۔ جس طرح کہ جب انسان اپنے گھر میں دروازہ بند کئے ہوئے بیٹھا ہوتا ہے تو میدان کی کسی شے کو نہیں دیکھ سکتا اور جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو تمام میدانی اشیا مثل پہاڑ اور اشجار اور مزروعات وغیرہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں یا جب اس کے سامنے سے دیواریں گرادی جاتی ہیں۔ تو پھر یک بیک سارے باغات اور مزروعات اور جبال و بحار اس کو نظر آنے لگتے ہیں۔

حقیقت موت اور ترقی انسانی

پس موت انسان کے لئے نہایت خوشی اور سرور اور ترقی و آزادی کا مقام اور وقت ہے کہ اس جسم مادی سے نکلتے ہی اسکو وہ ترقی اور آزادی حاصل ہو جاتی ہے جس کو ابھی وہ خواب میں دیکھ رہا ہے!! اگر لوگوں کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اُن کو مرنے سے ہرگز ہرگز خوف وہراس نہ ہو۔ موت سے انسان معدوم نہیں ہوتا مرنے سے صرف اس کا مادی جسم اور گھر جس میں وہ محبوس و مقید تھا تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس تیرہ و تار قید خانہ سے نجات پاکر آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ موت کا تعلق صرف جسم عنصری اور مادی سے ہے نہ جسم عقلانی اور نفسانی سے۔ کیونکہ جب انسان نفسانی اور عقلانی کے لئے جسم مادی اور عنصری تیار ہو جاتا ہے۔ تب وہ اس میں داخل ہوتا ہے فقال عز وجل ثم انشاناہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ‘‘ یہی وجہ ہے کہ مقام بیان خلق موت وحیات میں خداوند علیم نے

موت کو حیات پر مقدم رکھا ہے فقال عز وجل خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً یعنی انسان کے لئے پہلے موت جو جسم مادی اور بے نور ہے خلق ہوتا ہے بعد از ان حیواۃ جو نور اور باقی رہنے والی شے ہے اس میں داخل ہوتی ہے۔

بہر حال انسان کی پہلی ترقی موت ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس عالم مواد کثیفہ سے نکل کر عالم نفسانی و برزخی میں داخل ہوتا ہے "ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" پس اس کے ہاتھ پاؤں بولنے لگتے ہیں اور وہ برق محض ہو جاتا ہے کہ چشم زدن میں شرق سے مغرب اور مغرب سے شرق پہنچتا ہے۔

پس اس عالم برزخی اور نفسی کے بعد عالم عقلانی اور عالم حیات محضہ میں داخل ہوتا ہے اور اس عالم عقلانی میں اس کے اعضا و جوارح میں کوئی امتیاز نہیں رہتا عقل مجرد اور حیات محض ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس کو وہ قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے جو عالم نفسی اور برزخی سے معلوم نہیں کس قدر زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی عالم عقلی کے متعلق ارشاد ہوا ہے "ما تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین" اور فرمایا ہے "فبصرک الیوم حدید" یعنی آج اس عالم عقلانی میں اگر تیری نظر اور بصارت نہایت تیز اور صاف و شفاف اور لطیف ہو گئی ہے کہ اب اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں ہو سکتا۔ کوئی شئے اس کو مانع اور حاجز نہیں ہو سکتی۔ پس ترقی انسان عقلی غیر محدود و محصور ہے اس کو کوئی نہیں بیان کر سکتا کہ وہ کس درجہ اور کہاں تک ہے!

بعض انسان اس عالم مواد میں بھی ایسے ہیں کہ ان کو عالم عقلانی میں پہنچنے کے لئے عالم مادی اور عالم نفسی کے طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے! براہ راست عالم عقلی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ ذوات قادسہ و مقدسہ انبیاء و اوصیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ چنانچہ انہیں کو خداوند عالم نے اپنا خلیفہ زمین و آسمان اور تمام عوالم مقرر فرمایا ہے اور انہیں کو کل فرشتوں اور دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے چنانچہ جب جناب آدم

علیہ السلام کو خداوند عالم نے اپنی خلافت زمینی عطا کی تو تمام فرشتوں کو حکم ہوا کہ سب کے سب آدمؑ خلیفۃ اللہ فی الارض کو سجدۂ تعظیمی بجالائیں "فسجد الملائکۃ کلہم اجمعون" سجدہ سوائے ذات معبود کے اور کسی کو سزاوار نہیں ہے۔ لیکن بشر وہ مخلوق ہے کہ اس کو بھی سجدۂ تعظیمی دلوایا گیا ہے۔ کیونکہ خلیفہ خدا ہے۔ اور کس سے؟ تمام ملائکہ وعقول مجردہ سے۔ جن میں جبرئیلؑ ومیکائیلؑ وعزرائیلؑ واسرافیلؑ ورضوانؑ ومالکؑ وابلیس علیہم السلام بھی داخل ہیں :

بہرحال خلیفۂ خداوند عالم عالم ملائک سے نہیں لیا گیا۔ بلکہ عالم مواد وعناصر سے لیا گیا۔ اور اسکو تمام ملائکہ سے سجدۂ تعظیمی دلوایا گیا۔ پس بنی نوع بشر خلیفۃ اللہ فی الارض مقرر ہوا اور اپنے مستخلف عنہ (جس کا خلیفہ ہے) کے اوصاف کا مظہر بنا۔ اور ظاہر و باہر ہے کہ مستخلف عنہ کے امور کیا کچھ ہیں "الا لہ الخلق والامر" یعنی عالم خلقی اور عالم امری سب کا متصرف اور مدبر خداوند عالم ہے۔ پس خلفاء اللہ سے بھی حسب ضرورت و وقت جملہ اوصاف الہی ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ جناب عیسیٰؑ فرماتے ہیں "انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ"۔ چونکہ جناب آدم و نوح و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام صرف عالم مواد پر خلیفۃ اللہ تھے۔ اس لئے اُن کا تصرف صرف مادے پر تھا نہ عالم ارواح پر۔ جو عالم امری سے ہے۔ اسی واسطے جناب عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ میں پرندے کی شکل بنا سکتا ہے۔ نہ پرندہ۔ اس کے بعد روح سے جو اللہ نے مجھ میں پھونکی ہے۔ پھونکتا ہوں پس وہ اللہ کے اذن سے زندہ پرندہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مجھکو صرف عالم مواد پر تصرف حاصل ہے نہ عالم ارواح پر۔ پس بحیثیت بنی نوع بشر ہونے کے ہر شخص خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اس میں مومن مشرک کی تفریق نہیں ہے۔ سب یکساں ہیں چنانچہ جن لوگوں نے صور اور ترکیب مواد میں اپنے تصرف کو بڑھایا ہے اُنھوں نے عجیب و غریب چیزیں ایجاد کر ڈالی ہیں۔ جو بہت سے لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ ہوائی جہاز برق

وائرلیس ٹیلیگراف۔ گراموفون وغیرہ لیکن سب یکساں خلیفہ نہیں ہیں۔ غیر نبی صرف شکل اور صورت بنا سکتا ہے۔ اور نبی باذن خداوند عالم اس کو زندہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ جناب عیسیٰ کے قول سے ثابت ہے۔

نبی اور بنی نوع انسان کی خلقت میں فرق ہے

انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کی خلقت عالم امری سے ہے۔ یعنی آنی ہے۔ چنانچہ جناب آدم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" اور بنی نوع بشر کی خلقت تدریجی ہے اس لئے کہ مواد عنصریہ سے متعلق ہے اس میں زوج و زوجہ کی مصاحبت درکار ہے انبیاء علیہم السلام کی خلقت آنی و فوری ہے۔ نہ وہاں آلہ مادے کی ضرورت ہے۔ نہ مصاحبت و مقاربت کی چنانچہ جب جبرئیلؑ امین نے جناب مریم صلوٰۃ اللہ علیہا سے عرض کیا کہ میں تم کو ایک زکی فرزند کی بشارت دینے آیا ہوں۔ تو انھوں نے کہا کہ "لم یمسسنی بشر ولم اک بغیا" یعنی ولادت فرزند کے لئے تو بشر کا مس کرنا ضروری ہے اور مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے۔ اور نہ میں خراب ہوں پس کس طرح فرزند ہوگا؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا۔ ہاں ہے تو ایسا ہی۔ لیکن خلاق عالم قادر ہے کہ بغیر مس بشر کے فوراً خلق کردے "الا لہ الخلق والامر۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" چنانچہ روح پھونکتے ہی جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام متولد ہوگئے۔

اسی طرح جناب اسحاقؑ کا قصہ ہے کہ جب فرشتوں نے جناب سارا کو بشارت دی تو انھوں نے کہا کہ کیا اب میں جنونگی اور حالانکہ میرا شوہر شیخ ہوگیا ہے تب فرشتوں نے عرض کیا۔ کیا آپ اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہیں اور حالانکہ تمہارے خاندان پر خداوند عالم کی رحمت ہے۔ پس جناب اسحٰقؑ متولد ہوئے۔

بہرحال انبیا و اوصیا علیہم الصلواۃ والسلام کی خلقت عالم امری آنی سے ہے نہ عالم خلقی تدریجی سے:

معنی بشر

جناب آدم علیہ السلام بشر تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے "انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" بشر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بشرہ اور جسم مرئی اور مشاہد ہو۔ یعنی جب میں ایک ایسا شخص پیدا کروں گا کہ اس کا جسم عالم مادیات سے ہوگا اور سب کو نظر آئے گا تو تم سب اسکو سجدہ کرنا۔ پس یہ بشر کیا چیز تھی۔ یہ مقام اور منزل تھی اس بعض روح امری کے لئے جسکو سجدہ دلوایا گیا تھا۔ اس لئے کہ اگر صرف قالب آدم کو سجدہ کرانا ہوتا۔ تو یوں ارشاد ہوتا "فاذا سویتہ فقعوا لہ ساجدین" پس چونکہ اس قالب مادی کو سجدہ کرانا منظور نہیں تھا۔ بلکہ اس بعض روح امری کو جو اس میں داخل کی گئی تھی اس لئے ارشاد ہوا "اذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین":

پس خلافت فی الارض اُن کو اسی بعض روح کی بدولت حاصل ہوئی تھی اور یہی ذری سی روح روح بنوتی تھی۔ اسی لئے وہ جناب خلیفہ ارض یعنی عالم مادی وعنصری پر مقرر ہوئے۔ نہ عالم امری اور روحی پر۔ کیونکہ

جزء سے کُل پر تصرف اور حکومت نہیں ہو سکتی

بعض اور ذری سی روح سے کل عالم امری و روحانی پر تصرف نہیں حاصل ہو سکتا۔ اسی طرح سے جناب عیسٰیؑ میں بھی ذری سی روح تھی۔ چنانچہ ان کی نسبت ارشاد ہوا ہے "کلمۃ القاھا الی مریم و روح منہ" یعنی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام حذا وند عالم کی بعض روح تھے۔ نہ کُل اسی واسطے پرندوں میں روح داخل کرنے کے لئے ان کو اذن اللہ کی ضرورت

تھی۔ بغیر اذن اللہ کے زندہ پرندہ نہیں بنا سکتے تھے کیونکہ عالم امری اور روحانی پر ان کو پورا تسلط اور تصرف حاصل نہیں تھا:

اور جناب موسیٰ کو کل نو معجزے دے گئے تھے کیونکہ اُن کو بھی تھوڑی سی روح نبوتی عطا ہوئی تھی۔ ان کا عصا ساحروں کے مقابلہ میں اژدہا بن جاتا تھا۔ نظر بندی نہیں تھی بلکہ اسکی صورت اور سیرت دونوں بدل جاتی تھیں فقال عز وجل "سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ":

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے "وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتھدی الیٰ صراط مستقیم"

یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق

پس چونکہ نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم امری کی ساری روح ہیں۔ اس لئے ان کو تمام عالم امری اور مادی وعنصری پر پورا تصرف حاصل ہی اور چونکہ یہی روح روح نبوتی ہے۔ اس لئے جن میں ذری سی تھی۔ وہ بعض عوالم کے نبی اور نذیر تھے۔ چنانچہ جناب عیسےٰ فرماتے ہیں "یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد":

اور جس ذات اقدس میں ساری روح ہے۔ وہ کل عوالم کے نبی اور نذیر ہیں "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً" صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی روح کلی کی وجہ سے کل عوالم نفس اور صورت روح اور ملکوت پر نذیر اور مظہر ہیں اور آپ کا دست رحمت تمام عوالم پر مبسوط اور اسی واسطے خدا انکے ہر ایک کام کو اپنا کام کہتا ہے کیونکہ یہ نمائندہ خدا ہیں اور مظہر کل۔ اور اسی واسطے مقام تعظیم میں انکے دست حق پرست قلم قدرت کی قسم یاد فرماتا ہے "ن والقلم وما یسطرون"!

والسماء بنینا ها بایدی وانا لموسعون والذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم ؂

خداوند عالم نے ان کی خلقت عالم امری سے فرمائی ہے۔ لیکن عالم مواد میں ان کو بھی مثل ہمارے رفتہ رفتہ نشو ونما دیا۔ تاکہ جب وہ تبلیغ احکام الٰہیہ شروع کریں تو لوگ بہ سبب جنسیت ظاہری کے ان سے نفرت اور گریز نہ کریں۔ بلکہ مانوس رہیں اور ان کی باتوں کو غور سے سنیں۔ کیونکہ اگر آناً فاناً میں یکایک ان کی خلقت کی تکمیل ہو جاتی جیساکہ فرشتوں کی ہوئی ہے۔ تو بنی نوع بشر اُن سے ڈر کر بھاگ جاتے۔ کوئی ان کے نزدیک نہ جاتا۔ دور ہی سے دیکھ کر کافور ہو جاتے۔

خداوند عالم کبھی اس شخص کی اطاعت مخلوقات پر واجب نہیں کرتا۔ جو عالم امری میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مادہ ایک ظلمانی اور فاسد ہو جانے والی شے ہے۔ پس جو اجسام ایسی شے سے بنے ہیں۔ ان میں ظلمت اور فساد کا احتمال اور امکان ضرور ہے۔ پس حکیم علی الاطلاق ایسوں کی اطاعت کیونکر مخلوقات پر واجب کرتا۔ یہی تو تفضیلِ مفضول بر فاضل ہے۔ جو قبح عقلی ہے۔ پس حکیم علی الاطلاق نے انہیں نفوس قادسہ مقدسہ کی اطاعت کو مخلوقات پر واجب و لازم گردانا ہے۔ جن کی خلقت عالم امری سے ہے۔ نہ عالم خلق مادی سے "فقال عز وجل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" یعنی اے مخلوقات علوی وسفلی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسولؐ کی اور ان کی جو صاحبان امر و اولیاء امور الٰہی ہیں "وقال عز وجل والنازعات غرقاً والنشطت نشطاً فالسبحت سبحاً فالسبقت سبقاً فالمدبرات امراً والذاریات ذرواً فالحملت وقراً فالجریت یسراً فالمقسمت امراً اللھم صل علی محمد وآل محمد لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ؂

مجلس سوم

متعلق آیت نور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال عزمن قائلہ قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین۔ بدیہیات

قابلیت و استعداد ترقی نرم اور لطیف تخم اور نطفے میں زیادہ ہوتی ہے

سے ہے کہ جس قدر تخم اور مادہ سخت اور درشت صعب وصلب ہوتا ہے اسی قدر اس میں عدم قابلیت اور فعلیت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر تخم اور مادہ نرم ولطیف ہوتا ہے۔ اسی قدر اس میں قابلیت اور تحول زیادہ ہوتا ہے۔ آپ اخروٹ کے تخم کو ملاحظہ فرمایئے کہ کس قدر سخت اور درشت ہوتا ہے اسی واسطے اس کا درخت سوائے اس صورت مشخصہ کے جس کو آپ نے دیکھا ہوگا اور کوئی صورت نہیں قبول کرسکتا جو کچھ اس کے کمالات ہیں بالفعل ہوتے ہیں اور خواہ کیسی ہی تربیت کی جائے اخروٹ ہی رہے گا اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح سے حیوانات کے مواد نطفہ یہ ہیں کہ جس قدر ان میں کثافت اور غلاظت ہوتی ہے۔ اسیقدر ان میں کم استعداد اور قابلیت ہوتی ہے اُن کے کمالات بھی بالفعل ہوتے ہیں کوئی شئے بالقوۃ نہیں ہوتی۔ آپ نطفہ خر اور بقر کو دیکھیں کہ وہ بہ نسبت نطفہ انسان کے کس قدر غلیظ اور کثیف ہوتا ہے۔ اسی واسطے بچہ خر اور گوسالہ بقر تعلیم اور تربیت سے انسان نہیں بن سکتے۔ بچہ خر کی خواہ آپ کیسی ہی تربیت کریں وہ

ہمیشہ خرہی رہے گا۔ جو کچھ اس کے کمالات فطریہ ہیں۔ سب بالفعل ہیں۔ اسی طرح سے بیضۂ مرغ ہے۔ کہ اس میں سے بچہ نکلتے ہی سب کچھ جاننے اور سننے لگتا ہے اس کو کسی کی تعلیم و تربیت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس کے سارے کمالات اسی وقت سے اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اس کو اپنے کمالات کی ترقی کے لئے کسب اور تحصیل کی ضرورت نہیں ہوتی؛

برخلاف ان سب کے نطفہ انسان نہایت نرم اور لطیف ہوتا ہے اسی واسطے بچہ انسان کے سارے کمالات بالقوۃ ہوتے ہیں۔ اسکا کوئی کمال بالفعل نہیں ہوتا بعد تکمیل خلقت نوعی بھی ایک مضغہ گوشت سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اگر اسوقت نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی تربیت نہ کی جائے۔ تو یہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ نہ بول سکتا ہے۔ نہ سن سکتا ہے۔ نہ کسی کو پہچان سکتا ہے۔ کمالات خاصہ انسانی میں سے کوئی شئے اس میں بالفعل موجود نہیں ہوتی۔ اس کے سارے کمالات اس وقت بالقوۃ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر طرح کی ترقی کی استعداد اور قابلیت اس میں اس وقت موجود ہوتی ہے۔ جس طرح کی اس کی تعلیم و ترتیب کرو۔ وہ ویسا ہی ہو جائے گا اگر اسکو عالم بنانا چاہو تو وہ عالم ہو سکتا ہے۔ صناع بنانا چاہو تو صناع ہو سکتا ہے جس رنگ میں رنگو گے وہی رنگ لائے گا جس قالب میں ڈھالو گے وہی صورت اختیار کرے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ من حیث الفطرۃ اس میں بھی ایک خاص شئے کی طرف میلان ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوہار شدت گرما میں اپنی بھٹی کو دھونکتا ہے۔ اگر اسکی فطرت میں اس امر کا میلان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کام کو اختیار کرتا بھنگی کو وہ بدبو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جس کو کوئی انسان سونگھ نہیں سکتا۔ پس اگر اس کی فطرت میں میلان نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی اس کام کو نہ کرتا؛ اور جس تنا سل نوعی کا اقتضاء ہے جس پر نظام عالم مبنی ہے؛

مثال انسان کے مادے کی اس موم کی سی ہے۔جس سے جمادات کی شکلیں بنا سکتے ہیں۔ نباتات کے گل بوٹے کھلا سکتے ہیں حیوانات اور انسان کی صورتیں تیار کر سکتے ہیں جیسی قالب اور سانچے میں موم کو ڈھالوگے وہی صورت اختیار کرے گا۔ انسان تعلیم و تربیت سے نہایت متدین متقی اور پرہیز گار بن سکتا ہے اور صحبت جہالت وضلالت سے فاسق دفاجر اور بدکار ہو سکتا ہے۔ پس انسان من حیث الفطرۃ ترقیات کا مجموعہ ہے۔ انسان طبیعی ترقی کرکے انسان نفسی بن سکتا ہے اور انسان نفسی ترقی کرکے انسان عقلی کے مقام میں پہنچ سکتا ہے۔

توضیح انسانِ طبیعی۔ انسانِ نفسی۔ انسانِ عقلی

ہم نے یہ بات پہلے بیان کر دی ہے کہ انسان تین طرح کا انسان ہے۔ انسان طبیعی، انسان نفسی اور انسان عقلی، انسان طبیعی وہ ہے جس کے اعضا و جوارح مادی ہیں اور ایک دوسرے کا کام نہیں دے سکتے اور آپس میں متمائز ہیں اور انسان نفسی وہ ہے جو ورا مادہ ہے اور اس کے اعضا و جوارح بھی آپس میں متمائز ہیں۔ لیکن تمائز وضعی نہیں اور انسان عقلی وہ انسان ہے کہ اس کے اعضا و جوارح میں امتیاز ہی نہیں ہے۔ وہ جسم اور صورت کے شائبات سے منزہ اور مقدس ہے اسکی ذات ہی سب کچھ ہے۔ اسی سے سنتا ہے۔ اسی سے دیکھتا ہے اسی سے بولتا ہے اسی سے کھاتا ہے، اسی سے پیتا ہے، اسی سے چلتا ہے۔ اسی سے پھرتا ہے۔ اور یہ تینوں انسان ہر فرد نوع بشر میں موجود ہیں۔

خداوند عالم نے بنی نوع بشر کی تحصیل ترقی کے لئے اس کے اعضا و جوارح کو

بیان مدرکاتِ حسیہ و مدرکاتِ عقلیہ

ذریعہ بنایا ہے" فقال عزوجل الذی احسن کل شی خلقہ و بدأ خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین ثم سواہ ونفخ

فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلاً ما تشکرون!
وقال عزوجل ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد
کل اولٰئک کان عنہ مسئولاً یہ بھی ہے کہ انسان کے کان اُس کے علوم کی
تحصیل کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں - اگر انسان کے کان نہ ہوتے تو شاید اسکی تعلیم وتربیت محال
ہوجاتی - وجہ اسکی یہ ہے کہ آنکھ صرف صورتوں اور رنگوں کو لیکر حس مشترکہ کو دیتی
ہے اور کان الفاظ کو لیکر حس مشترکہ کو دیتے ہیں - پس حس مشترکہ قوتِ خیالیہ کو دیتی ہے
اور قوت خیالیہ قوۃ متوہمہ کو اور قوت متوہمہ قوۃ حافظہ کو اور قوۃ حافظہ قوۃ مدرکہ
کو دیتی ہے اور قوت مدرکہ فواد کو جو مرتبہ انسان نفسانی ہے - پس وہ فواد حق و
باطل میں فرق کرتا ہے - حق کو رکھ لیتا ہے اور باطل کو واپس کردیتا ہے!!!
بنی نوع بشر میں ایک قلب ہے - ایک فواد ہے اور ایک لُب گو مفسرین کی
تفاسیر میں سب کے ایک ہی معنی کئے گئے ہیں - لیکن ایسا نہیں ہے - یہ تینوں جدا جدا قوائے
انسانی کے نام ہیں - جو اس کو اسکی معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے عطا کئے گئے
ہیں - قلب اس پارۂ گوشت کا نام ہے جو صنوبری شکل کا بائیں جانب میں ہوتا ہے - جس
کے اندر سیاہ خون ہوتا ہے اور یہ انسان کے جسم طبیعی میں کل اعضا وجوارح کا مرکز اور
مربی ہے اور سب سے اعلےٰ اور افضل عضو ہے جس کو دل بھی کہتے ہیں :: اور فواد مقام نفس ہے
جو قلب طبیعی سے تعلق رکھتا ہے :: اور لُبِ مقام روح عقلانی ہے - جو نفس سے تعلق رکھتا
ہے جس کے اعضا وجوارح غیر متمائز ہیں :: اور اس فواد کا یہ کام ہے کہ وہ حق وباطل
میں تمیز کرتا ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ سمع اور بصر صور اور الفاظ کو اُس کے
سامنے پیش کرتے ہیں - پس وہ حق وباطل میں فرق کرتا ہے - حق کو قبول کرتا ہے
اور باطل کو رد - پس یہ سمع - بصر اور فواد انسان کو خداوند عالم نے تحصیل حقائق اور
معارف کے لئے عطا کئے ہیں - اگر انسان ان سے حق و باطل میں فرق اور تمیز نہیں

کرے گا تو اُس سے اس امر کا مواخذہ کیا جائے گا" ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا" حیوانات کو خداوند عالم نے فواد اور لُب عطا نہیں کئے۔ ان میں صرف قلب ہے "تقلبہم حیث یشاء" پس باوجود ان قوائے عالیہ کے جب انسان حق و باطل میں فرق نہیں کرتا۔ تو گویا وہ اس نعمت عظمیٰ کا کفران کرتا ہے اس واسطے مستحق جہنم ہے "فقال عز وجل ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون" انکو قلب ہے مگر اسکے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اُن کی آنکھ ہے مگر دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے کان ہے مگر سننے کی کوشش نہیں کرتے پس وہ مثل چارپایوں کے ہیں۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر! اور اس قسم کے لوگ غافل ہیں:

کیا انسان آنکھ سے نہیں دیکھتا؟ ضرور ہر شے کو دیکھتا ہے اور اسی طرح کان کو بھی ہر آواز کو سنتا ہے۔ پس اس کا یہی مطلب ہی کہ وہ اپنے انسانِ نفسانی سے کام نہیں لیتا جس کا کام حق و باطل میں فرق اور تمیز کرنا اور موعظۂ حسنہ کا سننا ہے اُس نے اسکو معطل کر رکھا ہے۔ اُس سے کوئی کام نہیں لیتا پس اس کی نفسانیت اور روحانیت جاتی رہتی ہے۔ وہ صرف انسان طبیعی باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے حیوانات سے بدتر ہے۔ جماد کے درجے میں تنزل کر گیا ہے۔ اسی قسم کے قلب کی نسبت ارشاد ہوا ہے" ثم قست قلوبکم من بعد ذالک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھار" اور جو لوگ اس فواد سے اور لُب سے کام لیتے ہیں۔ خداوند عالم انکی تعریف میں فرماتا ہے اور ان کو بشارت دیتا ہے" فقال عز وجل انما یتذکر اولوا الالباب۔ وقال فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ و اولئک ھم اولوا الالباب"۔

بہر حال انسان ترقی کے تین درجہ رکھتا ہے۔ ایک انسان طبیعی مادی ہے جو منتہائے

انسان نفسی اور انسان عقلی جہنم میں نہیں جائیں گے

ترقی عالم مواد ہے۔ دوسرا انسان نفسی ہے۔ جو منتہائے ترقی عالم برزخی ہے۔ اور تیسرا انسان عقلی ہے۔ جو منتہائے ترقی عالم عقول ہے۔

انسان نفسی کا کام بواسطہ عقل استماع موعظہ حسنہ اور تفریق حق و باطل اور اختیار حق اور تردید باطل اور کسب وتحصیل حقائق ومعارف اور اتباع عقل اور اعمال صالحہ کا بجالانا ہے اسی لئے وہ ہرگز ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔ چنانچہ اہل جہنم کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں صرف انسان طبیعی ہی ڈالا جائے گا۔ نہ نفسی و عقلی فقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر" یعنی اگر ہم بھی انسان نفسی اور عقلی کی تربیت کرتے۔ اس طرح سے کہ حق کو سن کر اسکی تصدیق کرتے اور عقل کے مطابق اسکو بجالاتے۔ تو آج اہل جہنم میں سے نہ ہوتے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جہنم میں وہی انسان طبیعی ڈالا جائے گا۔ انسان نفسی اور عقلی کو جہنم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ جنات النعیم میں اپنے جسم طبیعی کو اپنے ہمراہ لے جائے گا اور وہاں انواع واقسام کی نعمات الٰہیہ سے متنعم ہوگا۔ پس یہ انسان طبیعی ذریعہ اور واسطہ ہے ترقی انسان نفسانی اور عقلانی کا اور بدیہی ہے کہ وہ عالم دنیا اور عالم موادیں ہے ہے اس لئے ارشاد ہوا ہے "الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ" پس ترقی انسان نفسانی اور انسان عقلی موقوف ہے ترقی انسان طبیعی جسمانی پر۔ اور انسان نفسانی عالم موادیں ایک طرح کا قیدی اور محبوس ہے۔ آزاد نہیں ہے اور جب وہ اس انسان طبیعی سے خارج ہوجاتا ہے تو اس کے سارے کمالات بالفعل ہو جاتے ہیں اور یہ ترقی اس کو حاصل نہیں ہو سکتی مگر موت سے جب موت آتی ہے۔ تو وہ عالم حجاب سے خارج ہو جاتا ہے اور اسکے کمالات ذاتی عالم فعلیت میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ مجھے کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا مگر اس وقت جب کسی مومن کی روح قبض کرنی

ہوتی ہے۔ میں تو اسکو ترقی دینا چاہتا ہوں اور وہ اس بات کو مکروہ سمجھتا ہے (سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین)

مفہوم موت کی توضیح

افسوس ہے کہ موت کے معانی سے بہت کم لوگ واقف ہیں موت معدوم ہو جانیکا نام نہیں ہے۔ موت اضمحلال مواد جسمانیہ اور ان کے تفرق کا نام ہے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً" یعنی انسان کے لیے پہلے موت خلق کی گئی ہے۔ بعد ازاں حیات!

ظاہر ہے کہ سب سے پہلے اس عالم مواد میں انسان کا نطفہ ہوتا ہے اس کے بعد اسکو خون بستہ بنایا جاتا ہے اس کے بعد مضغہ۔ اس کے بعد ہڈی اور پھر اسکو ایک سرخ چادر گوشت کی پہنائی جاتی ہے۔ بعد ازاں اس قالب مادی میں ایک اور خلق داخل کی جاتی ہے "ثم انشانا ہ خلقاً اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین" اور نطفہ چونکہ عالم مواد سے ہے۔ اس لیے اس میں اربعہ عناصر موجود رہتے ہیں۔ کچھ والد کے نطفے میں ہوتے ہیں اور کچھ والدہ کے۔ پس اربعہ عناصر سے جو۔ آب خاک۔ باد۔ آتش ہیں جسم انسانی بقدرت پروردگار تیار ہوتا ہے۔ اور ان میں ایک خاص حد تک ترقی کی استعداد ہوتی ہے۔ جس طرح درخت کے بیج میں کہ وہ زمین میں پڑ کر ایک خاص مقدار کا درخت ہو کر پھر خاک ہو جاتا ہے ؛

جب یہ اجزاے نطفہ اپنی ترقی کی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو اب ان میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے اور ان چاروں عنصروں میں سے کوئی عنصر غالب ہو جاتا ہے اور عموماً آب غالب آتا ہے۔ پس حرارت عزیزیہ گھٹنی شروع ہو جاتی ہے اور بلغم بڑھنے لگتا ہے۔ جس کا اثر سفید بال ہوتے ہیں۔ پس جب بالکل حرارت

غرضیکہ ختم ہوجاتی ہے۔ تو اب وہ انسان نفسانی اس جسم عنصری سے خارج ہوتا ہے
اور بحکم خدا اس کو قبض کیا جاتا ہے اور موت واقع ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ جسم طبیعی اس
انسان نفسانی کی نورانیت اور قوۃ برقیہ کی وجہ سے تر و تازہ اور مجتمع رہتا ہے
اس لئے جب وہ اس جسم طبیعی سے خارج ہوجاتا ہے تو اب اس میں فساد اور تعفن
اور تفرق پیدا ہوجاتا ہے اور چونکہ اضمحلال اور تفرق اجزائے مادیہ طبیعیہ سے
موت واقع ہوتی ہے۔ اور یہ اجزائے طبیعیہ انسان کی حیات سے پہلے موجود ہوتے
ہیں۔ اس لئے خداوند عالم حکیم وعلیم علی الاطلاق نے مقام بیان میں موت کو حیات پر
مقدم رکھا ہے "فقال عزوجل خلق الموت والحیوٰۃ"۔

ہر شے اپنے سے کمتر شے میں اثر کرسکتی ہے۔ یا اپنی جنس میں۔ برتر میں اثر نہیں
کرسکتی۔ پس عالم زمانی مادی مواد میں۔ عالم برزخی نفس میں اور عالم عقلی عقول میں
اثر کرسکتا ہے اس لئے مادے کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ نفس کو فنا کرسکے۔ اسیواسطے
ارشاد ہوا ہے ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ یعنی بعد اضمحلال اور تفرق
اجزائے مادیہ جسمانیہ کے ان کے لئے "یوم یبعثون" یعنی قیامت تک رہائش کا مقام
عالم برزخ ہے وہ معدوم نہیں ہوجاتے۔ اور موت عالم دنیا سے عالم برزخ میں
ترقی کرنے کا نام ہے نہ معدوم ہونے کا۔ لہذا موت انسان کی پہلی ترقی اور
آزادی کا ذریعہ ہے۔ جسم خاکی سے نکلتے ہی آزاد ہوجاتا ہے۔ ہر طرح کی قیودات
اور شوائبات طبیعت سے پاک اور صاف ہوجاتا ہے۔ پس اس عالم برزخی اور نفسانی
میں جب تک خداوند عالم کو منظور ہے۔ اس کو رکھیگا۔ اور پھر اس کے بعد اس عالم سے
بھی نکالکر دوسرے عالم عقلی عالم ملکوت میں لیجائے گا۔ چنانچہ نفخہ صور دو ہیں۔ قال عزوجل
ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ یعنی جس
دن پہلا صور پھونکا جائے گا۔ تو جس قدر نفوس ہیں۔ وہ سب کے سب مضمحل ہوجائیں گے

اور جب اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا "ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الا من شاء" تو جس قدر موجودات عالم برزخی نفسی میں ہونگی ان سب پر بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ "فزع" نفوس سے تعلق رکھتا ہے اور "صعق" عقول و نفوس میں تفرق اجزا نہیں ہوتا۔ تفرق خواص مواد سے ہے اور بعد نفخ ثانی کے مقام عود اور حیات محض ہے "فقال عزوجل ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان"۔

یہ امر بھی پوشیدہ نہ رہ جائے کہ نفس انسانی ایک ہی طرح کا نہیں ہے اس کے لئے بھی کئی درجے ہیں۔ اول نفس امارہ ہے "ان النفس لامارۃ بالسوء"۔ دوم نفس لوامہ ہے "لا اقسم بالنفس اللوامۃ"۔ پس جب نفس امارہ کی ترغیب سے انسان کسی امر قبیح کا مرتکب ہوتا ہے تو نفس لوامہ اس کو اس فعل قبیح کے ارتکاب پر ملامت کرتا ہے۔ سوم نفس ملہمہ ہے "ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا"۔ جب نفس انسانی عبادت اور ریاضت سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کر لیتا ہے تو خداوند عالم اسکو ہر فسق و فجور اور تقوے و پرہیزگاری کا خود الہام کر دیتا ہے۔ پس وہ ان بری چیزوں سے بچتا ہے اور اچھی چیزوں کو عمل میں لاتا ہے اور جب یہ نفس انسانی شوائب طبعیہ اور کثافت و جنسیہ نفسانیہ سے انخلا رتام حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اسکو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ اور اب اس کا تعلق محض عالم عقلانی سے ہوتا ہے دنیاوی جاہ وجلال دولت و مال ماکولات و مشروبات اس کے نزدیک ہیچ ہو جاتے ہیں اسکو ان اشیاء کے فوت ہو جانے سے نہ تو غم ہوتا ہے اور نہ حصول سے خوشی۔ اس کو ہر حالت میں اطمینان ہے اس لئے اسکو نفس مطمئنہ کہتے ہیں "قال عزوجل یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ"۔

افسوس ہے کہ شان نبوت کلیہ کو خود مسلمانوں نے اس درجہ گھٹایا ہے کہ شاید اس سے زیادہ تنزل ممکن اور متصور نہیں ہو سکتا۔ آپ آیۂ مندرجہ ذیل کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مفسرین نے خاتم المرسلین رحمۃ اللہ فی العالمین صلے اللہ علیہ و

آلہ وسلم کو ایک طبیعی انسان سے زیادہ تصور نہیں کیا ہے "انک میت و انہم میتون" اے پیغمبر تو میت ہے۔ اور وہ بھی میت ہیں۔ مفسرین اس کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جس طرح اور لوگ مرجاتے ہیں اسی طرح تو بھی مرجائے گا۔ یعنی جس طرح سے اور بنی نوع بشر کے اجزائے طبعیہ بدنیہ میں اضمحلال اور تفرق واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح سے تیرے اجزائے بدنیہ میں بھی تفرق اور اضمحلال اور فنا واقع ہو گئی اور حالانکہ وہ جنابہ مخلوقات الٰہیہ علوی و سفلی میں وجہ اللہ، یداللہ، عین اللہ، نوراللہ اور روح اللہ ہیں۔

خاتم المرسلین اور انکے اوصیاء معصومین نفس اللہ و وجہ اللہ فی العالمین ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام

بدیہی ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے سے کوئی شئے حاصل کرتا ہے اور اسکی براہ راست اتباع کرتا ہے۔ تو وہ شخص دوسروں کے واسطے جو اس اول شخص تک نہیں پہنچ سکتے اس کا وجہ ہوسکتا ہے کیونکہ وجہ کے معنی "ما یتوجہ الیہ" کے ہیں۔ چونکہ ارشاد باری ہے کہ تم ہر شے کی مثال اپنے نفسوں میں دیکھ سکتے ہو" فی انفسکم افلا تبصرون" اس لئے ہم وجہ اللہ کے معنی اور مثال کو بھی اسی نفس سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہ اعضاء و جوارح طبعیہ و نفسانیہ اُس انسان عقلانی کے ایسے مطیع اور فرماں بردار ہیں کہ اس کے حکم سے ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں کرتے۔ اس کا حکم فوراً بجالاتے ہیں اسکی خواہش اور ارادے کے تابع ہیں۔ اُس کو حکم دینے میں ان سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی جب وہ پاؤں کو چلنے کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا تو چل یا کان کو سننے کا حکم دیتا ہے۔ تو یہ نہیں کہتا کہ تو سن یا آنکھ کو دیکھنے کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ تو دیکھ۔ تب آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتا ہے اور پاؤں چلتا ہے۔ صرف اُس کا ارادہ ہوتا ہے اور یہ تمام اعضا اور جوارح اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ سب اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں اسی طرح سے وہ نفوس قادسہ مقدسہ

جو وجہ اللہ۔ ید اللہ۔ عین اللہ، اذن اللہ اور نفس اللہ فی العالمین ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کوئی کام نہیں کرتے۔ کلام کرتے ہیں۔ تو اللہ کے ارادے سے "ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ"۔ چلتے پھرتے ہیں تو وجہ اللہ چلتے پھرتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں تو وجہ اللہ کھاتے ہیں۔ نکاح کرتے ہیں تو وجہ اللہ کرتے ہیں غرضکہ کسی کام سے وہ غیر وجہ اللہ ارادہ نہیں کرتے۔ سارے کام وجہ اللہ کرتے ہیں۔ ہر حالت میں ارادے اور مشیت الٰہیہ کے تابع ہوتے ہیں چنانچہ آیہ مجیدہ اس مطلب کو خوب واضح کرتی ہے "وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" پس ان کے اجسام و انوار گویا مشیت اور ارادہ الٰہی کے لئے انسان نفسانی اور طبیعی ہیں!

پس جب تک منشاء الٰہی مخلوقات میں جاری اور ساری ہے ان کی بقا ضروری اور لازمی ہے۔

اور بدیہی ہے کہ جب تک نفس اور عقل مجرد جسم طبیعی میں جاری اور ساری ہوتے ہیں جسم طبیعی انسانی خراب و تباہ نہیں ہوتا۔ ہر وقت ترو تازہ ثابت و قایم رہتا ہے۔ اس لئے جب تک مخلوقات علوی اور سفلی میں منشاء مشیت اور قضا و قدر الٰہی جاری و ساری ہیں اس وقت تک وجہ اللہ، نفس اللہ زمین و آسمان میں ترو تازہ صحیح و سالم۔ ثابت و قائم زندہ و باقی رہے گا۔ اس کو عالم زمانی مادی یا عالم برزخی نفسی فنا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ان عوالم سے بزرگ و برتر بلکہ ان سب کا مجمع و مرکز ہے۔ قال عز و جل کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام" یعنی ہر شے جو زمین میں زندہ و موجود ہے۔ سب فنا ہوتی رہے گی۔ مگر جو وجہ رب ہے وہ نہیں فنا ہو گا۔ وہ اسی طرح باقی رہے گا کیونکہ اس میں یہ عوالم تاثیر نہیں کر سکتے۔ وہ ان سے اعلیٰ و افضل بزرگ و برتر ہے۔ چنانچہ وہ جناب خود بھی اپنی زبان صداقت بیان سے ارشاد فرماتے ہیں "انا

وجہ اللہ الباقی بعد فناء کل شی"۔

اور وہ وجہ رب کیسا ہے "ذوالجلال والاکرام" ہے پس اپنی قوت جلالی سے اشیار کو فنا کردے گا اور جنبۂ اکرام سے زمین کو باقی رکھے گا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ وجہ رب زمین جیں ہے۔ آسمان میں نہیں ہے۔ کیونکہ علیہا کی ضمیر زمین کی طرف پھرتی ہے پس زمین کی موجودات فنا ہوتی رہیں گی۔ لیکن وہ جو اس میں وجہ رب ہے فنا نہیں ہوگا۔ وہ ہروقت زندہ اور موجود رہے گا۔ اور جب خداوند عالم کو منظور ہوگا کہ اب زمین ومافیہا کو فنا کردیا جائے۔ اور مخلوقات کو عالم عقلانی میں پہنچایا جائے تو وجہ اللہ کو اللہ زمین سے اُٹھائے گا۔ زمین بھی فنا ہو جائے گی "یوم تبدل الارض غیر الارض" اور اسی طرح آسمان بھی "والسماوات مطویات بیمینہ" کہ آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے کاغذوں کے مشابہ ہونگے "اللھم صل علی محمد وآل محمد" اور یہ بھی بیان کردیا گیا ہے کہ ہر شئے اپنی جنس اور سنخ میں اثر کرسکتی ہے۔ غیر جنس اور غیر صنف میں اثر نہیں کرسکتی۔ مادہ نفس میں اثر نہیں کرسکتا۔ نفس عقل میں اثر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ مادہ نفس کی سنخ اور جنس سے نہیں ہے۔ اسی طرح نفس عقل کی جنس اور سنخ سے نہیں ہے اور یہ بدیہی ہے کہ وجہ اللہ فی العالمین عقل کل نور محض خزانۂ برقیہ وملکوتیہ الٰہیہ ہیں۔ پس اُن میں نہ تو مادہ اثر کرسکتا ہے جس سے ان کو موت اور فزع لاحق ہو۔ اور نہ نفس اثر کرسکتا ہے۔ کہ صعق اور بیہوشی طاری ہو وہ کل مخلوقات سفلی وعلوی سے قوی اور برتر ہیں اس لئے سوائے ذات واجب الوجود کے ان میں اور کوئی شئے اثر اور اضمحلال نہیں پیدا کرسکتی اور وہ نفوس خادسہ مقدسہ اللہ تعالےٰ کے اعضا اور جوارح کے قائم مقام ہیں اور اس کی مخلوقات میں اُس کے ید عاملہ ہیں۔ اس کی عین باصرہ ہیں۔ اس کے اذن داعیہ ہیں۔ اُس کے وجہ ہیں پس یہ کہنا کہ وہ بھی ایک مادی جسم رکھتے تھے اور مادے نے ان میں اثر کیا

بس مر گئے۔ توہینِ شانِ محبوبِ رب العالمین اور شانِ نبوۃ کلیہ کو نہ سمجھ کر اُن کو ایک اپنی طرح کا انسان طبیعی سمجھنا ہے جو نہایت تاریک جہالت وضلالت کا نتیجہ ہے۔ ان کی مادیت ہماری روحانیت پر بھی فوقیت رکھتی تھی اور اپنی روحانیت کے تابع تھی۔ اسی واسطے وہ روح مجسمہ اور جسد مروح کہلاتے تھے اور ان سے تمام افعال و اعمال روح اعظم کے اثر سے صادر ہوتے تھے۔ فتدبر فیہ۔

پس مطلب "انک میت وانہم میتون" کا یہ ہے کہ اے محبوب تو عالم دنیا میں بھی میت ہے یعنی تو نے ان تمام مدارج و معارج ترقیات کا عالم دنیا میں ہی احاطہ کر رکھا ہے۔ جن کو دوسرے لوگ موت کے بعد حاصل کر سکتے ہیں کہ پہلے وہ لوگ جسم طبیعی سے قطع تعلق کرینگے اور پھر اس کے بعد جسم نفسانی سے انقطاع اور انخلاء حاصل کریں گے۔ تب عالم عقلانی میں پہنچینگے۔ لیکن تجھکو اس کے انقطاع اور انخلاء کی ضرورت نہیں ہے۔ تو پہلے ہی سے عالم عقلانی میں پہنچا ہوا ہے۔ عالم عقلانی تیرا ہی نور ہے۔ تیرا ہی ظہور ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم "وانہم میتون" اور اسی طرح سے وہ نفوس قادسہ مقدسہ جن میں ہم نے تیرے نور اور تیری روح سے ذرا سا حصہ داخل کر دیا ہے۔ جو انبیاء و مرسلین ہیں۔ وہ بھی اسی طرح سے عالم دنیا میں میت ہیں یعنی انھوں نے بھی عالم دنیا ہی میں ہر طرح کے شوائب طبیعیہ اور علائق نفسانیہ سے انقطاع اور انخلاء حاصل کر لیا ہے۔ اور عالم عقلانی میں داخل ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اور یہ معانی اس آیۂ مجیدہ کے اسی آیت سے پیدا ہوتے ہیں کسی تفسیر اور حدیث سے نہیں لئے گئے ہیں کیونکہ "انک میت وانہم میتون" جملہ اسمیہ ہے جملہ فعلیہ نہیں ہے۔ اور جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے یعنی اے محبوب تو ہمیشہ میت ہے۔ کسی خاص زمانے اور وقت میں نہیں۔ اگر جملہ فعلیہ ہوتا تب تو البتہ مفسرین کے معانی درست ہوتے کیونکہ پھر تو وہ موت خاص کسی ایک وقت اور زمانہ میں

واقع ہوتی لیکن چونکہ یہ جملہ جملہ تمیمہ ہے اس لیے میتک مراد محض تمہارے ترقی انسانی ہی نہ اور کچھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؛

بہرحال جب تک زمین میں وجہ رب وجہ اللہ باقی ہے۔ زمین اسی طرح سے قایم اور دائم رہے گی اور جب وجہ رب اس زمین سے تشریف لے جائے گا تو اس وقت یہ زمین بھی متغرق اور فنا ہو جائے گی "یوم تبدل الارض غیر الارض"۔ افسوس ہے کہ بہت سے مطالب تنگی وقت کی وجہ سے بیان نہیں ہو سکتے "وجہ اللہ" اور ہے اور "وجہ الرب" اور "وجہ اللہ" مقام نبوت ہے اور "وجہ الرب" مقام امامت ؛

خیر ایک مسئلہ جس سے نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اس مقام کے مناسب ہے۔ اور اب اسکو بیان کیا جاتا ہے۔

وہ مسئلہ تاقل عمومی اور تدافع عمومی ہے یعنی آج کل یہ خیال عام ہو رہا ہے۔ کہ

مسئلہ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی

ہر جسم اور جرم میں ایک قوت جذب ہے۔ اور ایک قوت دفع۔ پس ہر جسم اپنی قوت ثقل سے دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا اور جذب کرتا ہے اور قوۃ دفع سے اسکو اپنے نزدیک سے دور پھینکتا ہے۔ پس اس تثاقل و تدافع عمومی پر انتظام عالم قائم ہے کہ زمین آفتاب میں منجذب نہیں ہو جاتی۔ اور ستارے زمین سے نہیں ٹکراتے۔ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر قایم اور ثابت ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں جب محققین فن نے غور و خوض اور مشاہدہ کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ پختہ بنیاد پر قایم نہیں ہے کیونکہ جب بعض سیارے حرکت کرتے کرتے کسی ایک بڑے جسم مثلاً آفتاب کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر انکو چاہیے کہ اصل اصول کی بنا پر آفتاب میں منجذب ہو جائیں۔ جس طرح سے مقناطیس کے بہت قریب جا کر لوہا اس میں منجذب ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا وہ پھر آفتاب کے دور چلے جاتے ہیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ کیا شے ہے۔ جس نے زمین اور آسمان کو اپنی اپنی

جگہ قائم اور ثابت کر رکھا ہے۔ پس وہ بنیچر و بہوت ہیں کچھ نہیں بیان کرتے کہ وہ کیا شئے ہے؟ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن یعنی قانون الہٰی ہیں۔ تو اس امر کو تلاش نہیں کرتے۔ وہ تو انسان طبیعی فیثاغورس افلاطون۔ نیوٹن۔ گوسی وغیرہ کی تصنیفات و تالیفات میں اس مسئلہ کو ڈھونڈتے ہیں۔!!۔

آسمان ستون غیر مرئی پر ملبند اور قائم ہے

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے رفع السماء بغیر عمدٍ ترونھا خداوند عالم نے آسمان کو ایک ایسے ستون سے ملبند فرمایا ہے جسکو تم نہیں دیکھ سکتے۔ یعنی آسمان کو ستون سے ملبند اور قائم کیا گیا ہے۔ لیکن وہ ایسا ستون نہیں ہے۔ جسکو ہم دیکھ لیں وہ ہمیں نظر نہیں آسکتا سبحان اللہ جو شئے ہماری سمجھ سے باہر ہے اسکو خداوند عالم خود ہی مثال اور تشبیہ دے کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ ہم بھی اسکو سمجھ لیں فقال عزوجل مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء پس وہ ستون کلمہ طیبہ الٰہیہ ہے جو مثل ایک درخت عظیم کے ہے کہ اسکی جڑ تو زمین میں قائم اور ثابت ہو اور شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہے۔ پس اصل سے مراد وہی وجہ رب ہو۔ جو زمین میں باقی غیر فانی ہے کیونکہ ثابت وہی شئے ہو سکتی ہے۔ جس پر فنا ثابت نہ ہو سکے۔ اور فرع سے مراد اسکا اکرام ہے کہ اس نے اپنے جنبۂ اکرام سے انتظام عالم کو قایم کر رکھا ہو۔ اور جب وہ وجہ رب اس زمین سے تشریف لے جائے گا تو آسمان لفافہ کی مانند لپٹتا ہوا چلا جائیگا یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوٰت مطویات بیمینہ!

پس وہ شئے جس نے ان کرات ارضی و سماوی کو قایم اور باقی رکھا ہے۔ وہ وہی وجہ اللہ ہیں جو ارکین زمین و اساطین آسمان کہلاتے ہیں ؎

قدم سے مہدیِ دیں کے زمیں پانی پہ قائم ہے
قرارِ کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

اللھم صل علی محمد و آل محمد بعدد معلوماتک فی الازل و الابد۔

بہر حال جس طرح سے ہر وجود انسانی تین درجے رکھتا ہے۔ اسی طرح سے نوع انسان میں بھی تین قسم کے انسان موجود ہیں

انسان طبیعی، انسان نفسی، انسان عقلی سب نوعِ انسان میں موجود ہیں

یعنی جس طرح سے ایک فرد انسانی میں تین طرح کے انسان موجود ہیں اسی طرح سے مجموعہ افراد انسانی میں بھی علیحدہ علیحدہ تین قسم کے انسان موجود ہیں ہمارے اس بیان کو توہمات خیالیہ سے نہ سمجھا جائے۔ اس بیان کی قرآن مجید فرقان حمید میں متعدد آیات موجود ہیں تدبر اور تفکر شرط ہے منجملہ ان کے یہ آیت ہے قال عزوجل "وکنتم ازواجاً ثلثۃ فاصحٰب المیمنۃ ما اصحٰب المیمنۃ و اصحٰب المشئمۃ ما اصحٰب المشئمۃ والسبقون السبقون اولئک المقربون"۔ پس اصحاب المیمنہ یا اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں جو سابقون سے استماع موعظہ کرتے ہیں اور حق و باطل میں فرق کر کے اُن کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کا نفس اُن کی طبیعت پر غالب ہے۔ جب ان کا انسان طبیعی حرام و حلال ان کے سامنے پیش کرتا ہے تو حلال کو قبول کرتے ہیں اور حرام کو رد کر دیتے ہیں اور اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرتے ہیں اور سابقون کو اپنے پروردگار کا وجہ قرار دیتے ہیں اور خود ان کی اطاعت کر کے مخلوق میں اُن کا وجہ بنتے ہیں جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ"۔ پس جو شخص حلال و حرام اور حق و باطل میں تمیز رکھتا ہے اور حدود اللہ سے تخطی نہیں کرتا۔ وہ یقیناً انسان نفسانی کے درجے میں پہنچا ہوا ہے اور انسان نفسانی ہے۔

اور جو شخص نہ تو استماع موعظہ کرتا ہے۔ اور نہ حلال و حرام میں فرق جو سامنے آتا ہے کھا پی لیتا ہے۔ حدود اللہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتا وہ یقیناً انسان طبیعی ہے۔ جسکو خداوند عالم نے اصحاب المشئمہ اور اصحاب الشمال کہا ہے۔ اور جو تمام مخلوقات الٰہیہ

سے ہر بات میں سابق ہیں - نور میں سابق ہیں، روح میں سابق ہیں، طین میں سابق ہیں، خَلق میں سابق ہیں۔ خُلق میں سابق ہیں، صورت میں سابق ہیں، سیرت میں سابق ہیں - ہر امر میں سابق ہیں وہ یقیناً انسان عقلی ہیں - اس لئے کہ ان کا تعلق براہ راست ذات واجب الوجود سے ہے - اُن کے مابین کوئی اور فاصلہ نہیں ہے کیونکہ وہ مقربین بارگاہ واجب الوجود ہیں - اور مقرَّب اور مقرِّب کے درمیان دوسری شے کا فاصلہ تقرب کو رفع کر دیتا ہے اس لئے بلا واسطہ ان کا تعلق ذات واجب الوجود سے ہے - پس وہ ہر شے کو واجب الوجود سے براہ راست لیتے ہیں اور اسپر عمل کر کے اپنے آپ کو اُنھوں نے اسکا وجہ بنایا ہوا ہے - پس وہ اسکی مشیت ہیں اس کے ارادے ہیں اس کی لوح ہیں - اس کے قلم ہیں اُس کے ہاتھ ہیں اُس کے کان ہیں - اس کی آنکھ ہیں - پس وہی لوح محفوظ ہیں - وہی کتاب اللہ ہیں - وہی کلمۃ اللہ ہیں - وہی اسماء حسنے ہیں - وہی فرقان ہیں - وہی قرآن ہیں وہی کل عوالم کے بشیر و نذیر ہیں - وہی صراط مستقیم ہیں - وہی میزان عدل ہیں - وہی حاشر ہیں - وہی محاسب ہیں - وہی شفیع ہیں - وہی مختار ہیں - وہی قسیم جنت و نار ہیں - انہی کو ارشاد باری ہے "القیانی جھنم کل کفار عنید" اے دو شخصو یعنی محمدؐ و علیؑ ہر کفار عنید کو جہنم میں ڈال دو اللھم صل علی محمدؐ و آل محمد؛

پس مجموعۂ افراد انسانی میں انسان طبیعی مشرکین و منافقین ہیں - اور انسان نفسانی موحدین و مومنین ہیں، اور انسان عقلانی انبیاء، و مرسلین اور ائمہ طاہرین ہیں علیہم الصلواۃ والسلام؛

اس لئے انسان طبیعی اور نفسی پر واجب و لازم ہے کہ اُن کے اقوال و افعال کی اتباع اور اطاعت کرے - نہ یہ کہ اُن کو اپنے قوانین مہلہ اور ضوابط فاسدہ پر چلنے کے لئے مجبور کرے - اور اگر وہ انکار کریں تو انکو قتل کرے اور زہر دیدے!!! اسی واسطے خداوند

عالم نے ارشاد فرمایا ہے "یا ایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"۔ قاعدہ ہے کہ جیسا مظروف ہوتا ہے۔ ویسا ہی اُس کے لئے ظرف تیار

ظرف مظروف کے قابل اور لائق ہونا چاہئے

کیا جاتا ہے۔ گلِ گلاب کے لئے ٹوکرے ہوتے ہیں عرق گلاب کے لئے قرابہ ہوتا ہے۔ اور عطر گلاب کے لئے نہایت صاف و شفاف گلکار شیشی تیار کی جاتی ہے۔ عطر گلاب کو مٹی کے کوزے میں نہیں رکھا جاتا۔

پس وہ صادر اول جو کُل انوار اور برقیات اور ملکوت ارضین و سموات کا مصدر ہے۔ چاہئے کہ اُس کے لئے ظرف بھی ویسا ہی نوری اور برقی اور ملکوتی ہو کیونکہ اور کسی غیر جنس کے ظرف اس کی تاب نہیں لا سکیں گے۔ پس خلاق عالم جو صاحب عرش ہے۔ اُس نے روح اعظم نبوتی کو اپنے عرش رحمت سے صادر فرمایا ہے۔ پس وہ روح اعظم روح عرشی ہے۔ پس جو روح عرشی ہے تو اس کے لئے جسم بھی عرشی ہی ہونا چاہئے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے "رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہٖ علی من یشاء من عبادہٖ لینذر یوم التلاق"۔ پس خلاق عالم نے اُس روح اعظم نبوتی کے لئے جسم بھی ویسا ہی نورانی عطا فرمایا ہے۔ جیسا اُس کا عرش علی روشن اور منور ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے "ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صھرا و کان ربک قدیرا" اللہ وہ ذات پاک ہے کہ جس نے روح اعظم نبوتی کو ماء مطلق کے جسم میں صورت بشری یعنی صورت دیدنی عطا کی ہے اور اللہ اس امر پر قادر ہے کہ وہ نور کو نور کے جسم میں ظاہر کرے۔ پس یہ کون سا پانی ہے؟ یہ وہی پانی ہے جسکی بنت ارشاد ہوا ہے "ھو الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام و کان عرشہ علی الماء" یعنی اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں خلق فرمایا ہی اور اس وقت اس کا عرش رحمت یا عرش علی پانی پر تھا۔ یعنی اس زمین و آسمان کی خلقت

سے پہلے روح اعظم نبوتی جسم نورانیہ مایہ میں موجود تھی۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جب خداوند عالم کو منظور ہوا۔ کہ مخلوقات کو خلق فرمائے۔ تو اس نے پہلے ان مخلوقات علوی وسفلی کے قوالب واجسام واجرام وہیاکل تیار کئے۔ بعدازاں ان میں وہی ماء نورانی جو طینت نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی جاری وساری فرمائی۔ پس وہ عرصۂ عدم سے میدان وجود وشہود میں جلوہ گر ہوئے فقال عزوجل وجعلنا من الماء کل شئی حیٌّ ہم نے ہر زندہ شے کو خواہ وہ عالم علوی کی ہے یا عالم سفلی کی سب کو پانی سے زندہ بنایا ہے۔

مقام اجزار وتقسیم نور محبوب در اجرام واجسام مقام طینت محبوب ہے نہ روح اعظم نبوتی۔ ورنہ کل اجرام واجسام اور تمام ہیاکل وصور خاتم النبیین ہوتے کیونکہ مدار ختم وہی روح اعظم نبوتی ہے نہ طینت ؎

پس جہاں کہیں "نفخت فیہ من روحی" آیا ہے۔ اس روح سے وہی بعض طینت محبوب رب العالمین مراد اور مقصود ہے۔ نہ روح اعظم نبوتی کیونکہ اسکی تجلیات کو اور کوئی جسم اور جرم برداشت نہیں کرسکتا۔ اس میں جنبہ واجبیت بالغیر ہے۔ ممکن اسکی کب تاب لاسکیگا۔ کوہ طور اس روح اعظم نبوتی کے ذرا سے جلوے سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور جناب موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر بے ہوش ہو کر گر پڑے "فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا"۔ پس جس قدر انبیاء ومرسلین میں کمالات موجود ہیں وہ سب آپکی طرف سے ان کو پہنچے ہیں۔ اور سب آپ ہی کا فیض ہے ؎

از طفیل نور تو آدم شدہ شاہ زمیں

در جبین پاک او مسجود عالی شان توئی

جناب آدم علیہ السلام کو ابو البشر کہتے ہیں۔ بشر اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود اور

توضیح لفظ بشر وابو البشر | جثہ ظاہر ہو۔ پس بادی البشرہ کے معنی محسوس

اور مشاہد جسم کھلی کھال والا شخص ہے۔ اور وہ انسان جو مشاہد اور محسوس حواس ظاہری ہے وہ انسان طبیعی مادی ہے۔ پس گویا جناب آدمؑ انسان ظاہری کے اب (باپ) ہیں اس لئے کہ خلاق عالم نے انسان ظاہری طبیعی کا سلسلہ جناب آدمؑ سے شروع کیا ہے فقال عز وجل "انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوالہ ساجدین" یعنی میں اب ایک انسان طبیعی بادی البشرہ بنانا چاہتا ہوں جو سب کو نظر آئے گا اور جب میں اس کے جسم مادی کو بنالوں۔ اور پھر اس میں اپنی ذری سی روح پھونک دوں۔ تب تم سب کے سب اسکو سجدہ کرو!

بدیہی ہے کہ قالب بشری جناب آدمؑ کو سجدہ نہیں دلوایا گیا تھا بلکہ اس بعض روح کو جو اس میں پھونکی گئی تھی اور وہ روح کیا شئے تھی۔ نور محمدیؐ کی ایک شعاع تھی اور یہ قالب بشری جناب آدمؑ طینتِ نورانیہ محبوبؐ کے لئے ایک ظرف تھا نہ روح اعظم نبوتی کے لئے۔ ورنہ جناب آدم بھی خاتم الانبیاء ہوتے۔ پس جناب آدم ابوالبشر یعنی ابوالاجساد ہیں اور خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح ام الارواح ہے اور ذات واجب الوجود مصدر اول خالق الارواح ہے۔

جسم مادی یعنی انسان ظاہری جس کو بشر کہتے ہیں۔ تراب سے بنا تھا چنانچہ ارشاد ہوا ہے "ان مثل عیسےٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب" یعنی مثال جناب عیسیٰؑ کی خداوند عالم کے نزدیک مثل آدمؑ کے ہے۔ کہ ان کو تراب سے خلق فرمایا تھا۔ پس جناب آدمؑ ابوالبشر ہیں۔ ابوتراب نہیں ہیں۔ یعنی اصل اصول مادہ بشری نہیں ہیں۔ بلکہ اسکی ایک صورت کے اب (باپ) ہیں۔ ابوتراب وہ ہے جو اس مار نورانی سے مخلوق ہوا ہے۔ جس سے روح اعظم نبوتی مخلوق ہوئی ہے قال عز وجل "ھوالذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا"

یعنی ابوتراب وہ شخص ہے۔ جس کا جسم ظاہری اس طین سے مخلوق ہوا ہے جس سے روح اعظم نبوتی کا جسم ظاہری مخلوق ہوا ہے۔ پس وہ نسب میں اس کا صہر ہے اور وہ اسکا داماد ہے۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام ؏

نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امی کہتے ہیں جس کے معنی

توضیح لفظ اُمّی

اَن پڑھ یعنی جاہل کے کرتے ہیں قال عزوجل "الذین یتبعون الرّسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التورٰیۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث ... فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون"

اللہ اکبر! جناب آدمؑ ابوالبشر تو بدو خلقت سے ملائکہ کے معلم ہوں اور خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال تک اُمی اور جاہل رہیں۔ وقال عزوجل "ھُوالذی بعث فی الامّیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم"۔ حرف لما امور متوقع الحصول میں مستعمل ہوتا ہے۔ پس اگر امی کے معنی ان پڑھ اور جاہل کے لئے جائیں تو یہ مطلب برآمد ہوگا کہ اللہ وہ ہے جس نے جاہلوں میں سے اپنے رسول کو مبعوث کیا۔ پس اُس نے ان کو تزکیہ نفس کرایا اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دی۔ اور کچھ اور باقی رہ گئے ہیں جو بعد میں رسول کے آئیں گے!!! پس اب جبکہ تمام زمانہ لکھ پڑھ گیا ہے۔ ھذا وندعالم ان باقی جاہلوں کو بھیجیگا۔ آپ لوگ اس امر کی توقع رکھیں۔ وہ ضرور

آئیں گے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اصل مطلب یہ ہے کہ اُمّی کے معنی صاحب روح ام الارواح ہیں یعنی وہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی رُوح اُم الارواح ہے اس کو یہود اور نصارے توراۃ وانجیل میں مع اوصاف کے لکھا ہوا پاتے ہیں صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور وہ امیین جنہیں سے اللہ نے انکو مبعوث فرمایا ہی ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں کیونکہ وہ نفوس قادسہ مقدسہ بھی اسی بنی امی کی طرح صاحب ام الارواح ہیں اس لئے کہ ان سبکا نور ایک ہی۔ انکا اول محمدؐ ہی انکا آخر محمدؐ ہی۔ انکا اوسط محمدؐ ہی اور یہ سارے کے سارے محمدؐ ہیں قال علیہ السلام "اولنا محمدؐ واخرنا محمدؐ واوسطنا محمدؐ وکلنا محمدؐ" دوسرے معنی امی کے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اُنھوں نے غیر اللہ سے کوئی شے نہیں حاصل کی ہے۔ ان کے علوم اور ساری چیزیں لدنی ہیں۔ تمام بیانات سابقہ سے ظاہر ہوگیا ہے کہ صادر اول یہی نفوس قادسہ مقدسہ ہیں۔ سابقون اور مقربون یہی ہیں اور جو شے پہلے مصدر اول سے صادر ہوئی ہے وہ نفس تعلیم قرآن ہے قال عزوجل "الرحمان علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان" یعنی مصدر رحمانیت سے جو شے پہلے صادر ہوئی ہے وہ نفس قرآن ہے یعنی ذات محبوب رب العالمین شہر علم الہٰی ہے اور پھر اسکے بعد انسان مخلوق ہوا ہے وہ اسکا بیان ہے جو باب اور دروازہ ہے۔ پس یہ نفوس قادسہ ومقدسہ عالم بہ تعلیم الہٰی ہیں۔ اُنھوں نے مخلوق سے علم نہیں حاصل کیا ہے۔ اس لئے امی ہیں چنانچہ قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہوا ہے "بل ہو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم" یعنی قرآن کیا ہے بلکہ قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جنکو خداوند عالم نے علم عطا کیا ہے نہ ان لوگوں کے پاس جنہوں نے کسی اور شخص سے علم حاصل کیا ہے اور یہ لوگ جو اوتو العلم ہیں۔ یعنی صاحبان علم لدنی۔ زمانہ رسول میں بھی موجود تھے اور لوگ بھی ان کو

جانتے تھے۔ کہ وہ صاحبان علم لدنی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے "ومنہم من یستمع الیک حتی اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا ماذا قال انفا۔ اولٰئک الذین طبع اللہ علٰی قلوبہم واتبعوا اھواءھم" یعنی اے رسولؐ بعض لوگ ایسے ہیں کہ تیری باتوں کو خوب کان لگا کر سنتے ہیں۔ لیکن جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں۔ تو ان لوگوں سے جو "اوتوا العلم" ہیں کہتے ہیں کہ رسولؐ نے اب کیا کہا تھا۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔

بہرحال خلاق عالم نے ان نفوس قادسہ و مقدسہ کی ارواح نورانیہ کے لیے جوام الارواح ہیں اجساد بھی ویسے ہی نورانیہ خلق فرمائے ہیں۔ لیکن ان ارواح اور اجساد کی نورانیت ایسی نہیں ہے کہ ہم اس کو حواس ظاہری سے محسوس کر سکیں اس لئے خداوند عالم نے ہمارے سمجھانے اور حواس ظاہریہ سے محسوس کرنے کے لئے تشبیہات مفردہ و مرکبہ اور محسوسہ و غیر محسوسہ سے آیہ مجیدہ میں بیان فرمایا ہے "اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار نورٌ علٰی نور" یعنی وہ ارواح نورانیہ ایسے اجساد نورانیہ میں رکھی گئی ہیں۔ جن کو نورٌ علی نور کہہ سکتے ہیں اللھم صل علٰی محمد وال محمد۔

پھر آگے چل کر ان کی توضیح فرما دی ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کیا ہیں؟ "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" تجارت اور بیع کیا ہیں۔ ان کے واسطے اب وقت نہیں ہے۔

ہر نبی نے اپنے بعد میں آنے والے کی بشارت دی ہے۔ جناب آدمؑ نے جناب نوحؑ کی جناب نوحؑ نے جناب ابراہیمؑ کی۔ جناب ابراہیمؑ نے جناب موسٰیؑ کی جناب موسٰیؑ نے جناب عیسٰیؑ کی اور جناب عیسٰیؑ نے خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی بشارت دی ہے۔ "یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم

مصدقا لما بین یدی من التوریۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد پس
کل انبیاء و مرسلین نے گویا آپ کی بشارت دی ہے اور آپ کے بعد نبوت و رسالت ختم
ہو چکی ہے۔ اور اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید و فرقان حمید میں
آپ کو بھی مبشر کہا گیا ہے یاایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا و
داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا پس آپ بھی ضرور کسی کے مبشر ہیں پس آپ اُس
اُمّیِ آخر کے مبشر ہیں جس سے خداوند عالم نے وعدہ کیا ہے کہ اُن کو تمام روئے زمین کا
خلیفہ بنائے گا اور ان کے ہاتھ پر کل زمینی اور آسمانی مخلوقات اسلام لائے گی اور اُن کے
ہاتھوں سے اسلام تمام ادیان پر غلبہ و ظہور حاصل کرے گا۔ ویومئذ یفرح المومنون
بنصر اللہ۔ اللہ اکبر! یہ وہ دن ہو گا کہ خداوند عالم نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے فرمایا ہے کہ تم اس دن وہاں موجود ہونے کی ہم سے درخواست کرو ہم تمہاری
درخواست منظور کریں گے نقال عزوجل۔ قل رب اما ترینی مایوعدون و انا علیٰ
ان نریک مانعدھم لقدرون! پس جب وہ آخری اُمّی ظہور فرمائے گا تو اُس کے
نور سے تمام زمین و آسمان روشن اور منور ہو جائیں گے۔ اسوقت آفتاب و ماہتاب کی
روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ کیونکہ حسب وعدہ وہ نور الانوار اور روح الارواح
جو مبدء اور مرکز ہے ملکوت سماوات و ارضین کا اُس کے ہمراہ تماشا دیکھنے کے لئے
موجود اور حاضر ہو گا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واشرقت الارض بنور ربھا ولا حول
ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاھرین
والسلام علی من اتبع الھدیٰ

تمام شد

مژدۂ جاں فزا

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

تقریباً ۵ سال کا عرصہ گذر چکا ہے کہ رسالہ "البرھان" ابند یا معرض التوا میں ہے۔ مگر معلوم کیا یا ہے کہ دفتر کی طولانی خاموشی اور اجرار رسالہ سے مایوسی کے باوجود بھی اسکی یاد ہنوز اہل شوق کے دلوں میں تازہ اور اسکا نام باقی ہے کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ تقریراً یا تحریراً اسکے اجرار کی فرمائش احباب کی طرف سے ہوتی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ذوق کو وہ آب و نمک کسی اور علمی خوانِ نعمت پر میسر نہیں آتا جو ان کو "البرھان" پیش کرتا تھا۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ ان حضرات کو کیا جواب دیں "البرھان" کی حیات مینیجر صاحب کی زندگی اور قوم کی مسیحائی سے وابستہ ہے۔ مینیجر صاحب ہنوز اپنی حالت میں ہیں اور قوم ہنوز بے احساسی - احسان فراموشی اور غفلت شعاری کے مرض میں مبتلا ہے۔

رسالہ - کارکنانِ دفتر نے بند نہیں کیا - وہ ابھی اسی طرح خدمتِ دین کے لئے تیار ہیں - قوم کی بے توجہی اور ناشناسی نے بند کیا - اور قوم ہی اسکو زندہ کر سکتی ہے۔

ہم نے سلسلہ اشاعت کتب پھر اس لئے جاری کیا ہے کہ قوم پھر بیدار ہو کر اپنے فرائض کو محسوس کرے مومنین کے لئے نہایت شرم کا مقام ہے - اگر وہ مرحوم شیخ اعلی اللہ مقامہ کی یادگار کو دوبارہ زندہ اگر مومنین اس طرف توجہ فرمائیں اور "مواعظِ حسنہ" کے یہ پانچوں نسخے چھ ماہ کے اندر اندر نکل جائیں انکو بشارت دیتے ہیں کہ اسکے بعد ایک بہترین ذخیرہ فضائل و مناقبِ اہل بیت پیش کریں گے - جس کو اگر حقیقتاً میں - مخزن فضائل کہا جائے تو بجا ہے اور اسکی حقیقت کی نسبت ابھی ہم کچھ زیادہ کہنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں - یہی سلسلہ - اگر قوم توجہ فرمائے تو اشاعت "البرھان" کے بند دروازے کو کھولنے کا مبارک ذریعہ ہو سکتا ہے ہم خرمہ و ہم ثواب فاستبقوا الخیرات

العارض

میرزا محمد حسن خاں قائم مقام منیجر "البرھان" - لاہور